بسم اللہ الرحمن الرحیم

علوم الحدیث

www.KitaboSunnat.com

تصنیف

ڈاکٹر صبحی صالح

مترجم

محمد رفیق چودھری ایم اے

ناشر

اسلامی اکادمی

اردو بازار لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.kitabosunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علوم الحدیث

تصنیف

ڈاکٹر صبحی صالح

مترجم

محمد رفیق چودھری ایم اے

www.KitaboSunnat.com

ناشر

اسلامی اکادمی

اردو بازار، لاہور۔ پاکستان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نام کتاب	مباحث فی علوم الحدیث
نام مصنف	ڈاکٹر صبحی صالح لبنانی
ترجمہ	پروفیسر محمد رفیق چودھری ایم۔اے
طابع	ابو مومن منصور احمد عفی عنہ
ناشر	اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور
مطبع	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
بار	اول
تعداد	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	اکتوبر ۱۹۸۹ء
قیمت	۹۰ روپے

ہر قسم کی کتب ملنے کا پتہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور

المكتبة الرحمانية

11971

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

عرضِ ناشر

موجودہ تاریک دور میں جدید مادی نظریات کے رسائل و کتب اور ڈائجسٹس اپنی کارستانیاں دکھا رہے ہیں، ان حالات میں ہم قرآن کریم اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشر و اشاعت اپنے لیے عظیم سعادت سمجھتے ہیں۔

چنانچہ ہم نے اسلامی کتب اور تفاسیر و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُردو ترجمے شائع کیے ہیں، قابل ذکر تفسیر "تفسیر ترجمان القرآن" مولانا ابوالکلام آزادؒ تین جلدوں میں، اور سید قطب شہیدؒ کی تفسیر "تفسیر فی ظلال القرآن" دس جلدوں میں شائع کر رہے ہیں۔

کتب احادیث میں مؤطا امام مالکؒ، سنن ابوداؤد شریف مکمل تین جلدیں سنن نسائی شریف مکمل تین جلدیں، سنن ابن ماجہ شریف مکمل تین جلدیں بمعہ اُردو ترجمہ اعلیٰ طباعت اور آفسٹ کاغذ، دیدہ زیب جلد بندی کے ساتھ بحمد اللہ شائع کر چکے ہیں۔

اب آپ کے سامنے علوم حدیث کے موضوع پر صبحی صالح کی تالیف "مباحث فی علوم الحدیث" کا اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں، جس کا ترجمہ پروفیسر محمد رفیق چوہدری (ادارہ معارف اسلامی لاہور) نے کیا ہے۔

اس کتاب کو طلباء علوم اسلامیہ کے لیے بالخصوص، اُردو خوان طبقہ کے لیے بالعموم آسان، رواں اور سلیس ترجمے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اپنی قیمتی آراء کے ساتھ ساتھ اس کے نقائص کی نشاندہی بھی کر دیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تلافی کر دی جائے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس نیک کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین، (ابوالمؤمن منصور احمد) ۱۹۸۹ء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

دِیباچہ

از مترجم

زیرِ نظر کتاب دراصل لبنان کے پروفیسر ڈاکٹر صبحی صالح کی تالیف "مباحث فی علوم الحدیث" کا اُردو ترجمہ ہے، مؤلف موصوف نے اس کتاب میں اصولِ حدیث سے متعلق جملہ امور پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ طریقِ بحث میں قدیم وجدید اسلوب کا امتزاج ہے اور اجتہادی شان نمایاں ہے ـــــ مستشرقین اور منکرینِ حدیث کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کا شافی وکافی جواب دیا گیا ہے، الغرض اپنے موضوع پر یہ ایک جامع کتاب ہے اور تدریسی نقطۂ نظر سے بہت مفید ہے۔

میرے پیشِ نظر یہ رہا ہے کہ اس کتاب کو طلبائے علومِ اسلامیہ کے لیے بالخصوص، اُردو خوان طبقے کے لیے بالعموم آسان، رَواں اور سلیس ترجمے کی صورت میں پیش کیا جائے ـــــ تاہم اس مقصد میں مجھے کتنی کامیابی ہوئی ہے، اس کا فیصلہ قارئین کتاب ہی بہتر طور پر کرسکیں گے۔

اگر ترجمے میں کہیں کسی خامی یا غلطی کی نشاندہی کی جائے گی تو اس کی اصلاح کے لیے ہر وقت آمادہ ہُوں۔

محمد رفیق چوہدری

ادارہ معارف اسلامی

منصورہ لاہور

۱۳ ستمبر ۱۹۸۹ء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فہرست ـــــــ علوم الحدیث

مضامین	صفحہ نمبر

مقدّمہ	۱۰
فصل (۱) تدوینِ حدیث	۱۷
ظہورِ اسلام سے قبل علمِ کتابت	〃
عہدِ رسالت میں کتابت کی قلّت کے اسباب	۱۹
عہدِ رسالت میں کتابتِ حدیث	۲۸
صحیفہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (یعنی صحیفہ ہمام بن منبہؒ)	۳۸
تدوین حدیث کے بارے میں مستشرقین کا نقطہ نظر	۴۰
خلافت راشدہ کا دور	۴۶
تابعین کا دور	۴۸
فصل (۲) طلبِ حدیث کے لیے سفر	۵۸
ارتقاءِ علم حدیث پر ماحول کا اثر	〃
طلبِ حدیث میں سفر	۶۱
اس سفر کے دینی اثرات	۶۶
حدیث کو ذریعہ معاش بنانے کے لیے سفر	۷۳
روایتِ حدیث میں تساہل سے کام لینے والوں کا مقابلہ	۷۸
فصل (۳) مدارسِ حدیث اور القابِ محدثین	۸۷
القابِ محدثین	۸۸
حافظے کی مدد سے روایت باللفظ	۹۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل (۴) اخذ حدیث کے مختلف طریقے ۱۰۵

پہلا طریقہ ..... سماع ″

۲ ..... قرأت ۱۱۱

۳ ..... اجازہ ۱۱۳

۴ ..... مناولہ ۱۱۵

۵ ..... مکاتبہ ۱۱۶

۶ ..... اعلام ۱۱۸

۷ ..... وصیّت ۱۲۰

۸ ..... وجادہ ۱۲۱

روایت حدیث کے طریقے ۱۲۵

فصل (۵) علم حدیث روایت و درایت ۱۲۶

روایتِ حدیث ″

علمِ جرح و تعدیل ۱۲۸

علمِ رجال حدیث ۱۳۰

علم مختلف الحدیث ۱۳۱

علم علل الحدیث ۱۳۲

علم غریب الحدیث ″

علم ناسخ و منسوخ ۱۳۳

فصل (۶) حدیث و سنت اور بعض دیگر اصطلاحات ۱۳۵

حدیث و سنت ″

لفظِ حدیث کی لغوی بحث ″

حدیث بمعنی ضدِّ قدیم ۱۳۶

حدیث و سنت میں فرق ۱۳۸

لفظِ سنت کی لغوی بحث ۱۳۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سنت کی حفاظت	۱۴۱
حدیث وسنت کا مترادف ہونا	۱۴۲
خبر و اثر	۱۴۳
حدیث قدسی	۱۴۴
فصل (۷) راوی کی شرائط	۱۴۸
شرط عقل	۱۴۹
ضبط	۱۵۰
عدالت	۱۵۲
فصل (۸) اقسام حدیث	۱۶۶
مقبول	۱۶۶
مردود	//
موضوع	۱۶۷
فصل (۹) صحیح حدیث کی تعریف	۱۷۱
متواتر حدیث	۱۷۳
متواتر لفظی	۱۷۵
متواتر معنوی	۱۷۷
خبر واحد سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔	۱۷۸
حدیث غریب	۱۸۰
حدیث مشہور	//
فصل (۱۰) حدیث حسن	۱۸۵
حدیث کے دیگر القاب	۱۹۲
ضعیف حدیث	۱۹۶
ضعیف حدیث کی قسمیں	۱۹۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

	(۱) مرسل	۱۹۷
	مرسل حدیث حجت نہیں ہوتی	"
	(۲) منقطع	۲۰۰
	(۳) معضل	۲۰۲
	(۴) مدلّس اور اس کی اقسام	۲۰۳
	(۵) معلل	۲۱۵
	(۶) مضطرب	۲۲۳
	(۷) مقلوب	
	امام بخاری کے امتحان کا واقعہ	۲۲۹
		۲۳۴
	(۸) شاذ	۲۳۵
	(۹) منکر	۲۴۴
	(۱۰) متروک	۲۴۸
فصل (۱۱)	کیا موقوف اور مقطوع روایات ضعیف ہوتی ہیں؟	۲۴۹
	ضعیف احادیث کی روایت اور ان پر عمل کی حیثیت	۲۵۲
فصل (۱۲)	صحیح، حسن اور ضعیف کی مشترک اقسام	۲۵۶
	مرفوع[1]، مسند[2] اور متصل[3]	"
	معنعن[4]، مؤنن[5]، معلق[6]	۲۶۳
	فرد[7]، غریب[8]	۲۶۸
	عزیز[9]، مشہور[10]، مستفیض[11]	۲۷۲
	عالی[12]، نازل[13]	۲۸۰
	متابع[14]، شاہد[15]	۲۸۶
	(۱۶) مدرج	۲۹۰
	(۱۷) مسلسل	۲۹۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

(۱۸) المصحف	۳۰۱
فصل (۱۲) موضوع حدیث اور وضع حدیث کے اسباب	۳۱۰
موضوع حدیث اور اسے جاننے کے پانچ اصول	〃
فصل (۱۳) کتب حدیث کا تعارف	۳۲۴
کتب حدیث کے مراتب	〃
اہم کتب روایت اور مسانید	۳۲۶
(الف) کتب صحاح	〃
(ب) الجوامع	۳۳۲
(ج) مسانید	〃
(د) معاجم	۳۳۴
(ھ) مستدرکات	〃
(و) مستخرجات	〃
(ز) الاجزاء	۳۳۵
فصل (۱۳) خاتمہ	۳۳۶
ماخذ و مصادر	۳۵۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مقدمہ

ہماری یہ کتاب علومِ حدیث کے بارے میں ہے،.... ہم نے اس سے پہلے علوم القرآن کے نام سے اسی انداز سے کتاب مرتب کی تھی، زیرِ نظر کتاب چند علمی مباحث پر مشتمل ہے اور اس میں ہم نے اپنے لازوال علمی ورثہ کو امتدادِ زمانہ کے گرد و غبار سے پاک صاف کر کے جدید تقاضوں کے مطابق نہائت واضح اور عمدہ اسلوب کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

بہت سے لوگ یہ تصوّر کرتے ہیں کہ علمِ حدیث پر کام کرنا بہت آسان اور سہل ہے، اور یہ راہ بہت محفوظ راہ ہے جہاں ٹھوکر کھانے کا کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ علمائے سلف نے اس راہ کو بالکل ہموار کر دیا ہے، اور آئندہ کام کرنے والوں کے لیے اس میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، اب اس راہ میں کرنے کا اگر کوئی کام ہے تو بس یہی کہ ہم اسلاف کی کتابوں کی تلخیص و انتخاب پر اکتفا کرتے ہوئے ان کے بے پناہ علمی ذخیرے سے استفادہ کریں۔

لیکن یہ تصوّر صحیح نہیں ہے، ہم پورے وثوق سے یہ کہتے ہیں، کہ اس راہ میں علمی کام کرنا آسان نہیں ہے بلکہ بہت دشوار ہے، اصل متون کی تحقیق اور مخطوطات کی اشاعت میں بہت زیادہ محنت و کاوش ضروری ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کیونکہ یہاں آکر بیک وقت تالیف اور تحقیق کا کام جمع ہو جاتا ہے ، اور قدیم وجدید اسلوبِ نگارش میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

علومِ حدیث کی قدیم کتابوں کے اصل متن کی تحقیق ہونی چاہیے، اور اگر ہم نے علمِ حدیث کی اُمہات کتب کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہ بنایا ہوتا تو ہم اس قابل نہ ہوتے کہ اپنی کتاب میں وہ اہم مباحث بیان کر سکتے، جن کی ضرورت اس فن میں تخصص کرنے والوں کو لاحق ہوتی ہے، ہم نے بنیادی حوالے کی کتابوں سے دیانتداری کے ساتھ اقتباسات لیے ہیں اور نہایت محنت و دقت سے ان کی تلخیص کی ہے، پھر ان بکھری ہوئی متفرق معلومات کو جمع کر کے کتابی صورت میں پیش کیا ہے، اس سلسلے میں دمشق کا ظاہریہ کتب خانہ دنیا بھر میں اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس میں فنِ حدیث سے متعلق ہر قسم کی اُمہات کتب کے مخطوطات موجود ہیں، جن سے ہم نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

ہماری کتاب کے حواشی اس اَمر کی نشاندہی کرتے کہ ہم نے ان مخطوطات پر کتنا اعتماد کیا ہے، اور اس کتاب کے آخر میں ہم نے مآخذ و مصادر کی فہرست بھی دے دی ہے، جس سے ہماری اس کاوش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مگر ہم نے محض اقتباسات اور تلخیص پیش کرنے کا کام نہیں کیا ہے بلکہ علومِ حدیث میں سلف کے کام کا تاریخی اور تنقیدی تجزیہ کر کے ان کی مختلف آراء کا تقابلی جائزہ لیا ہے، اس بارے میں اپنے قاری کو دور اَز کار بحثوں میں الجھانے کی کوشش نہیں کی ہے، بلکہ ہمارا مقصود یہ رہا ہے کہ سلف کی قیمتی اور نادر کتب میں بکھری ہوئی اصطلاحات کا تحقیقی جائزہ پیش کریں۔

بنا بریں یہ کتاب محض سلف کی کتابوں کا انتخاب یا تلخیص نہیں ہے بلکہ یہ ایک تنقیدی جائزہ ہے، اگر یہ محض انتخاب یا تلخیص ہوتی تو اس کے اظہار میں ہمیں کوئی تردّد نہ تھا، ہمیں تو اس پر فخر ہے کہ ہم اپنے ان عظیم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اسلاف کے پیروکار اور خوشہ چین ہیں جنہوں نے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چار دانگِ عالم میں پھیلا دیا، اس علم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم یا کوئی اور شخص، جو بھی اس موضوع پر کاوش کرے وہ نقل اور تلخیص سے کام لے کیونکہ محدثینِ کرام نے اس ضمن میں اس قدر واضح اصول و قواعد منضبط کر دیئے ہیں کہ ان پر اضافہ اب ممکن نہیں ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ قدیم مآخذ کو پیش کرنا بھی جدید کام ہے، اور متونِ حدیث میں موازنہ و محاکمہ کرنا بھی تحقیقی کام ہے، اسی جذبے کے تحت ہم نے بڑی احتیاط سے بعض مشکل مسائل پر بحث کی ہے اور پھر اپنی صوابدید سے ان میں ترجیح قائم کی ہے، مثال کے طور پر ہم نے ناقابلِ تردید دلائل سے یہ واضح کیا ہے کہ حدیث کی کتابت کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں ہو چکا تھا، اس کے ثبوت میں ہم نے بہت سی کتابوں، مخطوطات اور تاریخی دستاویزات کے حوالے دے دیئے ہیں ـــــ ہمارے اس کام کا ماحصل یہ ہے کہ حدیث کی حفاظت کا دارومدار صرف حافظے ہی پر نہیں تھا بلکہ صدرِ اوّل ہی میں جو کچھ حافظے میں تھا اسے صفحۂ قرطاس پر بھی منتقل کر دیا گیا تھا،

اس سلسلہ میں ہم نے تاریخی شواہد کے ساتھ طلبِ حدیث کے لیے لوگوں کے سفر کرنے کا ذکر کیا ہے، پھر علمِ حدیث کے حصول اور تعلیم و تدریس کے مختلف طریقوں کی وضاحت کی ہے اور ان کا باہمی موازنہ کیا ہے، پھر علومِ حدیث سے متعلق کُتب کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے، تاریخی تقاضوں کے حوالے سے حدیث و سنت کا فرق واضح کیا ہے، حدیث کے راویوں سے متعلق شرائط کو جانچا اور پرکھا ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ راویوں کے بارے میں جو شرائط محدثین نے قائم کی ہیں وہ ہر زمانے میں عقلِ انسانی کے بالکل مطابق ہیں،

اس کے علاوہ ہم نے مستند کتب کی روشنی میں حدیث کی مختلف اقسام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اور اصطلاحات بیان کی ہیں، اس سلسلے میں مشہور محدث رامہرمزی کی کتاب "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" سے ابتدا کی ہے، جو کہ اصطلاحاتِ حدیث کی اوّلین کتاب ہے، اور پھر جمال الدین قاسمی کی "قواعد التحدیث" تک سے مدد لی ہے۔

اس ضمن میں تدوینِ حدیث کی بحث خاصی طویل ہو گئی ہے، کیونکہ عرب نوجوانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ ان مستشرقین کے دامِ فریب میں آ گیا ہے، جو تدوینِ حدیث سے انکار کرتے اور اس بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیتے ہیں، موضوع حدیثوں اور وضعِ حدیث کے اسباب پر بھی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور ان اصول وقواعد کو بیان کر دیا ہے جن کی بنا پر محدثین نے صحیح اور موضوع احادیث کے مابین فرق وامتیاز کیا ہے، ہماری تمامتر کوشش یہ رہی ہے کہ ہم اس بات پر زور دیں کہ حدیث کی اصطلاحات گہری حکمت پر مبنی ہیں، یہاں عرض سے پہلے جوہر، لفظ سے پہلے معنی، سند سے پہلے متن اور نقل وتتبع سے پہلے عقل وشعور کی زیادہ اہمیت ہے، علمی مباحث کے دوران میں اس گتھی کو سلجھانا آسان نہ تھا، کیونکہ جب تک قاری کو اس کے تمام دلائل و شواہد معلوم نہ ہو جاتے وہ ان سے باخبر نہیں ہو سکتا تھا، لہٰذا کتاب کے آخر میں اس مسئلے کی وضاحت کر کے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے اور وہیں ہم نے اپنی کتاب میں محدثانہ اصولِ حدیث کے معیارات کا خلاصہ بھی دے دیا ہے، ہم نے اس ضمن میں ثانوی اور غیر مستند کتابوں سے استفادہ نہیں کیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب اس کتاب کے قاری پر یہ حقیقت خود بخود منکشف ہوتی ہے کہ ہر دور کے فلسفۂ اصطلاحات میں حدیث کی اصطلاحات کا مقام ومرتبہ سب سے بلند تر ہے۔

ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ عربی قاری جو ذہنی طور پر اُمّتِ مسلمہ کے درمیان اجنبی بن کر نہیں رہنا چاہتا اور جو مستعار افکار ونظریات نہیں رکھتا،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اب اصطلاحاتِ حدیث سے آگاہ ہو کر پورے ذوق و شوق سے احادیث و روایات کا مطالعہ شروع کر دے گا، وہ کتبِ صحاح کا بغور مطالعہ کرے گا اسی طرح وہ اپنی زبان و ادب کے ذخیرہ میں اضافہ کرے گا، وہ یہ دیکھ لے گا کہ کتبِ احادیث ایک ایسا آئینہ ہے جس سے عہدِ نبویؐ کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، اور اس آئینے میں حیاتِ طیبہ اور اخلاقِ نبویؐ کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ کس طرح صحابۂ کرام نے ایک ایسے مثالی معاشرے کی تشکیل و تکمیل کی تھی، جس کی بنیاد حق و صداقت، بھلائی اور جمالیات پر تھی۔

بلاشبہ علمِ حدیث کے بعض ایسے اہم پہلو بھی ہیں جن کا تذکرہ ضروری تھا، مگر ہم نے انہیں قصداً بیان نہیں کیا ہے، کیونکہ وہ ہمارے موضوع سے خارج تھے، بعض عنوانات کے تحت مجبوراً ہم نے اختصار سے کام لیا ہے کئی مقامات پر صرف بنیادی امور کی طرف اشارہ کر کے ان کے مآخذ و مصادر کی نشاندہی کر دی ہے تاکہ تفصیل کے طالب ان کی طرف رجوع کریں۔

جن مباحث کو ہم نے عمداً چھوڑ دیا ہے ان میں "قانون اسلامی میں حدیث کی حیثیت" کا موضوع بھی ہے، چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس موضوع پر علمائے اصول اور فقہائے کرام نے خوب بحثیں کی ہیں اور یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر اگر کئی جلدیں بھی لکھ دی جائیں تو پھر بھی موضوع سے پورا انصاف نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح جس مبحث کو ہم نے ترک کیا ہے وہ بلاغتِ نبویہ کا موضوع تھا، یہ موضوع بھی طوالت کا متقاضی تھا، اگر ہم اس موضوع کو چھیڑتے، تو علوم الحدیث کے مباحث کی اہمیت متاثر ہوتی تھی اور وہ مقصد پورا نہ ہوتا تھا جسے ہم نے اپنی اس کتاب میں پیشِ نظر رکھا ہے۔

ہم راویوں کے طبقات پر بھی تفصیلی بحث کرنا چاہتے تھے اور ان کے ساتھ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مکثرین (جنہوں نے زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حضرات ... اور تابعین وتبع تابعین میں سے مشہور ہستیوں کے حالاتِ زندگی بھی بیان کرنا چاہتے تھے مگر ہم نے اس پہلو کو اس لیے نظر انداز کر دیا ہے کہ اس موضوع پہ بہت سا مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، البتہ اس کمی کی تلافی ہم نے اس طرح کر دی ہے کہ اپنی کتاب کے حواشی میں ان مشہور راویوں، علماء اور ائمہ کے مختصر حالاتِ زندگی دے دیتے ہیں، جن کا تذکرہ علوم الحدیث کے مباحث میں آیا ہے،

میں ان تمام حضرات کا تہ دل سے شکر گذار ہوں، جنہوں نے اس کام میں میرا ہاتھ بٹایا ہے،

بالخصوص میں ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، تدوینِ حدیث کے سلسلے میں آپ کی ذاتِ گرامی اوّلین راہنما ہے، کیونکہ انہوں نے صحیفہ ہمام بن منبہؒ کی تدوین واشاعت کا کام کیا ہے، اس کتاب سے میں نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے، میں اپنے دوست ڈاکٹر یوسف العش کا بھی شکر گذار ہوں جن کی کتاب "تقیید العلم للخطیبؒ" نے میرے لیے تدوینِ حدیث کے بارے میں نئی راہیں کھولیں، مزید برآں ان کے ذریعے مجھے بہت سی نادر کتابوں اور مخطوطوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا، انہوں نے بعض کتابیں بھی مجھے مستعار دیں، مثلاً "الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیبؒ" — اپنے دوست مشہور عالم وادیب پروفیسر احمد عبید کا بھی احسان مند ہوں جن کی بدولت مجھے بعض اہم کتابوں بالخصوص راویوں کے حالاتِ زندگی سے متعلق کتابوں تک رسائی ہوئی۔

جامعہ دمشق کے ادارۂ مطبوعات کے کارپردازان بھی شکریے کے مستحق ہیں جن کی کوشش سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی،

میں اس سال کے اپنے طلبۂ عربی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے "ظاہریہ" کے بعض مخطوطات سے عبارت کا تقابل کیا ہے، خصوصاً

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

عبدالعزیز رباح اور محمد عید جاد اللہ عباسی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنی رضامندی کے لیے قبول فرمائے، اس کو مقبول بنائے، میری غلطیوں کو معاف فرمائے اور توفیق دینے والی وُہی ذات ہے۔

صبحی صالح

(دمشق، ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

باب اوّل

تدوینِ حدیث

ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کا کتابت سے آشنا ہونا

اسلام سے قبل عربوں کے بارے میں ہم یہ زیادتی نہیں کر سکتے کہ وہ فنِ کتابت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اپنے آثار و روایات کی حفاظت کے لیے محض حافظے پر اعتماد کرتے تھے، بلاشبہ شمالی عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ حضورؐ کی بعثت سے پہلے مکّہ ایک مشہور تجارتی مرکز تھا اور مدینہ کی نسبت یہاں پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی، لہٰذا بعض روایات جن میں یہ ذکر ہے کہ "مکّہ میں اس وقت دس سے کچھ زیادہ آدمی ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے"، محلِ نظر ہے، اس طرح کی روایات کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ان کی قطعی تعداد کا تعین مشکل ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظن و تخمین کا معاملہ بن جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے اہم مسئلے کا فیصلہ محض ظن و تخمین کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف ہم یہ مبالغہ بھی نہیں کر سکتے کہ عقلی و نقلی دلائل کے بغیر یہ ثابت کریں کہ اس زمانے میں عرب میں لکھنے پڑھنے والے کثیر تعداد میں موجود تھے، یہ الگ بات ہے کہ ہم مستشرقین کی اندھی تقلید میں یہ کہیں کہ

لہ مثال کے طور پر دیکھیے صحیفہ ہمام بن منبہ ص۳ از ڈاکٹر حمید اللہ، اس میں ڈاکٹر صاحب بار بار یہی قول دہراتے کرتے ہیں، نیز مؤرخین بھی اس فقرے کو دہراتے رہتے ہیں کہ "عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا"، اس کے علاوہ دیکھیے طبقات ابن سعد، ۳، ۲، ص۱۴۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

قرآن میں عربوں کو جو "اُمّی"[1] کہا گیا تو یہ لکھنے پڑھنے کے منافی نہیں ہے ــــ مستشرقین کے ہاں تو اُمّی وہ شخص ہے، جو شریعتِ الٰہی سے بیگانہ ہو، وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صرف اس لیے اُمّی[2] کہا جاتا ہے کہ آپ ان بُت پرست "اُمّیوں" کے نبی تھے، جو اللہ کے کسی رسول کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب کے قائل تھے، اس لیے انہوں نے ایک ایسی کتاب از خود مرتب کرلی تھی،[3]

واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عربوں کو اس مفہوم میں اُمّی قرار دینے میں کوئی منطقی ربط نہیں ہے جس مفہوم کو مستشرقین نے سمجھا ہے، ان کا بیان کردہ مفہوم نہ تو عربیت کے مطابق ہے اور نہ ہی تفسیرِ قرآن کے مطابق یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی لفظ سے بیک وقت دو متضاد مفاہیم مراد لے لیے جائیں؟ ظاہر ہے "اُمّی" سے مراد یا تو وہ شخص ہے جو کتابت و قرأت نہ جانتا ہو یا وہ جو شریعتِ الٰہی سے ناواقف ہو، اس سے دونوں متضاد مطالب نہیں لیے جا سکتے۔

وہ مفسّرین غلطی پر ہیں جو اُمّی عربوں سے مراد لیتے ہیں "شریعتِ الٰہی سے ناواقف لوگ"، اور جب یہی لفظ اُمّی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں

---

[1] الجمعہ: ۲ [2] الاعراف: ۱۵۷

[3] تفسیر ابن جریر طبری میں "اُمّیین" کی یہی تفسیر حضرت ابن عباس رضی سے منقول ہے، جو انہوں نے سورہ بقرہ کی آیت "ومنھم اُمّیّون لا یعلمون الکتٰب" کے بارے میں فرمائی ہے مستشرقین نے اس تاویل سے یہ مراد لی ہے کہ حضور لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور یہ کہ عربوں کو اور حضور کو اُمّی کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، مگر تعجب ہے کہ اسی تفسیر کے جس صفحہ پر ابن عباس رضی کی یہ تفسیر موجود ہے وہیں طبری کا بیان ہے کہ یہ رائے بہت کمزور اور بے وزن ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

قرآن میں آتا ہے تو اس سے مراد "ان پڑھ" لیتے ہیں، مگر مستشرقین اس غلطی میں دو قدم آگے ہیں، کہ پہلے تو انہوں نے ایک ضعیف رائے پر اعتماد کیا اور پھر اُسے دو حصّوں میں تقسیم کرکے ایک کو تو تسلیم کیا ہے اور دوسرے سے صرفِ نظر کیا ہے، اس طرح ان کی راستے طفلانہ ہے۔

اس سے بڑا عقلی تضاد اور کیا ہو سکتا ہے کہ اہلِ عرب تو اس لیے اُمّی ہیں کہ وہ شریعتِ الٰہی سے نابلد ہیں، اور حضورؐ اس لیے اُمّی ہیں کہ وُہ ان جاہلوں کے نبی تھے اور ان کو شریعتِ الٰہی سکھاتے تھے؟

مستشرقین کے اس غلط تصوّر سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ خود قرآن مجید کے الفاظ پر غور کیا جائے، وہ اتنا واضح ہے کہ کسی تاویل کا محتاج نہیں، جہاں بھی "اُمّی" کا لفظ قرآن میں آیا ہے اس سے "ان پڑھ" مراد ہے، خواہ وہ اہلِ عرب ہوں یا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جمہور مفسرین نے یہی مفہوم مراد لیا ہے[1] لہٰذا عربوں کو اگر اُمّیین کہا گیا تو اس میں مبالغہ کا پہلو شامل نہیں ہے، اس وقت اکثر عرب لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے ــــ البتہ اس بات میں مبالغہ ہے کہ اس وقت اکثر عرب لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ شریعتِ الٰہی سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے ان کو اُمّی قرار دیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے وہ اپنے حق میں آج تک کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے۔

عہدِ رسالت میں کتابت کی قلت کے اسباب

ظہورِ اسلام سے پہلے عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج جس حد تک بھی ہو، مگر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد مدینہ سے زیادہ مکہ میں تھی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ جنگِ بدر میں جو قیدی گرفتار ہوئے تھے ان کا

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر طبری جلد ۱، ص ۲۹۶، ۲۹۷،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

تعلق مکّہ سے تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہو وہ مدینے کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر آزاد ہو سکتا ہے"[۱] سب سے بڑھ کر یہ دلیل ہے کہ کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک ہے[۲] جن میں اکثر کا تعلق مکّہ سے ہے، ان لوگوں نے قرآن کا وہ حصّہ تحریر کیا جو ہجرت سے پہلے نازل ہو چکا تھا، پھر مدینے میں آکر رفتہ رفتہ یہ صورت بدلتی گئی، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں صفّہ کی بنیاد رکھی اور حضرت عبداللہ بن سعید بن عاص نے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا تو اہل مدینہ میں بھی پڑھے لکھے لوگوں کی خاصی تعداد ہو گئی[۳] گمان غالب یہ ہے کہ دورِ رسالت میں مدینے کی نو مساجد میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا اور وہ مدارس کا کام بھی دیتی تھیں[۴]، ہماری اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہو جاتی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بچوں کو اپنے اپنے محلے کی مسجد میں تعلیم حاصل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے[۵]

یہ بات بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے سال مردم شماری کرنے کا حکم دیا تھا، تاکہ تمام مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی صحیح تعداد شمار کی جائے،

صحیح بخاری میں "باب کتابت الامام للناس" کے ضمن میں یہ امر واضح ہے کہ اس پر مردم شماری کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا گیا تھا، اس بارے میں نبی صلی

---

[۱] الروض الانف از سہیلی شرح ابن ہشام جلد ۲ صـ ۹۲، نیز طبقات ابن سعد جلد ۲/۱ صـ ۱۴

[۲] ملاحظہ ہو ہماری کتاب مباحث فی علوم القرآن

[۳] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن البرّ جلد ۲ صـ ۳۶۶ بر حاشیہ اصابہ لابن الحجر

[۴] صحیفہ ہمام بن منبّہ ص ۹، نیز صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاستسرار بالایمان للخائف جلد ۲ صـ ۱۷۸ مع شرح نوویؒ

[۵] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "مباحث فی علوم القرآن صـ ۷۴"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ :

"جو لوگ اپنی زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں ان سب کے نام لکھ لیے جائیں"۔ تعمیل ارشاد میں ہم نے پندرہ سو مردوں کے نام لکھے[۱]

اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام حفاظتِ حدیث کے لیے قلم و قرطاس سے زیادہ حافظے پر اعتماد کرتے تھے، تو ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان اسباب کا کھوج بھی لگائیں جو اس ضمن میں عام اسباب سے ہٹ کر تھے، اور صرف انہی وجوہات پر قانع نہ رہیں جو اس سلسلہ میں بالعموم لوگ بیان کر دیتے ہیں، ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ دورِ رسالت میں تدوینِ حدیث کی کمی کا سبب لکھنے پڑھنے کے وسائل کا فقدان تھا، کیونکہ وسائل کتابت نایاب نہ تھے، یہ چیز تدوینِ حدیث کی قلت کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب تو ہو سکتی ہے، مگر صرف یہی ایک وجہ قرار نہیں دی جا سکتی، کیونکہ دوسری طرف ہم جانتے ہیں کہ کتابتِ قرآن کے معاملے میں بھی اس طرح کی کئی رکاوٹیں موجود تھیں مگر ان سب کے باوجود انہوں نے قرآن مجید کو درخت کے پتوں، شانے کی ہڈیوں، پالانوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھ لیا تھا[۲]

اگر تدوینِ حدیث کے لیے صحابہ کرام رضؓ کے جذبات میں وہی جوش اور ولولہ ہوتا جو قرآن کے جمع و تدوین کے لیے تھا، تو وہ ہر ممکن وسائل سے اس کام کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ تدوینِ حدیث کے ضمن میں انہوں نے از خود اور ارشاد نبویؐ کی تعمیل میں جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ قرآن کے جمع و تدوین سے بالکل الگ نوعیت رکھتا ہے۔

---

[۱] انساب الاشراف مخطوطہ قاہرہ جلد ۱ صفحہ ۴۲۰ (یہ حوالہ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی صحیفہ ہمام صفحہ ۶ حاشیہ ۵ پر دیا ہے۔

[۲] التراتیب الاداریہ للکتانی جلد ۱ صفحہ ۴۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صحابہ کرام رضؓ زیادہ تر قرآن مجید کے اخذ و استفادہ میں معروف رہتے تھے، اور اسے حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ معرضِ تحریر میں بھی لاتے جاتے تھے، ان کا اکثر وقت قرآن مجید کی خدمت و تلاوت میں صرف ہوتا تھا، ان کے دل و دماغ پر قرآن مجید چھایا ہوا تھا، احادیث کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ اس کا استقصاء ممکن نہ تھا، حضورؐ ہر معاملے میں کوئی نہ کوئی رائے دیتے تھے، ہر سوال کا واضح جواب دیتے تھے، اور قرآن مجید کے کثیر حصے کی تشریح و تفسیر فرماتے تھے، اس صورتِ حال میں لکھنے والوں کے پاس اتنا وقت کہاں تھا، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کو قلمبند کرتے۔ اس کام کے لیے اگر کچھ صحابہ کرام آمادہ ہو جاتے کہ آپ کے تمام اقوال و افعال کو معرضِ تحریر میں لے آئیں تو کیا سب کاتب اس بات کا اہتمام کر سکتے تھے، کہ اس سلسلے میں کوئی چیز باقی نہ رہے؟

عقل و قیاس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ بعض صحابہ رضؓ ذاتی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر بلکہ تمام ارشادات قلمبند کرنے کے خواہش مند تھے، اور جب قرآن و حدیث میں التباس کا اندیشہ نہ رہا تو حضورؐ نے بھی ان کی اس خواہش کی تائید کی، بعض صحابہؓ نے تھوڑی بہت احادیث لکھیں کئی پڑھے لکھے صحابہ کرام رضؓ قرآن میں اس درجہ منہمک تھے کہ کتابتِ حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے، یہ صحابہ بلا واسطہ حضورؐ کے ارشادات سنتے، ان پر عمل کرتے مگر لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے، بعض ان پڑھ صحابہؓ تھے جو حتی الوسع قرآن و حدیث کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے، ابتدائے اسلام میں اکثر صحابہؓ کا تعلق اسی قسم سے تھا۔

قرآن مجید کو سینوں اور صفحات میں جمع کرنے کی جانب صحابہ کرامؓ کی توجہ اس حد تک تھی، کہ وہ صرف اسی کام کے لیے وقف ہو گئے، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ فیضان تھا، صحابہ کرام رضؓ خواہ ان پڑھ ہوں یا پڑھے لکھے، سب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

آپؐ کے شاگرد تھے۔ ان کی تدریجی تربیت معاشرے کے احوال وحوادث کے مطابق تھی، ان کی یہ تربیت جامد قسم کی نہ تھی بلکہ اس میں افراد اور حالات کا خاص لحاظ پیش نظر رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ابتدائے وحی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا تھا کہ کہیں قرآن اور ارشادات نبوی میں التباس پیدا نہ ہو، کیونکہ بعض اوقات قرآنی آیات اور احادیث کو ایک ہی جگہ لکھنا پڑتا تھا[1] چنانچہ حدیث نبوی ہے کہ:

"میری طرف سے سن کر کچھ نہ لکھو، جس نے قرآن کے سوا کوئی اور چیز لکھی ہے تو وہ اسے مٹا دے، میری حدیثیں دوسروں تک بیان کرو، یاد رکھو! جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔"[2]

---

[1] امام خطابی معالم السنن جلد ۴ ص۱۸۴ پر اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"آپ نے قرآن وحدیث یکجا لکھنے سے منع فرمایا تھا کہ دونوں خلط ملط نہ ہو جائیں اور پڑھنے والے کو الجھن پیش آئے، البتہ تحریر کے ذریعے علم کو محفوظ کر لینا ممنوع نہیں ہے۔

[2] یہ حدیث صحیح مسلم میں جلد ۸ ص۲۲۹ پر حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے موجود ہے، اس سے ملتی جلتی احادیث" علوم الحدیث لابن الصلاح ص۱۷ اور تقیید العلم از خطیب بغدادی ص۲۹ تا ص۳۲ پر بھی حضرت ابوسعید خدریؓ ہی سے مروی ہیں۔ اگرچہ بعض محدثین اس روایت کو معلول قرار دیتے ہیں اور اسے حضرت ابوسعید خدری کا قول مانتے ہیں، مگر علامہ احمد شاکر اس بات کو صحیح تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں (الباعث الحثیث ص۱۴۹) ہمارے خیال میں مذکورہ بالا حدیث کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کے راوی بھی ابوسعید خدری ہی ہیں۔
"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

پھر جب قرآن مجید کا اکثر حصہ نازل ہو چکا اور بہت سے صحابہؓ نے اسے حفظ بھی کر لیا اور التباس کا اندیشہ نہ رہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث کی عام اجازت دے دی[1]

نے اجازت نہ دی" (تقیید العلم از خطیب بغدادی ص۳۲، نیز الالماع از قاضی عیاض مخطوطہ الظاہریہ ص۲۷) ـــ چنانچہ ابو سعید خدری حدیث کی کتابت کے معاملے میں بڑے سخت گیر تھے انہیں یہ اندیشہ تھا کہ قرآن و حدیث کہیں خلط ملط نہ ہو جائیں، جب ابو نضرہ نے ان سے حدیث لکھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا:

ہم احادیث نہیں لکھیں گے، ہم اسے قرآن نہیں بنائیں گے، حضور ہمیں حدیث سناتے اور ہم زبانی یاد کر لیا کرتے تھے، تم بھی اسی طرح ہم سے سُن کر یاد کر لیا کرو، جس طرح حضورؐ سے سُن کر ہم یاد کر لیا کرتے تھے، (ذم الکلام از ہروی مخطوطہ الظاہریہ ص۱۶۲)

عام طور پر یہی مشہور ہے کہ منع کتابت کی حدیث صرف ابو سعید خدریؓ کی روایت کردہ ہے جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں، مگر اسی قسم کی روایات بعض دوسرے صحابہؓ سے بھی منقول ہیں ـــ مثال کے طور پر حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت (تقیید العلم ص۳۳، ص۳۴) حضرت عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایات بھی موجود ہیں، (ملاحظہ ہو مجمع الزوائد جلد ۱ ص۱۵۰) نیز حضرت زید بن ثابتؓ نے بھی یہی حدیث روایت کی ہے (جامع البیان العلم جلد ۱ ص۶۳)

[1] مشہور محدث رامہرمزی نے ابو سعید خدریؓ کی اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ روایت کہ ہم کتابتِ حدیث کی اجازت کے طلبگار تھے مگر حضورؐ نے اس سے منع فرما دیا" ـــ میرا خیال ہے کہ حضورؐ نے یہ بات آغازِ ہجرت میں فرمائی تھی، جب قرآن و حدیث میں التباس ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ (المحدث الفاصل جلد ۴ ص۶)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تحریر کے ذریعے علم کو محفوظ کر لو۔" [1]

---

[1] جامع البیان العلم لابن عبدالبر جلد ۱ ص۷۲، تقیید العلم ص۶۹، المحدث الفاصل للرامہرمزی مخطوطہ ظاہریہ جلد ۴ ص۲، مگر رشید رضا نے مذکورہ حدیث پر جرح کی ہے (مجلہ المنار جلد ۱ ص۷۶۳ تا ص۷۶۶) ان کے نزدیک یہ حدیث بروایت عبدالحمید بن سلیمان خزاعی ضعیف ہے، اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو عبداللہ بن المؤمل والی روایت کے حوالے سے ضعیف کہا ہے، اس راوی کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں: "یہ منکر روایات بیان کرتا ہے"۔ (مجمع الزوائد جلد ۱ ص۱۵۲)

یاد رہے کہ رشید رضا نے جو جرح کی ہے وہ مذکورہ حدیث کی مندرجہ بالا دونوں اسناد سے متعلق ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حدیث تمام طرق کے اعتبار سے ضعیف ہے مثلاً وہ تفرد والی سند جس میں اسماعیل بن یحییٰ عن ابن ابی ذئب عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تحریر کے ذریعے علم کو محفوظ کر لو۔" (تقیید العلم ص۶۹)

ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ یہ حدیث صحابہ میں معروف تھی، یہاں تک کہ بعض محدثین نے اس کو کئی صحابہ کے قول کی حیثیت سے بھی نقل کیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، مگر صحابہ رض کے درمیان متداول ہونے کی وجہ سے بعض محدثین نے اس کو موقوف سمجھا ہے، امام سیوطی تدریب الراوی ص۱۵ میں لکھتے ہیں:

"محدث حاکم نے اسے حضرت انسؓ کا قول قرار دیا ہے"۔۔۔ بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضورؐ نے عمومی طور پر کتابت حدیث کی اجازت دی تھی جیسے وہ حدیث جو محدث رامہرمزی نے المحدث الفاصل جلد ۴ ص۳ پر، امام سیوطی نے تدریب الراوی ص۱۵ پر حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت کی ہے کہ "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ سے کئی باتیں سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں؟ فرمایا: "لکھ لیا کرو، اس میں کوئی حرج نہیں"۔ رشید رضا کے نزدیک یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ (المنار جلد ۱ ص۷۶۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

میرا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے سخن عام صحابہ کی طرف تھا، جس کے لیے آپ نے کتابتِ حدیث سے عمومی طور پر منع فرمایا تھا، چونکہ صحابہ میں ہر قسم کے لوگ تھے، جیسے ثقہ، زیادہ ثقہ، صالح اور زیادہ صالح، ضابط اور زیادہ ضابط، حفظ کرنے والے اور زیادہ حفظ کرنے والے، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت عام صحابہ کو احادیث قلمبند کرنے سے بھی منع فرمایا اور بعض کو خصوصی طور پر اس کی اجازت بھی دے دی، تاکہ لکھنے والے میں حفظ کے ساتھ ضبط کا وصف بھی شامل ہو جائے، تو لکھنے سے حفظ کو زیادہ تقویت حاصل ہو جاتی ہے[1] لیکن اگر حافظہ کمزور ہو اور بھول جانے کا اندیشہ ہو تو اس

---

[1] جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کتابتِ حدیث کی اجازت دی تھی، اسی کے نتیجہ میں انہوں نے "الصحیفۃ الصادقۃ" مرتب کیا تھا، اس صحیفے کے بارے میں ہم کسی اور مناسب مقام پر مفصل گفتگو کریں گے۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "تاویل مختلف الحدیث" طبع مصر ۱۳۲۶ھ ص ۳۶۶ پر لکھا ہے کہ:

یہ ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کو اس لیے خصوصی طور پر اجازت دی ہو کہ وہ سابقہ کتب پڑھ سکتے تھے اور سریانی و عربی زبان میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس کے برعکس دوسرے صحابہ میں سے صرف ایک دو ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور اس میں بھی وہ پوری طرح ماہر نہ تھے، بلکہ حروف تہجی بھی صحیح طور پر نہیں لکھ سکتے تھے، چونکہ ان کی تحریر میں غلطی کا امکان تھا، اس لیے انہیں حدیث لکھنے سے منع کر دیا، اور حضرت عبداللہ کو اس لیے اجازت دی کہ ان کے بارے میں ایسا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صورت میں بھی تحریر سے ضبط کو تقویت اور تائید حاصل ہوتی ہے[1]

لہٰذا بعض صحابہ کے لیے کتابتِ حدیث کی خصوصی اجازت ایک استثنائی صورت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احوال وظروف کے پیشِ نظر خاص افراد کے لیے اختیار فرمائی تھی۔

رہی یہ بات کہ کتابتِ حدیث کی اجازت دینے والی احادیث کو

---

[1] اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ ایک انصاری حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر احادیث سنتے مگر پھر بھول جاتے، اس بارے میں اس نے حضورؐ سے شکوہ کیا تو آپؐ نے فرمایا "اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لیا کرو" یعنی لکھ لیا کرو۔ دیکھیے تقیید العلم ص۶۷، نیز سنن ترمذی جلد ۲ ص۱۱۱ طبع مصر ۱۲۹۲ھ ومعالم السنن للخطابی جلد ۴ ص۱۸۴، مگر اس حدیث میں ایک راوی خلیل بن مرہ ہے جسے امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے، خطیب بغدادی نے تقیید العلم ص۶۶ پر یہی حدیث نقل کی ہے اور اس سند میں خلیل بن مرہ نہیں ہے، علامہ سیوطی نے تدریب ص۱۵ پر یہ روایت بغیر سند کے دیدی ہے لہٰذا اس حدیث سے انکار ممکن نہیں ہے اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کے تمام طُرق ضعیف ہیں۔

الخ نصوص اور تاریخی شواہد کے ہوتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری برسوں میں کتابتِ حدیث کی اجازت دیدی تھی، ابوشاہ یمنی کی روایت میں بھی ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا، خطبہ سے فارغ ہوئے تو ابوشاہ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! مجھے یہ خطبہ لکھوا دیجیے" آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا "ابوشاہ کو یہ خطبہ تحریر کر دو" اس حدیث کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تقیید العلم للخطیب ص۸۹، فتح الباری جلد ۱ ص۱۸۴، سنن ترمذی جلد ۲ ص۱۱۱، علوم الحدیث لابن الصلاح ص۱۰۱، جامع بیان العلم جلد ۱ ص۷۰ اور المحدث الفاصل جلد ۴ ص۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کتابت سے منع کرنے والی حدیثوں کا ناسخ بھی قرار دیا گیا ہے[1]، تو اس میں حکیمانہ تدریج ملحوظ رکھی گئی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، عامۃ الناس کو کتابتِ حدیث سے منع کیا جانا اور بعض صحابہ کو اس کے لکھنے کی اجازت دینا قولِ نسخ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ عام لوگوں کو کتابت سے منع کر کے بعض افراد کو ناسخ احادیث کے وارد ہونے سے پہلے ہی حدیثیں لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی تھی، لہٰذا اس ناسخ ہونے کا اس تخصص اور استثناء سے کوئی تعلق نہیں ہے، مختلف آثار کے درمیان ہم اسی بنا پر مطابقت پیدا کرتے ہیں، اور ان آراء میں بظاہر جو تناقض نظر آتا ہے وہ سطحی مطالعہ کی وجہ سے ہے۔

ظاہری طور پر بعض نصوص میں جو تضاد محسوس ہوتا ہے اس میں مطابقت کچھ مشکل نہیں ہے صرف قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں آخری فیصلہ کیا تھا؟ دوسرے یہ کہ امت مسلمہ بالآخر کس بات پر متفق ہوئی؟ پھر اس میں اختلاف کی گنجائش کہاں باقی رہی، جب پوری امت قرنِ اوّل کے بعد کتابتِ حدیث کے جواز پر متفق ہو گئی تھی، ابن الصلاح لکھتے ہیں:

"پھر یہ اختلاف ختم ہو گیا اور پوری امت کتابتِ حدیث کے جواز پر جمع ہو گئی، اور اگر ان احادیث کو کتابوں میں مدوّن نہ کیا جاتا تو بعد کے زمانے میں وہ موجود نہ رہتیں"[2]

عہدِ رسالت میں کتابت شدہ صحیفے

یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بھی حدیثیں لکھ لی تھیں، ان میں وہ بھی تھے، جنہوں نے عام حکم منع کے باوصف حضورؐ کی طرف سے خصوصی اجازت سے احادیث قلمبند کیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ کتابت حدیث کا بیشتر کام حضورؐ کی

[1] تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۳۶۵، الباعث الحثیث ص ۱۴۹ [2] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۷۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حیاتِ طیبہ کے آخری برسوں میں ہوا، جب کتابتِ حدیث کی عام اجازت دیدی گئی تھی[1] جو صحیفے خود عہدِ نبوی میں لکھے گئے ان کا تاریخی ثبوت موجود ہے، اگرچہ ان میں سے بعض کی اسانید صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی، پھر بعض کی اسانید بہت قوی بھی ہیں، آج وہ صحیفے ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ہمیں یقین کامل ہے کہ ایسے تمام صحیفے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کافی عرصہ تک امت میں موجود و متداول رہے۔

ترمذی[2] میں ہے کہ سعد بن عبادہ انصاریؓ نے ایک صحیفے میں احادیث جمع کی تھیں[3] اور ان کا ایک بیٹا اس صحیفے سے احادیث روایت کیا کرتا تھا[4]

---

[1] حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضورؐ نے جو کتابتِ حدیث کی اجازت دیدی تھی اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ آپؐ نے وفات سے پہلے ایک ایسی تحریر لکھنا چاہی جس کی موجودگی میں مسلمانوں کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ رہے، اس طرح کی تحریر لکھنے میں حضورؐ کوئی حرج خیال نہیں فرماتے تھے، (تاریخ طبری جلد ۲/۴ ص ۱۸۰۶ تا ص ۱۸۰۷، فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۵ تا ص ۱۸۷)

[2] امام ترمذی کا نام محمد ہے اور سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عیسیٰ بن سَورہ بن موسیٰ بن ضحاک سُلمی، ان کی ایک کتاب جامع الکبیر بھی کہلاتی ہے، آپ نے ۲۷۵ھ یا ۲۷۹ھ میں وفات پائی، ان کا اور ان کی کتاب کا مفصل بیان آئندہ آئے گا۔

[3] سنن ترمذی، کتاب الاحکام باب الیمین مع الشاہد (صحیفہ ہمام بن منبہؒ ص ۱۶) پروفیسر عبدالصمد صارم نے اپنی کتاب تاریخ القرآن مطبوعہ دہلی ۱۳۵۹ھ ص ۱۷۳ پر لکھا ہے کہ انہوں نے مسند احمد میں سعد بن عبادہ کے صحیفے کا تذکرہ ملاحظہ کیا ہے (صحیفہ ہمام ص ۱۵) حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۴۵۷ نمبر ۸۸۳ میں لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ دورِ جاہلیت کے کاتبوں میں سے تھے، آپ کی وفات ۱۵ھ میں حوران کے مقام پر ہوئی،

[4] صحیفہ ہمام بن منبہ، بحوالہ تدوین حدیث، از مولانا مناظر احسن گیلانی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

امام بخاریؒ[1] روایت کرتے ہیں کہ یہ صحیفہ عبداللہ بن ابی اوفیؓ[2] کی کتاب سے نقل شدہ ہے، خود عبداللہ بن ابی اوفیؓ اپنے ہاتھ سے کتابتِ احادیث کرتے تھے، اور لوگ ان کی کتابت شدہ حدیثیں پڑھا کرتے تھے[3] سمرہ بن جندب (متوفی ۶۰ھ) نے بھی ایک صحیفے میں احادیث جمع کی تھیں، ان کے بعد وہ صحیفہ ان کے صاحبزادے سلیمان کے پاس رہا اور وہ اس سے روایات بیان کرتے تھے[4] غالباً یہی وہ صحیفہ ہے جو سمرہؓ نے اپنے صاحبزادوں کو بصورتِ مکتوب

---

[1] ہم آئندہ مناسب مقام پر امام بخاریؒ کے حالاتِ زندگی بیان کریں گے،

[2] صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب الصبر علی القتال (الیسر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث ص۹، از محمد زبیر صدیقی)

[3] جیسا کہ صحیح بخاری کے کئی مقامات پر وارد ہوا ہے، اور اس روایت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ موسیٰ بن عقبہ صاحب المغازی نے ابو النضر سالم مولیٰ عمر بن عبیداللہ سے روایت کیا ہے کہ سالم عمر بن عبیداللہ کے کاتب تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے ایک خط بھیجا جو میں نے عمر بن عبیداللہ کو پڑھ کر سنایا تھا، ایک روایت میں اس طرح ہے کہ عمر بن عبیداللہ جب خوارج کی طرف گئے، تو عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے ان کو لکھا اور میں نے پڑھ کر وہ سنایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں منتظر رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ فرمایا جس میں یہ فرمایا۔ "لوگو! دشمن سے لڑنے کی تمنا نہ کرو، اللہ سے امن وسلامتی مانگو لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر سے کام لو اور آگاہ رہو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے، پھر فرمایا اے قرآن نازل کرنے والے خدا! اے بادلوں کو چلانے والے اور دشمن کے لشکروں کو بھگا دینے والے تو دشمنوں کو شکست دے اور ہمیں فتح نصیب ہو۔" (صحیح بخاری باب لا تتمنوا لقاء العدو وباب الصبر علی القتال)

[4] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۱۹۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بھیجا تھا، اس صحیفے کے بارے میں ابن سیرین[1] نے کہا تھا کہ: "سمرہ نے جو مکتوب اپنے صاحبزادوں کے نام روانہ کیا اس میں بہت علم موجود ہے"[2]

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ (متوفی ۷۸ھ) نے بھی ایک صحیفہ قلمبند کیا تھا[3]

امام مسلمؒ[4] فرماتے ہیں کہ یہ صحیفہ مناسکِ حج کے بارے میں تھا[5]

---

[1] محمد بن سیرین بصری جن کی کنیت ابوبکر ہے، یہ بصرہ میں علوم دینیہ کے امام عصر تھے، ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی (تہذیب التہذیب، جلد ۹ ص۲۱۴)

[2] دیکھیے تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۲۳۶، نمبر ۴۰۲، محمد بن سیرین کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ علم کو قلمبند کرنا ناپسند کرتے تھے، اور ان کا کہنا تھا، کہ بنی اسرائیل کتابوں ہی کی وجہ سے گمراہ ہوئے جو ان کو ورثے میں ملی تھیں (تقیید العلم ص۶۱) ایک روز ابن سیرین نے عبیدہ سے کہا، کیا جو بات آپ سے سنوں وہ لکھ لیا کروں؟ عبیدہ نے کہا "نہیں"، ابن سیرین نے پھر عرض کیا کیا کتاب سے مطالعہ کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں (تقیید العلم ص۴۵) سنن دارمی جلد ۱ ص۱۲۱، کتابت کی کراہیت کے باب میں دیکھیے، (علل الحدیث لابن حنبل ص۶، مخطوطہ ظاہریہ مجموعہ نمبر ۴۰، المحدث الفاصل جلد ۴ ص۵، طبقات ابن سعد ص۱۴۱

لیکن ابن سیرین کی رائے یہ تھی کہ جب کوئی شخص کوئی حدیث سُنے تو اسے لکھ لینے میں حرج نہیں مگر حفظ کرنے کے بعد اس تحریر کو مٹا دے، یحییٰ بن عتیق نے تقیید العلم ص۶۰ پر ان سے یہی روایت کیا ہے، اس کے علاوہ حماد بن زید نے المحدث الفاصل جلد ۴ ص۵ میں بھی ان سے یہی روایت درج کی ہے، البتہ ممکن ہے کہ وہ پہلے کتابوں سے نقل کرتے اور ان کا مطالعہ بھی کرتے ہوں، جب ہی انہوں نے حضرت سمرہؓ کے مکتوب کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں بہت سا علم موجود ہے،

[3] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص۳۴۴، تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۷۱،

[4] امام مسلمؒ کے بارے میں تفصیلی تذکرہ آئندہ کسی مناسب مقام پر آئے گا،

[5] صحیفہ ہمام ص۱۴،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

یہ ممکن ہے کہ حضرت جابر کے صحیفے میں حضورؐ کے حجۃ الوداع کا ذکر بھی ہو جس میں آپ نے ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس امکان کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مشہور تابعی قتادہ بن دعامہ الدوسی (متوفی ۱۱۸ھ) کے نزدیک اس صحیفے کو بڑی قدر و منزلت تھی اور وہ کہا کرتے تھے کہ:

"جابرؓ کا صحیفہ مجھے سورۂ بقرہ سے زیادہ یاد ہے"۔[1]

یہ بھی بعید نہیں کہ حضرت جابرؓ کے شاگرد سلیمان بن قیس الیشکری[2] سے جو روایات مروی ہیں وہ اسی صحیفے سے ماخوذ ہوں[3]، اس ضمن میں مناسب ہے کہ ہم وہب بن منبہ (متوفی ۱۱۴ھ) کی اس روایت کی قدر کریں کہ جب حضرت جابرؓ حلقہ بنا کر مسجد نبوی میں اپنے شاگردوں کو احادیث لکھواتے تھے تو وہب بھی ان حدیثوں کو سن لیا کرتے تھے[4]، اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ احادیث حضرت جابرؓ کے صحیفے میں درج ہوں، کم از کم اس سے یہ نتیجہ تو نکالا جا سکتا ہے کہ اس وقت یہ صحیفہ لوگوں میں معروف تھا، یہ امکان بھی ہے کہ حضرت جابرؓ کے بعض شاگردوں

---

[1] التاریخ الکبیر للامام بخاری جلد ۴ ص ۱۸۲ مطبوعہ ہند۔

[2] بلاشبہ سلیمان الیشکری احادیث کو لکھتے تھے، جب ابوالمبشر نے ابوسفیان سے کہا کہ آپ سلیمان الیشکری کی طرح حدیثیں کیوں روایت نہیں کرتے؟ ابوسفیان نے کہا سلیمان حدیثیں لکھتا تھا اور میں نہیں لکھتا تھا،
(تقیید العلم ص ۱۰۸)

[3] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۱۵ نمبر ۳۶۹

[4] تہذیب التہذیب، ترجمہ وہب بن منبہ،
صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۱۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نے یہ صحیفہ نقل کر لیا ہو[1]، اگرچہ ہمارے پاس اس کے لیے کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔

"صحیفہ صادقہ" ان تمام صحیفوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے جو عہدِ رسالت میں تحریر کیے گئے، اس صحیفے کو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (متوفی ۶۵ھ) نے مدوّن کیا تھا[2]، ابن الاثیر کہتے ہیں کہ اس میں ایک ہزار حدیثیں موجود تھیں[3]۔ اگرچہ یہ صحیفہ ہم تک اس حالت میں نہیں پہنچا مگر مسند احمد میں اسے کامل طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے[4]۔

---

[1] محمد بن الحنفیہ (متوفی ۸۰ھ) کبار تابعین سے ہیں حضرت جابرؓ کے شاگرد تھے، محمد بن علی ابو جعفر الباقر (متوفی ۱۱۴ھ) اور عبداللہ بن محمد بن عقیل بھی آپ کے شاگرد خاص تھے، یہ تینوں حضرات جناب جابرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور احادیث اور نمازِ رسول ﷺ کے بارے میں دریافت کرتے اور پھر لکھ لیتے تھے، (تقیید العلم ص ۱۰۴) طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۴۴، المحدث الفاصل جلد ۳ ص ۴۳۰) سوال یہ ہے کہ جب یہ حضرات جناب جابرؓ کے ہاں حاضر ہو کر علمی استفادہ کرتے تھے تو کیا انہوں نے ان کے صحیفے یا دوسری احادیث لکھنے کی طرف توجہ نہ کی ہوگی؟

[2] حضرت عبداللہ بن عمرو کا اپنا بیان ہے کہ انہوں نے یہ صحیفہ خود قلمبند کیا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ "صادقہ ایک صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سن کر لکھا ہے" (تقیید العلم ص ۸۲) عبداللہ بن عمرو اس صحیفہ کو بہت اہمیت دیتے تھے، فرمایا کرتے "دو چیزوں کی وجہ سے مجھے زندگی پسند ہے، ایک صحیفہ صادقہ کی وجہ سے، دوسرے الوھطہ نامی زمین کی وجہ سے جو میرے والد نے مجھے عنایت کی ہے (جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۳، تقیید العلم ص ۸۲، ص ۸۵ المحدث الفاصل جلد ۳ ص ۴۰۲، سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۲۷) ــــ رشید رضا نے مجلہ المنار جلد ۱ ص ۶۶۰ میں اس حدیث کو لیث نامی راوی کی وجہ سے اگرچہ ضعیف قرار دیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تمام روایات بھی ضعیف ہیں جو اس صحیفے کی اہمیت واضح کرتی ہیں، کیونکہ یہ امر بہت سی معتبر روایات سے ثابت ہو چکا ہے ــــ [3] ملاحظہ ہو اسد الغابہ لابن الاثیر ترجمہ عبداللہ بن عمرو بن العاص جلد ۳ ص ۲۴۴ ــــ [4] ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل میں مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص جلد ۲ ص ۱۵۸، ص ۲۲۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی وہ معتبر ترین تاریخی دستاویز ہے جس کی بنا پر یہ بات صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک ہی میں کتابت حدیث ہوتی تھی، اور ہمارا اطمینان اس وقت اور قوی ہو جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مذکورہ صحیفے میں وہ تمام فتاوٰی موجود ہیں جو حضرت عبداللہؓ کے دریافت کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔" کیا میں وہ سب کچھ لکھ لیا کروں جو آپؐ سے سنوں؟ حضورؐ نے فرمایا " ہاں"۔ انہوں نے عرض کیا۔" کیا حب آپؐ راضی ہوں یا غصے میں؟ فرمایا ہاں! کیونکہ میں ہر حال میں حق بات ہی کہتا ہوں"۔[1]

ہمارا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وضاحت کے بعد حضرت عبداللہؓ نے کتابت حدیث شروع کی ہوگی، اور صحیفۂ صادقہ اسی ارشاد کی تعمیل میں مرتب ہوا تھا، حضرت عبد اللہ کے صحیفہ صادقہ اور دوسرے صحیفے لکھنے کا سب سے بڑا ثبوت حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول ہے کہ:

"صحابہ میں مجھ سے زیادہ روایات کسی کے پاس نہ تھی، البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ اس معاملے میں مجھ پر فوقیت رکھتے تھے، کیونکہ وہ حدیثیں

---

[1] دیکھیے جامع بیان العلم لابن عبدالبر جلد ۱ ص۷۶، مسند احمد جلد ۲، ص ۲۰۷، تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۳۶۵، مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۱۰۵، الماع ص ۲۶، المحدث الفاصل جلد ۴ ص ۲،

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے وہ لکھ لیا کرتے تھے، قریش نے ان کو اس سے منع کیا کہ حضورؐ بھی انسان ہیں، کبھی خوش ہوتے ہیں کبھی غصے میں ہوتے ہیں، لہٰذا ہر بات لکھنا مناسب نہیں ہے اس پر حضرت عبداللہؓ نے لکھنا چھوڑ دیا، پھر حضورؐ کو یہ صورتِ حال بتادی، آپؐ نے فرمایا "لکھا کرو! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے صرف حق ہی نکلتا ہے"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

قلمبند کر لیتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔"[1]

غالب گمان یہ ہے کہ عمرو بن شعیب (متوفی ۱۲۰ھ) جو کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پوتے تھے وہ اس صحیفے سے دیکھ کر یا زبانی یاد کر کے احادیث روایت کرتے تھے۔[2]

مشہور تابعی مجاہد بن جبر (متوفی ۱۰۳ھ) نے یہی صحیفہ عبداللہ بن عمرو کے ہاں

---

[1] ملاحظہ ہو تقیید العلم ص۸۲، جامع بیان العلم جلد ۱ ص۷۶، مسند احمد جلد ۲ ص۲۴۸، الاصابہ جلد ۴ ص۱۱۲، فتح الباری جلد ۱ ص۱۸۴ پر ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ اہل کتاب کی کتب سے باخبر تھے یہ صحیح ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں ضعف و علت ہے، علل الحدیث لابن حنبل ص۶ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل بن علیہ بصری (متوفی ۱۹۳ھ) کو یہ حدیث جب سنائی گئی، تو انہوں نے کہا:

"میں جھوٹ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

البتہ سیاق کلام سے پتہ چلتا ہے کہ ابن علیہ عمرو بن شعیب کو جھوٹا قرار نہیں دیتے تھے، بلکہ کتابتِ حدیث کو پسند نہ کرنے کی بنا پر انہوں نے ایسا کہا۔ اس روایت میں ہے کہ "اسماعیل بن علیہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے، بات صرف اتنی تھی کہ محمد بن سیرین، ایوب اور ابن عون، یہ سب حضرات کتابتِ حدیث کو ناپسند فرماتے تھے۔"

ہمارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے کہ یہ حدیث صحیح البخاری باب العلم میں موجود ہے۔

[2] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۴۸، ص۵۵ نمبر ۸۰، صحیفہ ہمام بن منبہ ص۲۔

یاد رہے کہ جب صحیفہ عمرو بن شعیب کہا جاتا ہے تو اس سے حضرت عبداللہ بن عمرو کا صحیفہ ہی مراد ہوتا ہے، جسے ان سے ان کے پوتے عمرو ابن شعیب روایت کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

دیکھا تھا[1]

عہد صحابہؓ میں ایک اہم صحیفہ لوگوں میں بہت مقبول و متداول رہا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ہجرت مدینہ کے پہلے سال لکھنے کا حکم فرمایا تھا یہ صحیفہ اسلام کی نوزائیدہ ریاست کے لیے ایک دستور کی حیثیت رکھتا تھا، اس میں حضورؐ کے عہد کی وہ تحریر ہے جو آپ کی نگرانی میں لکھی گئی، اس میں مہاجرین، انصار، یہودیوں اور دوسرے عربوں سے متعلق معاہدہ ہوا تھا، اس تحریر کے آغاز میں کتابت کا لفظ بھی موجود ہے، وہ تحریر یہ تھی:

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۵۴، المحدث الفاصل جلد ۴ ص ۲، طبقات ابن سعد ۲/۲ ص ۱۲۵ حضرت عبداللہ اس صحیفے کو اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ کسی کو نہیں دیتے تھے، اس صحیفے کو مجاہد کے دیکھنے کا مطلب یہی ہے کہ حضرت عبداللہ نے ان کو اس صحیفے میں سے پڑھ کر حدیثیں سنائیں، مجاہد کا قول ہے کہ میں عبداللہ کے پاس گیا اور ان کے بستر تلے سے ایک صحیفہ نکال لیا، انہوں نے مجھے منع کیا، میں نے کہا آپ مجھے کسی چیز سے نہیں روک سکتے اب کیا بات ہے؟ عبداللہ نے کہا یہ صحیفہ صادقہ ہے اس میں وہ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں جو میں نے حضورؐ سے بلاواسطہ سنی تھیں، (تقیید العلم ص ۸۴) جو صحیفہ حضرت عبداللہ نے ابوراشد حُرانی کے حوالے کیا تھا، اس میں صبح و شام پڑھنے کی دعائیں مرقوم تھیں، گمان غالب ہے کہ وہ ان صحیفوں میں سے ایک تھا جو حضرت عبداللہؓ دوسرے لوگوں کو بھی دے دیا کرتے تھے، اور جو صحیفہ صادقہ یا اس کا حصہ نہیں تھا، (تقیید العلم ص ۸۵)

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ حضرت عبداللہؓ کس طرح سے لوگوں کو حدیثیں لکھواتے تھے، اپنے حافظے کی مدد سے یا صحیفہ صادقہ یا کسی اور صحیفے میں سے دیکھ کر املا کرا دیتے تھے؟ اس بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آپ حدیثیں لکھواتے ضرور تھے،

(خطط المقریزی جلد ۲ ص ۳۳۲، مطبع بولاق ۱۲۷۰ھ)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تحریر ہے، جو قریش کے مسلمانوں، مومنوں، اہل یثرب اور سب کے حلیفوں کے درمیان طے پائی ہے، یہ لوگ باقی سب سے الگ ایک امت ہیں۔"[1]

اس صحیفے میں پانچ بار "اھذہ ھذہ الصحیفۃ" کے الفاظ دہرائے گئے ہیں لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ یہ ایک تحریر ہی تھی، یہ صحیفہ صحابہ میں اس قدر مشہور تھا کہ اس کے تواتر اور بیان کردہ اصولوں کی شہرت کی بنا پر اسے قرآن کریم کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت علی رضؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے پاس کوئی مخصوص کتاب ہے؟ فرمایا: نہیں، البتہ ہمارے پاس قرآن مجید ہے، یا وہ فہم و فراست جو مومن کو ملتی ہے یا پھر یہ صحیفہ"۔ آپؓ سے پوچھا گیا اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا۔" اس میں دیت ادا کرنے اور قیدیوں کو رہا کرنے کے احکام درج ہیں، اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جا سکتا[2]۔ اور مذکور صحیفے میں مندرجہ بالا مسائل و احکام اس کے بعض اجزاء تھے، سب اجزاء شامل نہ تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس (متوفی ۶۸ھ) نے بھی خاص اہتمام کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سیرت سے متعلق بہت سے امور تحریر کیے تھے، جب کسی علمی مجلس میں جاتے تو یہ تحریری مواد بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے[3]۔ تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ وفات کے وقت آپؓ نے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں چھوڑی تھیں[4]۔ ان کے شاگرد سعید بن جبیر (متوفی ۹۵ھ) ان سے احادیث لکھا کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ املاء کراتے تھے۔

---

[1] ابو عبید اور ابن ہشام کی یہی روایت ہے، ملاحظہ ہو الوثائق السیاسیہ، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، نمبر ۱۔

[2] فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۲ باب کتابت العلم و باب فکاک الاسیر

[3] طبقات ابن سعد ۲/۲ ص ۱۲۳، السیر الحثیث از زبیر احمد صدیقی ص ۹ بحوالہ کتاب العلل للترمذی۔

[4] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۱۶، تقیید العلم ص ۱۳۶، شذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کاغذ ختم ہو جاتا تو اپنے کپڑوں، جوتوں اور بعض اوقات ہتھیلیوں پر بھی لکھ لیتے تھے، پھر گھر پہنچ کر اپنے صحیفے میں نقل کر لیتے[1] اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے صحیفے عرصہ تک لوگوں میں معروف و مشہور رہے تھے، وفات کے بعد ان کے بیٹے علی کو وراثت میں مل گئے[2] ان صحیفوں سے لوگوں نے بھرپور استفادہ کیا یہاں تک کہ کتب حدیث و تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کی مرویات بکثرت درج کی گئیں، البتہ یہ معلوم نہیں کہ مذکورہ صحیفے کب اور کیسے تلف ہو گئے[3]

صحیفہ ابو ہریرہ (یعنی صحیفہ ہمام بن منبہ)

وہ تمام صحیفے جنہیں حضرت ابو ہریرہؓ نے مرتب کیا تھا، امتداد زمانہ کے ساتھ تلف ہو گئے، مگر ایک صحیفہ باقی رہا، جسے ابو ہریرہؓ کے شاگرد ہمام بن

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۲۸، ابن سعد جلد ۶ ص ۱۷۹

[2] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۱۶، علی بن عبداللہ بن عباسؓ کو جب شرعی احکام پر مشتمل کوئی تحریر لکھنے کی ضرورت پڑتی تو آپ کُریب کو کہلا بھیجتے کہ فلاں صحیفہ مجھے بھیج دو، جب وہ صحیفہ ملتا تو آپ اس میں سے مطلوبہ احکام نقل کر لیتے اور صحیفہ واپس ارسال کر دیتے۔
(تقیید العلم ص ۱۳۶)

[3] افسوسناک امر یہ ہے کہ بعض صحابہ اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر احادیث کے صحیفے کو اس لیے تلف کر دیتے کہ کہیں ان سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو اور وہ آنحضرتؐ کے صحیح الفاظ درج نہ کر سکے ہوں چنانچہ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۵ پر لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تقریباً ۵۰۰ حدیثوں کی ایک کتاب محض اس خدشہ پر تلف کر دی کہ کہیں ان سے کوئی بھول چوک نہ ہو گئی ہو

[4] تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۲۶۵ نمبر ۱۲۱۶، حضرت ابو ہریرہؓ نے کئی صحیفے مرتب کیے ابن وہب نے وہ صحیفے خود دیکھے تھے (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴) عمرو بن امیہ الضمری کا نام بھی ان صحیفوں کے دیکھنے والوں میں شامل کیا جاتا ہے (جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۶)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

منبہ[1] (متوفی ۱۰۱ھ)[2] نے آپ سے روایت کیا تھا۔ پھر اس صحیفے کو صحیفۂ ہمام کہا جانے لگا، حالانکہ اصل میں یہ صحیفہ ابو ہریرہ برائے ہمام بن منبہ ہے۔ ہم اس صحیفے کو ان مجموعوں میں شامل نہیں کر سکتے، جو عہدِ رسالت میں تحریر کیے گئے اسلیے کہ ہمام تقریباً ۴۰ھ میں پیدا ہوئے، جبکہ حضرت ابو ہریرہ ۵۸ھ میں فوت ہوئے لہٰذا یہ صحیفہ پہلی صدی ہجری کے وسط میں مرتب ہوا ہوگا، ہمام حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے احادیث سنتے ہوں گے، اور اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ کتابتِ حدیث کا کام بہت ابتدائی زمانے میں شروع ہو چکا تھا، اور اس سے ان لوگوں کو کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ کتابت و تدوینِ حدیث کا کام دوسری صدی ہجری کی ابتداء میں ہوا تھا۔

تدوینِ حدیث کی تاریخ میں اس صحیفے کی بڑی اہمیت ہے، یہ پورے کا پورا ہم تک اسی حالت میں پہنچا ہے جس طرح ہمامؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور پھر اس کو مرتب و مدوّن کیا ہے، یہ صحیفہ اس لائق ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے "صحیفہ صادقہ" کی طرح یہ صحیفہ، صحیحہ[3] کہلائے، یہ صحیفہ مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دریافت کیا، انہیں اس کے دو مخطوطے دستیاب ہوئے تھے، جن میں بال برابر فرق نہ تھا، ایک مخطوطہ دمشق میں تھا، اور دوسرا برلن میں،[4] اس صحیفے پر ہمارا اعتماد و یقین اس لیے بڑھ گیا، جب ہم نے اسے کامل طور پر مسند احمد میں بھی محفوظ دیکھا۔[5] اس کے علاوہ اس کی بہت سی مرویات صحیح بخاری کے

[1] جرمن مستشرق بروکلمان کا خیال ہے کہ یہ صحیفہ ہمام بن منبہ (متوفی ۱۵۱ھ) نے مرتب کیا تھا۔ بروکلمان نے اپنی اس غلطی کی تصحیح اپنی کتاب کی آئندہ اشاعت میں بھی نہیں کی [2] یہ سنِ وفات ہم نے طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۹۶ سے لیے ہیں جو کہ ایک قدیم ترین ماخذ ہے، ابن حجر اور نووی کے قول کے مطابق ہمام نے ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ [3] ملاحظہ ہو کشف الظنون

[4] صحیفہ ہمام ص ۲۱ تا ص ۲۳ پر ان دونوں مخطوطوں پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔

[5] مسند احمد جلد ۲ ص ۳۱۲، ص ۳۱۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مختلف ابواب میں بھی موجود ہیں[1] اس صحیفے میں کل ۱۳۸ حدیثیں موجود ہیں[2]

اس امر کے قوی شواہد موجود ہیں کہ ہمام کتابوں کے جمع کرنے اور لکھنے کے بہت شائق تھے، وہ اپنے بھائی وہب[3] کے لیے بھی کتابیں خرید لیتے تھے۔ لوگوں کو اپنی کتابوں وغیرہ سے احادیث بھی لکھوایا کرتے تھے[4]

تدوین حدیث کے بارے میں مستشرقین کا نکتۂ نظر

مذکورہ دلائل وشواہد کے پیشِ نظر اب ہمیں تدوینِ حدیث کے لیے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت میں پہلی کوشش ہونے کے دعویٰ کا انتظار نہیں رہتا، اس کے ساتھ ہی ہمیں اسلام کے دورِ اوّلین میں تدوینِ حدیث کے کام کو ثابت کرنے کے لیے کسی مستشرق مثلاً گولڈزیہر (GOLDZIHER) یا اسپرنگر (SPRENGER) کا احسان مند نہیں ہونا پڑتا، کیونکہ ہماری اپنی کتب واخبار اور تاریخی وثائق ودستاویزات سے یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ تدوینِ حدیث کے کام کا آغاز ٹھیک عہدِ رسالت میں ہو گیا تھا، اور ان مستشرقین کی یہ بات بالکل غلط ہے جو تدوینِ حدیث کا آغاز دوسری صدی ہجری سے مانتے ہیں، پھر دلائل سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صحیح

---

[1] ملاحظہ ہو صحیح بخاری مطبوعہ مصر ۱۳۱۳ھ جلد ۱ ص ۴۳، ۳۹، ۵۶، ۶۴، ۹۱ نیز جلد ۴ ص ۵۶، ۶۳، ۸۶، [2] یہ تعداد بھی اس امر کی تائید کرتی ہے کہ صحیفہ کی نسبت ہمام بن منبہ کی طرف صحیح ہے، کیونکہ تمام معتبر کتابوں میں یہی تعداد درج ہے، تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۶۷ نمبر ۱۰۶ پر تحریر ہے کہ "ہمامؒ ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے استفادہ کیا کرتے انہوں نے تقریباً ۱۴۰ حدیثیں حضرت ابوہریرہؓ کی سندِ واحد سے سُنی تھیں"

[3] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۶۷ نمبر ۱۰۶

[4] الجامع لاخلاق الراوی والسامع للخطیب مخطوطہ جلد ۸ ص ۱۱۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اور حسن احادیث میں اور سیرتِ نبوی کے احوال و وقائع بھی جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ من وعن صحیح ہے اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس کے برعکس مستشرق ڈوزی (DOZY) نے کہا ہے کہ احادیث میں مذکور کئی واقعات صحیح نہیں ہیں۔

تدوینِ حدیث کے سلسلے میں مستشرقین کی ساری تگ و دو کا مقصود ہمارے دینِ اسلام اور اس کی ادبیات کی خدمت نہیں ہے، بلکہ ان کے اپنے مخصوص اغراض ومقاصد ہیں، جن کو سامنے رکھ کر انہوں نے یہ کام کیا ہے۔

گولڈزیہر (GOLDZIHER) نے جب مطالعہ حدیث سے متعلق اپنی کتاب کی دوسری جلد کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا اور اس میں ایک باب (ص ۲۴۱ تا ص ۲۵۰) خاص طور پر کتابتِ حدیث کے بارے میں قائم کیا، اور دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں تدوینِ حدیث کی ابتدا ہو چکی تھی، اسی کتاب کے پہلے باب میں (ص ۱ تا ص ۱۲) خود مصنف نے بہت سی ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے اس امر کی وضاحت ملتی ہے کہ بعض صحیفے عہد نبوی میں بھی تحریر کیے گئے تھے، مگر اپنی بیان کردہ ان روایات کو مشکوک اور غیر صحیح قرار دے دیا ہے، اور اس کے اس طرزِ عمل کے دو مقاصد ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حافظے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ دوسری صدی ہجری میں لوگ حفظ وضبط کی بجائے، کتابت پر بھروسہ کرتے تھے۔

(۲) دوسرے پورے ذخیرۂ حدیث کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانا، گولڈزیہر کا کہنا ہے کہ جو لوگ تدوینِ حدیث کا کام کرتے تھے وہ خود حدیثیں گھڑتے تھے اور اپنے عقاید ونظریات کی تائید میں وضعِ حدیث کے مرتکب ہوتے تھے،

اسی لیے ہم نے دورِ نبوی میں مرتب شدہ صحیفوں کے بارے میں طویل بحث کی ہے، ہمارا مقصود معتبر تاریخی شواہد اور دستاویزات کے حوالے سے یہ ثابت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کرنا ہے کہ عہدِ رسالت ہی میں کتابتِ علم کا کام شروع ہو چکا تھا، اور یہ کہ اس عہدِ مبارک میں روایات کا تسلسل و تواتر حافظے اور یادداشت کے اعتبار سے بھی قائم رہا۔

اسپرنگر (SPRENGER) نے اپنی کتاب "الحدیث عند العرب" میں اُن لوگوں کی ہاں میں ہاں ملائی ہے جو یہ کہتے ہیں احادیث محض بالمشافہ ہی روایت ہوتی ہیں اور عہدِ نبوی میں کتابتِ حدیث نہیں ہوئی تھی، وہ اپنے دلائل کے ساتھ کہتا ہے کہ تدوینِ حدیث کا کام دوسری صدی ہجری کے ابتدا میں شروع ہوا تھا، دورِ رسالت میں نہیں، اس کا مقصد بھی وہی ہے جو گولڈزیہر کا ہے۔

لیکن ڈوزی (DOZY) ان سے مختلف ہے اس کی رائے اگرچہ بظاہر معتدل اور متوازن نظر آتی ہے، مگر وہ عام طلبۂ حدیث کو نہیں بلکہ علماء تک کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے، وہ ان تمام حدیثوں کو جو حافظے میں محفوظ یا کتابوں میں مندرج تھیں بالکل صحیح قرار دیتا ہے، وہ صرف کتبِ حدیث میں پائی جانے والی بعض موضوع روایات پر تعجب کا اظہار نہیں کرتا — کیونکہ بکثرت احادیث کے ساتھ ساتھ چند جھوٹی حدیثوں کی موجودگی ایک طبعی امر ہے — بلکہ وہ معتبر احادیثِ صحیحہ کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے (اس کے خیال میں صحیح بخاری کی آدھی حدیثیں مشکوک ہیں۔ انتہا پسند نقادانِ حدیث ... کی یہی رائے ہے)

ڈوزی مزید لکھتا ہے کہ صحیح بخاری میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جن کے بارے میں ایک سچا مسلمان یہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش یہ حدیثیں صحیح بخاری میں موجود نہ ہوتیں۔

یہی مستشرق جب بہت سی احادیث کو صحیح تسلیم کرتا ہے تو وہ علم و تحقیق کے پیشِ نظر ایسا نہیں کرتا بلکہ اس کا اصل ہدف اِن احادیث میں بیان کردہ مضامین ہیں جن کا تعلق انسان، کائنات اور زندگی سے ہے، اس کی رائے میں احادیث کے یہ مضامین تنقید سے بالاتر نہیں ہیں، کیونکہ یہ نظریات و افکار مغربی عقل و دانش

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کی پیداوار نہیں ہیں، اور ان میں اس مغربی ثقافت کی عکاسی نہیں ہے، جو مادر پدر آزادی رکھتی ہے۔

ہم اپنی تہذیب کے اثبات کے لیے مستشرقین کے محتاج نہیں ہیں انہوں نے ہماری تہذیب کا جو تصور پیش کیا ہے ہم اس سے بچنا چاہتے ہیں، ہمیں اس بات کا انتظار نہ تھا کہ مستشرقین کا دور آئے گا تو تدوین حدیث کا اعتراف ہوگا، ہم اس مقصد سے غافل نہیں ہیں جس کے لیے مستشرقین نے تائید حدیث میں خامہ فرسائی کی ہے، ہماری رائے میں ان کا اقرار ہو یا انکار، دونوں برابر ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، گھر کا مالک خوب جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے،

ہماری مستند کتابوں میں یہ حقیقت واضح ہے کہ عہد نبوی میں احادیث کے مرتب صحیفے موجود تھے، ممکن ہے یہ صحیفے ان مسانید کی کتابوں میں بھی محفوظ ہوں جن کے مخطوطے دنیا بھر کے کتب خانوں میں موجود ہیں، مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا صحیفہ صادقہ، اور حضرت ابوہریرہؓ کا صحیفہ صحیحہ، آج مسند احمد بن حنبل میں موجود و محفوظ ہے۔

مستشرقین نے ایسی بے سروپا باتیں کہی ہیں جن کی تائید نہ تو عقل سلیم کرتی ہے اور نہ نقل صحیح، وہ کہتے ہیں کہ جن حدیثوں میں علم کی تدوین کی ترغیب دلائی گئی ہے یا اس سے منع کیا گیا ہے وہ دراصل اہل الحدیث اور اہل الرائے کے باہمی اختلاف کی بات ہے، اسی اختلاف باہمی کا نتیجہ تھا، کہ ہر ایک فریق نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید کے لیے حدیثیں گھڑ لیں، اہل حدیث کا نقطۂ نظر یہ تھا، کہ کتابت حدیث اس لیے ضروری ہے تاکہ صحیح حدیثیں قلمبند ہوں اور ان سے حجت و استدلال کا کام لیا جا سکے، اس کے برعکس اہل الرائے کتابت حدیث کے روادار نہ تھے وہ اس ضمن میں تمام احادیث کا انکار کرتے تھے، اور ان کو غیر معتبر ٹھہراتے تھے۔

گولڈزیہر اسی علمی ضلالت کا سرغنہ ہے، جس نے اپنے پیشرو اسپرنگر (SPRENGER) کے ایک مضمون "فن کتابت کی ابتداء اور اس کا ارتقاء" کا مطالعہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کیا اور پھر مذکورہ بالا بے بنیاد نظریئے کو دہرا دیا، اسپرنگر ہی نے ۱۸۵۵ء میں خطیب بغدادی کی کتاب "تقیید العلم" کو شائع کرایا تھا،

اگرچہ دونوں مستشرقین کے اندازِ بیان میں فرق ہے اور اسپرنگر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ عربوں کی کتابت اور تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی حدیثیں عہدِ نبوی میں بھی مدوّن ہو چکی تھیں، مگر گولڈزیہر نے اس کے دلائل وشواہد کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ دلائل وشواہد بھی اہل حدیث کے من گھڑت ہیں یا پھر اہل الرائے کے۔

لیکن تقیید العلم کی قسمت میں دمشق سے شائع ہونا لکھا تھا، اس کے ناشر محقق ڈاکٹر یوسف العش نے مقدمۂ کتاب میں جو دلائل وشواہد پیش کیے ہیں، ان میں گولڈزیہر کے خیالات کی تردید شامل نہیں ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ کتابتِ حدیث کے جواز وعدمِ جواز کا اختلاف اہل الحدیث اور اہل الرائے کے مابین کشمکش کا نتیجہ نہ تھا، کیونکہ خود اہل الرائے میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو حدیث کی کتابت کو ناجائز سمجھتے تھے، ان کے نام یہ ہیں:

عیسیٰ بن یونس (۱۸۷ھ) حماد بن زید (۱۷۹ھ) عبداللہ بن ادریس (۱۹۲ھ) سفیان ثوری (۱۶۱ھ) وغیرہم۔

اس کے ساتھ ساتھ اہل الرائے میں جو حضرات کتابتِ حدیث کو جائز قرار دیتے تھے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حماد بن سلمہ (۱۶۷ھ) لیث بن سعد (۱۷۵ھ) زائدہ بن قدامہ (۱۶۱ھ) یحییٰ بن یمان (۱۸۹ھ) وغیرہم۔

بعض محدثین بھی کتابتِ حدیث کو ناپسند فرماتے تھے ان کے نام یہ ہیں:

ابن عُلیّہ (۲۰۰ھ) ہشیم بن بشیر (۱۸۳ھ) عاصم بن ضمرہ (۱۸۴ھ) وغیرہم۔

محدثین میں سے جو حضرات کتابتِ حدیث کو جائز سمجھتے تھے، وہ یہ ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بقیہ کلامی (۱۹۷ھ) عکرمہ بن عمار (۱۵۹ھ) مالک بن انس (۱۷۹ھ) وغیرہم[1]

ڈاکٹر العش کے نزدیک قرنِ اول میں مسلمانوں کا موقف کتابتِ حدیث کے جواز اور عدمِ جواز کے بارے میں تبدیل ہوتا رہا۔ اس نے ان ادوار کو مسلمانوں کے سیاسی اور سماجی حالات کے اعتبار سے منقسم کیا ہے، ڈاکٹر صاحب کی اس تقسیم سے ہم نہیں اُلجھتے، کیونکہ ان کی یہ ذاتی رائے اور اصطلاح ہے، اس نے چار اَدوار کا تعین کیا اور ہر دَور کے لیے ۴۰ برس کی مُدّت رکھی[2]، ڈاکٹر صاحب کی یہ تقسیم علماء کے طبقات اور ان کے باہمی افادہ واستفادہ سے مطابقت رکھنے کے باوجود ایک زمانی تعیّن سے زیادہ نہیں ہے، جو صرف دائرہ زمانی میں محدود ہے، اس میں یہ نقص بھی ہے کہ بعض راویوں کی تاریخ وفات اس تقسیم سے مطابقت نہیں رکھتی، لہٰذا یہ تقسیم قابلِ تسلیم نہیں ہے،

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ متقدمین نے جو طبقاتِ علماء کی جو تقسیم کی تھی اور جن میں معاشرتی حالات کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا، ہم اسی سے بہتر استفادہ کر سکتے ہیں، یہ صحیح ہے، کہ معاشرتی اور سیاسی حالات میں تغیّر کی وجہ سے کتابتِ حدیث کے بارے میں علماء کا موقف تبدیل ہوتا رہا ہے، وہ کبھی اس کام کو پسند کرتے اور کبھی ناپسند کرتے تھے، ہمیں معلوم ہے کہ سلف کے تین طبقات ہیں، صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ۔

---

[1] تقیید العلم، خطیب بغدادی، مقدمہ، ناشر ص ۲۱، ۲۲،

[2] ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب کے مقدمے میں ص ۱۷ پر چاروں اَدوار کی تقسیم اسطرح کرتے ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اوّلین صحابہؓ کا عہد، اس عہد کا اختتام ۴۰ھ (حضرت علی کی وفات میں ہو جاتا ہے۔

(۲) متاخرین صحابہ کرام اور اوّلین تابعین کا زمانہ، یہ عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت پر ۸۰ھ میں ختم ہو جاتا ہے،

(۳) متاخرین تابعین کا عہد: اس عہد کا اختتام ہشام بن عبدالملک بن مروان کی حکومت کے آخری وقت ۱۲۵ھ

(۴) تبع تابعین کا عہد، جو ۱۶۰ھ میں اختتام پذیر ہوتا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضورؐ کی زندگی ہی میں حدیثیں لکھی ہیں اگرچہ کتابت زیادہ رائج نہ تھی، ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دورِ نبوی میں تحریر شدہ حدیث کے صحیفوں کی تعداد کم تھی، اور اس کی وجوہات اور اسباب بھی ہم نے بیان کر دیئے ہیں، ہمارا مقصود صرف اس نظریئے کا ابطال کرنا ہے کہ احادیث محض حافظے کی بنیاد پہ ہم تک پہنچی ہیں۔

خلافتِ راشدہ کا دَور

خلافتِ راشدہ کے عہد تک اس معاملے میں کوئی تغیّر و تبدّل واقع نہ ہوا۔ خلفائے راشدین بھی اُسی طرح کتابتِ حدیث سے محترز اور روایتِ حدیث کی قلت کے قائل تھے، جس طرح دورِ نبوی میں صحابہ کرام تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے کئی احادیث جمع کیں اور پھر ان کو نذرِ آتش کر دیا تھا[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ تدوینِ حدیث کا ارادہ رکھتے تھے مگر اس کام کی تکمیل کرنے سے رُک گئے، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احادیث قلمبند کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ بھی کیا، عام صحابہ کرام نے کتابت کا مشورہ دیا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اطمینان نہ ہوا، ایک دن فرمایا کہ!

آپ کو معلوم ہے میں کتابتِ احادیث کا ارادہ کر چکا تھا، اس دوران میں مجھے خیال آیا کہ مسلمانوں سے پہلے اہل کتاب نے کتابِ خداوندی کے ساتھ کچھ اور کتابیں لکھیں، پھر وہ کتابِ الٰہی کو ترک کر کے اُنہی کے پیچھے پڑ گئے، خدا کی قسم! میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کو خلط ملط نہیں ہونے دوں گا، پھر انہوں نے کتابتِ حدیث کا ارادہ ترک کر دیا۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۵ [2] تقیید العلم ص ۵، جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۶۴، طبقات ابن سعد ۱/۳ ص ۲۰۶، کنز العمال از علی متقی الہندی جلد ۵ ص ۲۳۹۔ [3] ص ۳۸ دیکھئے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

خلفائے راشدین نے نہ صرف کتابتِ حدیث کے بارے میں تشدد سے کام لیا، بلکہ وہ اس معاملے میں اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ روایتِ حدیث میں بھی کسی طرح کی سہل انگاری برداشت نہ کرتے تھے، اس سلسلے میں ایک قابلِ ذکر واقعہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے متیت کی دادی کو میراث میں سے ۱/۶ حصہ اس وقت تک نہ دیا، جب تک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ اور محمد بن مسلمہ نے اس بات کی شہادت نہ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دادی کو میت کے ترکے میں سے ۱/۶ حصہ دلایا تھا[1]

اس کے علاوہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے اِذن طلب کرتے (استیذان) کے بارے میں حضرت عمر رضؓ کو حدیث نبوی سُنائی تو انہوں نے ڈانٹ کر کہا:

"اگر اس حدیث کی شہادت پیش نہیں کرو گے تو تمہیں سزا دوں گا"[2]

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضؓ دونوں حدیث لکھتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے[3]

---

[1] المختصر فی رجال الاثر لعبد الوہاب عبد اللطیف ص ۷۹ [2] صحیح مسلم جلد ۶ ص ۱۷۵، اس پر حضرت ابو سعید خدری رضؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیان کی تائید میں گواہی دی تھی۔

[3] ملاحظہ ہو مخطوطہ جمع الجوامع للسیوطی کتبہ ظاہریہ حدیث نمبر ۱۹۶ ص ۱۰۸، حضرت ابو بکرہؓ نے حضرت انسؓ کے نام ایک مکتوب میں احکامِ زکوٰۃ لکھے تھے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر فرض ٹھہرائے تھے، ملاحظہ ہو مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۳۹۰، جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۲، التحدث الفاصل از رامہرمزی، مخطوطہ ظاہریہ حدیث نمبر ۴۰۰، مذکورہ حوالوں میں حضرت عمر رضؓ کا یہ قول موجود ہے کہ "تحریر کے ذریعے علم کو محفوظ کر لو" حضرت علی رضؓ کتابت کی ترغیب دیتے تھے، آپؓ کا یہ قول عام طور سے صحابہ میں مشہور تھا، کہ "تحریر کے ذریعے علم کو محفوظ کیا کرو" ملاحظہ ہو تقیید العلم ص ۹۰، معاون الجواہر، از امین عاملی جلد ۱ ص ۳ طبع دمشق ۱۳۴۷ھ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

پہلے دو نوں خلفاء کے عہد میں اکابر صحابہؓ واضح طور پر لوگوں کو کتابتِ حدیث کا مشورہ دیتے تھے، لہٰذا اس ضمن میں تشدد کی حقیقت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ اسماعیل بن ابراہیم بن عُلیّہ بصری (متوفی ۱۹۳ھ) کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کتابتِ حدیث کو اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ اہلِ کتاب نے خود کتابیں تصنیف کر کے ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا، صحابہؓ کرام کو اندیشہ تھا کہ لوگ احادیث میں منہمک ہو کر کہیں قرآن مجید سے صرفِ نظر نہ کر لیں۔[1] خطیبؒ بغدادی لکھتے ہیں کہ:

قرنِ اوّل کے لوگ کتابتِ حدیث کو اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ احادیث اور کتاب الٰہی کہیں گڈمڈ نہ ہو جائیں، یا لوگ قرآن مجید سے بے اعتنائی نہ برتنے لگیں۔[2]

تابعین کا دور

جب ہم تابعین کے زمانے کو دیکھتے ہیں تو کتابتِ حدیث کی ناپسندیدگی میں ان کی روایات کا انبار دیکھتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں ہر درجے کے تابعین کی روایات پاتے ہیں، پھر اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد اس معاملہ میں تساہل سے کام لینے اور رخصت و اجازت بھی دینے لگتے ہیں، اور پھر حوصلہ افزائی کرنے کی نوبت آجاتی ہے، تابعین کے درمیانی عہد میں کتابتِ حدیث ایک رسم و رواج کی حیثیت اختیار کر چکی تھی، یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد یہ خیال آتا ہے، کہ ان روایات میں تضاد موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی قابلِ اعتماد تاریخی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا، مگر یہ معاملہ اتنا اہم نہیں تھا، تابعین کے زمانے میں بھی کتابت کے بارے میں ناپسندیدگی کے وہی اسباب تھے، جو

---

[1] تقیید العلم ص۵۷

[2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۲۹۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

خلفائے راشدین کے عہد میں تھے، پھر جب کراہت کے اسباب ناپید ہو گئے تو سب نے متفقہ طور پر کتابت کے جواز پر اجماع کر لیا۔ اور اسی کو ترجیح دے کر اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگ گئے۔

اوّلین تابعین کے عہد میں پہلی صدی ہجری کے آخر تک بہت سے لوگ کتابتِ حدیث کے خلاف تھے۔ ان میں یہ حضرات شامل تھے:

عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی (۷۲ھ) ابراہیم بن یزید التیمی (۹۲ھ) جابر بن زید (۹۳ھ) ابراہیم بن یزید نخعی (۹۶ھ)

یہ لوگ کتابت کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ خلافتِ راشدہ کا زمانہ ان کے قریب تر تھا اور وہ یہ جانتے تھے کہ خلفائے راشدین حدیث کی کتابت کو ناپسند فرماتے تھے، اس طرح کی معلومات سب کو تھیں، اور لوگ خلفائے راشدین کے زہد و تقویٰ سے بڑے متاثر تھے، ضروری تھا کہ تابعین بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے اور ان سے اتفاق کرتے۔

انہی حضرات میں سے بعض تو کتابتِ حدیث کو گناہ سمجھتے تھے اور تاکید کرتے تھے، کہ ان کی لکھی ہوئی کوئی چیز باقی نہ رہنے پاتے، در اصل اس میں تعجب کی کوئی بھی بات نہیں — عبیدہ نے ابراہیم کو یہ تاکید کی تھی:

"میری کسی کتاب کو باقی نہ رکھا جائے۔"

اس وصیت پر ابراہیم نے عمل کیا اور پھر ان کی بیان کردہ کوئی روایت نہ لکھی، حالانکہ اس سے پہلے وہ تحریر کیا کرتے تھے۔

کتابتِ حدیث کو ناپسند کرنے کی ایک اور وجہ بھی تھی کہ تحریر کے ساتھ ہی لکھنے والے کی اپنی آراء بھی لوگوں میں مشہور ہونے لگیں، اس لیے ان کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ جب لوگ ان کی تحریر کردہ روایات کو قلمبند کریں گے تو ان حضرات کی ذاتی آراء بھی لکھ لی جائیں گی، ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں کہ جن سے اس امر کی تائید ہو جاتی ہے، — تابعین اوّلین میں اس کی بہترین مثال

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جابر بن زید (۹۳ھ) ہیں جنہیں بتایا گیا کہ لوگ آپ کی ذاتی آراء بھی ساتھ ہی لکھتے جا رہے ہیں، تو انہوں نے ناراض ہو کر کہا:

"وہ میری آراء لکھتے جا رہے ہیں ممکن ہے میں کل ہی ان سے رجوع کر لوں۔"

کتابتِ حدیث نہ کرنے کے رجحان کے باوصف کچھ لوگ اس کے جواز کو بھی تسلیم کرتے تھے — بالخصوص جبکہ صرف احادیث ہی لکھی جائیں اور ان میں ذاتی آراء کا کوئی دخل نہ ہو۔ اس کا سبب یہی تھا کہ ذاتی آراء ہی کی بنا پر بعض لوگوں کے ہاں کتابتِ حدیث کو ناپسند کیا جاتا تھا، اس طرح وہ لوگ نظری حیثیت سے احادیث لکھنے کے حامی تھے، مگر عملی طور پر اس بارے میں انتہا پسندی کا شکار تھے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سعید بن جُبیرؒ (۹۵ھ) سے کتابتِ حدیث کے بارے میں دو متناقض روایات مروی ہیں تو ہمیں اس پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کتابتِ حدیث سے منع فرماتے تھے، کہ تم سے پہلے لوگ ایسی کتابوں ہی کی وجہ سے گمراہ ہوتے تھے[1] اور کبھی ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ کتابت کے ذریعے علم کو محفوظ رکھنا بہتر ہے[2]

حاصل یہ کہ جس روایت میں کتابت سے روکا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ احادیثِ نبویہ اور شخصی آراء خلط ملط نہ ہو جائیں اور جس روایت میں تاکیدِ کتابت ہے اس سے صرف احادیث لکھنے پر اکتفا کرنا ہے، چنانچہ حضرت سعید بن جُبیر صرف کتابتِ حدیث ہی نہ کرتے تھے بلکہ وہ اس امر کے بہت خواہش مند بھی تھے، ان کا قول ہے:

---

[1] جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۶۵، نیز تقیید العلم ص ۴۳

[2] تقیید العلم ص ۹۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ دونوں سے حدیثیں سنتا رہا ہوں اور پھر ان حدیثوں کو کجاوے میں رکھ لیا کرتا تھا، پھر جب سواری سے اترتا تو وہ سب احادیث کتاب میں درج کر لیتا تھا۔"[1]

اور جب لوگوں نے احادیثِ نبویہ اور شخصی آراء کے لکھنے میں فرق و امتیاز کرنا شروع کیا، تو بہت سے حضرات تابعین نے دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اپنے شاگردوں کو کتابتِ حدیث کی اجازت فرمادی۔ عبدالرحمٰن بن حرملہ نے جب سعید بن مسیب (۱۰۵ھ) سے اپنے کمزور حافظے کی شکایت کی تھی تو انہوں نے ان کو لکھنے کی اجازت دے دی تھی۔[2]

امام شعبیؒ (۱۰۴ھ) اکثر وہ حدیثِ مرفوع بیان فرماتے تھے، جسے عام صحابہ اور تابعین نے بھی روایت کیا ہے کہ:

اَلْکِتَابُ قَیِّدُ الْعِلْمِ[3] (تحریر سے علم محفوظ ہو جاتا ہے)

وہ فوائد تحریر کا یوں ذکر فرماتے کہ:

"جب مجھ سے کوئی بات سُن لو تو اسے لکھ لیا کرو خواہ دیوار ہی پر لکھ دو۔"[4]

اور انہوں نے خود بھی بعض کتابیں لکھی تھیں، ان کی وفات کے بعد ایک کتاب ملی، جو انہوں نے میراث اور جراحات کے بارے میں مرتب کی تھی۔[5]

مجاہد بن جبیر مکی (۱۰۳ھ) اپنے کمرے میں لوگوں کو لے جاتے اور کتابیں دکھاتے اور لوگ ان سے حدیثیں نقل کر لیا کرتے تھے۔[6]

---

[1] تقیید العلم ص۱۰۳، نیز جامع بیان العلم جلد ۱ ص۷۲ [2] جامع بیان العلم جلد ۱ ص۷۳، نیز تقیید العلم ص۹۹، [3] تقیید العلم ص۹۹، حدیث کے اصل الفاظ ہیں "قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ"
[4] تقیید العلم ص۱۰۱ [5] تاریخ بغداد جلد ۱۱ ص۲۳۲ [6] سنن دارمی جلد ۱ ص۱۲۸، تقیید العلم ص۱۰۵، سنن دارمی جلد ۱ ص۱۲۱ پر ہے کہ مجاہدؒ لکھنے کو ناپسند کرتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

عطاء بن ابی رباح (متوفی ۱۱۴ھ) خود بھی تحریر کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی تحریر کر لینے کی اجازت دے دیتے تھے[1] قتادہ بن دعامہ سدوسی (۱۱۸ھ) سے جو کوئی کتابت کے بارے میں پوچھتا تو وہ صاف لفظوں میں کہتے:

"جب اللہ تعالیٰ علیم وخبیر نے بتایا ہے کہ وہ لکھتا ہے تو مجھے لکھنے سے کون منع کر سکتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى[2]

کہا اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے، میرا رب نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

گمان غالب یہ ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ (متوفی ۱۰۱ھ) نے جب تدوینِ حدیث کا باقاعدہ آغاز کیا تو اس سلسلے میں انہوں نے اہلِ علم سے مشورہ لیا ہوگا، یا کم سے کم اکثر علماء کی اس بارے میں رائے معلوم کر کے اطمینان کر لیا ہوگا[3] لیکن اکثر طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اپنی اس رائے میں تنہا تھے، آپ کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے عامۃ الناس اور دوسرے

---

[1] ملاحظہ ہو الالماع قاضی عیاض ص۲۷، نیز سنن دارمی جلد ۱ ص۱۲۵

[2] سورہ طٰہٰ آیت ۵۲، دیکھیے تقیید العلم ص۱۰۳، اس کے علاوہ سنن دارمی جلد ۱ ص۱۲۰ میں قتادہؒ سے کراہتِ کتابت کی ایک روایت بھی نقل ہوئی ہے۔

[3] اکثر علماء کا ذکر ہم نے اسلیے کیا ہے کہ بعض اہلِ علم نے خود عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے تدوینِ حدیث کے کام پر ناپسندیدگی ظاہر کی تھی، چنانچہ جب عبیداللہ بن عبداللہ (متوفی ۱۰۶ھ) عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس آئے تو انہوں نے چند ایسے افراد کو بٹھا دیا جو ان کے ارشادات لکھ رہے تھے، جب وہ رخصت ہونے لگے تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا، ہم نے ایک نئی بات کی ہے، انہوں نے کہا، وہ کیا؟ فرمایا "ہم نے آپ کے فرمودات لکھ لیے ہیں" انہوں نے کہا، وہ کہاں ہیں؟ جب کاغذات لائے گئے تو انہوں نے ان کو پھاڑ ڈالا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہم عصر لوگ اس قدر احترام کرتے تھے، کہ ان کے کسی فعل پر عموماً اعتراض نہیں کرتے تھے۔

اس بارے میں جو اقوال ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو یہ اندیشہ تھا، کہ کہیں اہلِ علم اور علم اس دنیا سے اُٹھ نہ جائیں، انہوں نے حدیث کی تدوین کا عزم کر لیا، عامل مدینہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے نام ایک خط میں لکھا کہ:

"آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث وسنت یا عمرہ کی حدیث ملے اسے قلمبند کر لو، کیونکہ مجھے یہ فکر لاحق ہے کہ کہیں علم اور اہلِ علم مٹ نہ جائیں[1]"

عمرہ مذکور سے مراد عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن انصاریہ ہیں، بعض روایات میں قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضؓ (متوفی ۱۰۷ھ) کا نام آتا ہے، عمرہ اور قاسم دونوں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد اور ان کی مرویات کے سب سے بڑے عالم تھے، ابوبکر بن حزم اس سلسلے میں پوری طرح آمادہ ہو گئے، لیکن اس سے پہلے کہ وہ خلیفہ کو اپنی کوششوں سے آگاہ کرتے، خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہو گیا[2]

عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے حدودِ خلافت میں دوسرے عمّال کو بھی اسی طرح کے احکام بھیجے تھے[3] اور جس آدمی نے سب سے پہلے ان کی دعوت پر لبیک کہی اور آپ کے ارادوں کو عملی جامہ پہنایا وہ حجاز وشام کے نامور عالم محمد بن مسلم بن شہاب زہری مدنیؒ (متوفی ۱۲۴ھ) ہیں انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا[4] عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس مجموعہ احادیث کی نقلیں کروا کر صدورِ مملکت میں بھجوا دیں[5]

---

[1] طبقات ابن سعد ۲/۱۳۴، [2] مفتاح السنۃ، از محمد بن عبدالعزیز الخولی ص ۲ (طبع ثالث)

[3] الرسالۃ المستطرفہ ص ۴، [4] الرسالۃ المستطرفہ ص ۴

[5] جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

امام زہریؒ اپنے اس کام کا یوں فخریہ اظہار فرمایا کرتے تھے کہ:

"اس علم کو مجھ سے پہلے کسی نے مدوّن نہیں کیا ہے" [1]

بظاہر ایک محقق جب اس دور کا تصور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر کتابتِ حدیث کو ناپسند کرنے کا نظریہ اب بالکل ختم ہو چکا تھا، بلکہ اب وہ لوگ جن کی زبانوں پر پہلے کتابتِ حدیث کی ناپسندیدگی تھی، اب وہی لوگ تدوینِ حدیث کی اجازت دیتے، اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور اس میں عملی طور پر حصہ لیتے تھے، مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ امر موجبِ حیرت ہے کہ ایک محقق جب یہ دیکھتا ہے کہ جن لوگوں نے تدوینِ حدیث کا کام خود سرانجام دیا ہے وہ بھی حسرت اور ندامت سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کام ازخود نہیں بلکہ حکامِ وقت کے کہنے پر کر دیا ہے، امام زُہریؒ فرماتے ہیں کہ:

ہم علمی باتوں کو لکھنا پسند نہیں کرتے تھے، ہم نے یہ کام امراء کے کہنے پر مجبوراً کیا ہے تاکہ اس سے کوئی مسلمان بھی محروم نہ رہے [2]

امام زُہریؒ نے فی الواقع کسی مسلمان کو کچھ لکھنے سے منع نہیں فرمایا اور خود بھی کتابتِ حدیث میں اس حد تک آگے بڑھے ہوئے تھے، کہ اپنے جوتوں پر بھی لکھ لینے سے نہ چوکتے تھے، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چیز ضائع ہو جائے [3]

البتہ یہ صحیح ہے کہ کتابتِ حدیث کے سلسلے میں حکام کے حکم کے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا، اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو من گھڑت اور موضوع احادیث سے الگ کرنا مقصود تھا، اسی احساس نے امام زہری کو پریشان

---

[1] الرسالۃ المستطرفہ ص ۵۲ طبقات ابن سعد ۲/۳/۱۳۵، نیز قاسم بن سلام، کتاب الاموال میں لکھتے ہیں کہ امراء سے مراد عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، نیز ملاحظہ ہو جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۶ [2] ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۰۳، نیز تقیید العلم ص ۱۰۷، خطیب بغدادیؒ نے امام زہری کے جس صحیفے کا ذکر کیا ہے کہ اس میں تین سو حدیثیں ہیں، وہ ان کے مدون کردہ صحیفوں میں سے ایک صحیفہ ہے، جن میں انہوں نے اس علم کو اپنے طور پر محفوظ کر لیا تھا، ملاحظہ ہو تاریخ بغداد جلد ۱۴ ص ۸۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کر رکھا تھا، اور وہ اپنے غصے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ :

"اگر مشرق کی طرف سے ایسی حدیثیں ہم تک نہ پہنچتیں، جن کو ہم سرے سے جانتے ہی نہیں تھے، تو میں کبھی ایک حدیث بھی نہ لکھتا، اور نہ ہی کسی اور کو لکھنے کی اجازت دیتا۔"[1]

امام زہریؒ کے ہم عصر لوگوں کی اکثریت اس سلسلے میں ان کی ہم خیال تھی، ایک طرف احادیث نبویہ کے مٹ جانے کا خوف اور دوسری طرف موضوع حدیثوں کا فتنہ، یہ دو بڑے محرکات تھے جن کی وجہ سے اہل علم کبھی کتابت حدیث کی حمایت کرتے، کبھی اس سے روکتے تھے، ایک طرف سعید بن مسیبؒ اور امام شعبیؒ کا نام ملتا ہے جو کتابت حدیث کی اجازت بھی دیتے ہیں، اور دوسری جگہ انہوں نے کتابت حدیث سے منع کرنے کی بات بھی کی ہے،[2] مجاہدؒ اور قتادہ کا معاملہ بھی یہی ہے[3] یہاں تک کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر (متوفی ۱۰۷ھ) جنہیں عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، کی مرویات جمع کرنے کا حکم دیا تھا، کا قول بھی تدوین حدیث کی کراہت سے متعلق مشہور ہے[4] بعض علماء نے ان لوگوں سے بھی حدیثیں لکھ لیں، جو جمع و تدوین کو ناپسند کرتے تھے، ضحاک بن مزاحم الہلالی (متوفی ۱۰۵ھ) نے تدوین

---

[1] تقیید العلم ص۱۰۸، [2] سعید بن مسیب کے تصور کراہت کتابت کے لیے دیکھیے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۰۵ اسی طرح امام شعبیؒ بھی احادیث کے لکھنا پسند نہیں کرتے تھے، دیکھیے المحدث الفاصل جلد ۴ ص۵،

[3] کتابت کے بارے میں ناپسندیدگی کے اظہار کے لیے مجاہد کی بابت دیکھیے، سنن دارمی جلد ۱ ص۱۲۱،

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ دارمی جلد ۱ ص۱۲۸ میں یہ روایت موجود ہے، کہ مجاہد احادیث لکھنے کے بڑے مشتاق تھے، نیز قتادہ کی طرف سے کراہت کتابت کے اظہار کے لیے دیکھئے سنن دارمی جلد ۱ ص۱۲۰

[4] ، جامع بیان العلم جلد ۱ ص۶۷، تقیید العلم ص۴۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حدیث کے خطرناک نتائج کا اظہار ان الفاظ میں واشگاف طور پر کیا تھا۔

"قرآن مجید کی طرح حدیث کے رجسٹر نہ بنائیں۔"[1]

مگر عجیب یہ ہے کہ خود انہوں نے بھی لوگوں کو احکام حج سے متعلق احادیث لکھوائی تھیں۔[2]

دور متوسط کے تابعین وضع حدیث سے پریشان تھے، لیکن متاخرین تابعین کے عہد میں موضوع حدیثوں کے کئی نمونے سامنے آگئے، حدیثیں گھڑنے والے اپنے مخصوص گروہی تعصبات کے پیش نظر اپنے اپنے مسلک کی تائید میں وضع حدیث کرتے تھے، اس لیے ضرورت تھی، کہ تدوین حدیث کے کام کو وسیع کرکے تمام صحیح احادیث کو محفوظ کیا جائے اور اسے بچوں کا کھیل نہ بننے دیا جائے، تابعین کے عہد میں تدوین حدیث کی ایک خصوصیت یہ تھی، کہ ان کتابوں میں صحابہ و تابعین کے فتاویٰ بھی عام طور پر شامل ہوتے تھے، امام مالکؒ (متوفی ۱۷۹ھ) کی مؤطا اس کا بیّن ثبوت ہے۔

تبع تابعین کے دور میں یعنی دوسری صدی ہجری کے آخر میں محدثین نے، ایسی مسانید جمع کرنے کا عزم کیا، جن میں صحابہ و تابعین کے فتاویٰ شامل نہ ہوں اور صرف احادیث نبویہ پر مشتمل ہوں، سب سے پہلی مسند ابوداؤد طیالسی (متوفی ۲۰۴ھ) نے مرتب کی تھی[3]۔ امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) کی مسند تمام مسانید سے زیادہ جامع ہے، لیکن امام احمد کا شمار تبع تابعین کے بعد کے دور میں کیا جاتا ہے، کیونکہ آپ کا سن وفات ۲۲۰ھ ہے۔

خالص احادیث صحیحہ (جن میں اقوال صحابہ و تابعین شامل نہ ہوں) کو ابواب کی۔

---

[1] تقیید العلم ص ۴۷

[2] جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۲

[3] مسند ابوداؤد الطیالسی، حیدر آباد دکن میں طبع ہوئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صورت میں مرتب کرنے کا کام تبع تابعین کے بعد آنے والے محدثین کے دور میں شروع ہوا، یہ محدثین امام بخاریؒ کے ہم عصر تھے، اسی زمانے میں صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، اور نسائی) مرتب ہوئیں، آگے چل کر ہم ان کے مؤلفین کے بارے میں جامع بحث کریں گے،

وہ محدثین متأخرین جو عصر روایت کے بعد آتے انہوں نے کتب حدیث کی شرح وتہذیب اور ان کے اختصار مرتب کیے، ابوعبداللہ الحمیدی (متوفی ۴۸۸ھ) نے مسانید کی طرز پر صحیحین کو مرتب کیا، ابوالسعادات مبارک بن الاثیر (متوفی ۶۰۶ھ) نے صحاح ستہ کو ترتیب ابواب کے مطابق نئی ترتیب دی، نورالدین علی الہیثمی (متوفی ۸۰۷ھ) نے صحاح ستہ کے علاوہ تمام کتب احادیث کی روایات کو مجمع الزوائد میں جمع کیا[1]

آخر میں امام سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) نے صحاح ستہ، مسانید عشرہ اور اس کے علاوہ پچاس سے زیادہ کتابوں کی روایات کو جمع الجوامع المسمّٰی بالجامع الکبیر میں یک جا کر دیا[2]

اس طرح حدیث نبوی کا ذخیرہ ایک طویل مرحلے کے ساتھ تحریری اور زبانی طور پر ہم تک پہنچا ہے، اور دور جدید میں طباعت واشاعت کی جو سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں، ان کے ذریعے اس عظیم اسلامی ورثہ کو پھیلانے اور عام لوگوں تک پہنچانے میں بڑی مدد ملی ہے۔

---

[1] حسام الدین القدسی نے ۱۳۵۲ھ میں مجمع الزوائد شائع کی تھی۔

[2] ملاحظہ ہو مکتبہ ظاہریہ میں مخطوطہ جمع الجوامع

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

طلبِ حدیث کے لیے سفر

ارتقائے علمِ حدیث پر ماحول کا اثر

دارالسنۃ[1] مدینہ منورہ میں علمِ حدیث نے اپنے ارتقاء کا ابتدائی مرحلہ مکمل کیا اس شہر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا تھا، اور حرم کا یہ علاقہ اس کے دونوں سنگلاخ خطوں اور چراگاہ پر مشتمل ہے[2]۔ مدینہ میں لوگ بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں طرح سے احادیث روایت کرتے تھے، تابعین اس شہر میں آکر صحابہ کرامؓ سے براہِ راست حدیثیں سنتے تھے، قدرتی طور پر علمِ حدیث پر مدینہ طیبہ کا خاص اثر ہوا، سرزمینِ مدینہ سے راویانِ حدیث بڑی عقیدت رکھتے تھے، وہ اس کی زیارت کے لیے بڑے بیتاب رہتے تھے، اسی شہر میں ہجرت کے بعد دعوتِ اسلامی کا پیغام پہنچا، دنیا کے ہر خطے کے لوگ جب حج سے فارغ ہوتے تھے، تو صحابہ کرام سے احادیث سننے کے لیے مدینہ چلے جاتے تھے[3] متفرد روایات کے براہِ راست سماع

---

[1] تاریخ طبری ص ۱۸۲، [2] ملاحظہ ہو مسند احمد حاشیہ از احمد شاکر جلد ۲ ص ۱۹۸، ۱۹۹ حدیث نمبر ۹۵۹، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں، مدینہ کے دونوں سنگلاخوں کے درمیان کا علاقہ اور اس کی چراگاہ سب حرم میں داخل ہے، اس کے کانٹے توڑے نہ جائیں، یہاں شکاری جانور کو نہ بھگایا جائے، کوئی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے، البتہ وہ شخص ایسی چیز اٹھا سکتا ہے جو اعلان بھی کرے، یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

[3] ابوالعالیہ سے منقول ہے کہ ہم بصرے میں صحابہ کرام کی روایات سنتے تھے پھر ہم نے اس پر قناعت نہ کرتے ہوئے مدینے کا رُخ کیا اور براہِ راست ان سے حدیثیں سنیں، دیکھیے مخطوطہ الجامع الاخلاق الراوی جلد ۹ ص ۱۶۸، ابوالعالیہ مشہور تابعی ہیں، اصل نام رفیع بن مہران الریاحی ہے، ۹۳ھ میں وفات پائی،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کے لیے راویانِ حدیث دور دراز کا سفر طے کرتے تھے[1] بعض ائمہ حدیث اس بات کا صاف اعتراف کرتے تھے کہ ہم نے علمائے حجاز یعنی مدینہ کے قابلِ اعتماد روایۃ حدیث کی احادیث سننے کے لیے حرم مکہ کا حج کیا تھا[2]

علی بن مدینی[3] کے درج ذیل قول کا مقصود بھی غالباً یہی ہے کہ:

"میں جب حج کے لیے گیا تو میرا ارادہ یہ تھا کہ میں وہاں جا کر احادیث سنوں گا"[4]

تدوینِ حدیث کے زمانہ میں جس طرح اہل مدینہ زیادہ حدیثیں روایت کرنے میں ممتاز تھے[5] اسی طرح بعض دوسرے شہر بھی ابتدائی دور میں احادیث کی نشر و اشاعت میں مشہور ہوئے، احادیث پہلے ان شہروں میں اور پھر جلد یا بدیر دوسرے شہروں میں راویانِ حدیث کی زبانوں پر مشہور ہوئی تھیں، شہروں کے لحاظ سے روایتِ حدیث میں جو تفرد پیدا ہوا اسے حدیث کی کتابوں میں مختلف انداز سے بیان کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر:

---

[1] مثلاً عبدالملک بن حبیب کا بیان ہے کہ میں حج کے لیے روانہ ہوا میں نے ابن الماجشون اسد اصبغ بن الفرج اور دیگر معاصرین سے علمی استفادہ کیا اور کثیر علم لے کر اندلس واپس چلا گیا، دیکھیے تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۵۳۷، ہم نے اس فصل میں عام طور پر تذکرۃ الحفاظ کے حوالے دیئے ہیں، مزید دیکھیے مصادر و مآخذ کی فہرست جو کتاب کے آخر میں ہے، عبدالملک بن حبیب اندلس کے بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے ان کو ابو مروان السُلمی الاندلسی القرطبی کہا جاتا ہے، ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

[2] مدینہ میں مکہ کی نسبت زیادہ حدیثیں روایت کی جاتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ اسے دار السُنّۃ کہتے تھے۔

[3] ابن مدینی کا اصل نام علی بن عبداللہ بن جعفر اور کنیت ابو جعفر تھی، امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے تھے، ۲۳۴ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب جلد ۲ ص ۸۱ ۔ ۸۴ سنن ترمذی جلد ۱ ص ۱۹۶، ۵ یہی سبب ہے کہ بہت سی احادیث میں یہ فقرہ نظر آتا ہے کہ "اس روایت میں اہل مدینہ متفرد ہیں" مثال کے طور پر دیکھیے سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۷، حدیث نمبر ۲۵۴، طبع ۱۳۶۹ھ حاشیہ از محی الدین عبدالحمید، مثلاً ابوداؤد کا یہ قول ملتا ہے کہ "اہل مدینہ" "مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ" پڑھتے تھے، ان کی دلیل یہی حدیث ہے، دیکھیے سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۴۱ حدیث نمبر ۷۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

(۱) اس حدیث کی روایت میں اہلِ بصرہ متفرد ہیں[۱]

(۲) یہ روایت اہلِ شام کی ہے اور اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں[۲]

(۳) یہ روایت اہلِ حمص کی بیان کردہ ہے[۳]

اسی طرح قدرتی طور پر شہروں کے اختلاف کی بنا پر تفرد فی الروایۃ میں محدثین کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ مثال کے طور پر ایک شہر کے لوگ جب وہاں کے کسی راوی کی روایت قبول کر لیتے ہوں تو اسے مقبول الروایۃ قرار دیا جاتا ہے اور جب کسی اور شہر والے بھی اس کی روایت کو قبول کر لیں تو پہلے شہر والے اس کی روایت کو رد کر سکتے ہیں، اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر زُہیر بن محمد کے بارے میں امام بخاریؒ کا موقف واضح ہو جاتا ہے، آپ لکھتے ہیں کہ:

"اہلِ شام زُہیر بن محمد سے منکر روایات نقل کرتے ہیں، لیکن اہلِ عراق نے جو روایتیں ان سے لی ہیں، وہ صحیح ہیں"[۴]

اس سے ظاہر ہے کہ مختلف علاقوں کی بنا پر امام بخاریؒ نے زُہیر کے بارے میں دو الگ الگ فیصلے دیئے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ فنِ رجال میں امام بخاریؒ کا بلند

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۴۶، حدیث نمبر ۱۵، جلد ۱ ص ۱۴۱ حدیث نمبر ۳۳۳۔

[۲] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۵۶ حدیث نمبر ۹۱

[۳] ابن شہاب سے روایت ہے کہ جب کبھی ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی جاتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفتے کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے تو کہتے کہ "یہ اہلِ حمص کی روایت ہے"۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۴۳۱ حدیث نمبر ۲۴۲۳۔

[۴] ملاحظہ ہو سنن ترمذی جلد ۱ ص ۶۰، حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ نماز میں سامنے کی طرف ایک ہی سلام پھیرتے تھے اور کچھ دائیں جانب پھیر جایا کرتے تھے"، اس روایت کو زُہیر بن محمد نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے نقل کیا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مرتبہ ہے۔ روایت اور راوی کے بارے میں انہوں نے کڑی شرطیں رکھی ہیں۔ لہٰذا وہ دوسرے محدثین کے مقابلے میں کسی راوی پر جرح و تنقید کرنے یا اس کی تعدیل و توثیق کرنے میں زیادہ ماہر ہیں، انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی عیب خفی کی بنا پر کسی راوی کو ضعیف قرار دے دیں، اور کسی دوسرے اعتبار سے اسے قابلِ اعتماد ٹھہرا دیں[1]

طلبِ حدیث میں سفر

راویانِ حدیث اپنی روایتِ حدیث میں علاقائی تفرد کے باوجود اپنے ہی شہر میں رہائش پذیر ہو کر اخذ و استفادہ پر قانع نہیں رہے[2] بلکہ وہ مدینہ منورہ میں بھی طلبِ حدیث پر قانع نہ رہے خواہ وہ دور تھا یا نزدیک، ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ طلبِ حدیث کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کریں، چنانچہ انہوں نے راویانِ حدیث کی اوّلین جماعت سے براہِ راست احادیث سُنیں، ان کا خیال تھا کہ بالمشافہ اخذ و استفادے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ راسخ اور دیرپا ہوتا ہے[3]

---

[1] زہیر کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ شامی جس زُہیر سے روایت کرتے ہیں وہ اور ہے اور اہلِ عراق کا زہیر ایک اور شخص ہے، جس کا نام تبدیل کر کے انہوں نے زہیر بنا لیا ہے (سنن ترمذی جلد ۱ ص ۶۰)

[2] علماء کو اگرچہ یہ بات پسند تھی کہ حدیث کا کوئی طالب علم اپنے ہی شہر میں رہتے ہوئے علمی مہارت حاصل کرے جبکہ حصولِ علم کے مواقع اپنے ہی شہر میں بخوبی میسر ہوں۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:
طلبِ حدیث کے لیے سفر کرنے کے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ عُلوِّ سند اور قدامتِ سماع کے حصول کا مقصد دوسرے یہ کہ حفاظِ حدیث سے ملاقات اور ان سے استفادہ، جب یہ دونوں چیزیں طالب علم کے اپنے شہر میں میسر ہوں اور دوسری جگہ موجود نہ ہوں تو پھر سفر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اپنے شہر میں رہائش پذیر ہونا ہی بہتر ہے، (الجامع لاخلاق الراوی جلد ۹ ص ۱۶۷)

[3] مقدمہ ابن خلدون، مصطفیٰ محمد، قاہرہ، ص ۵۴۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

استاذ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے بالمشافہ علم حاصل کرنے کی ابتدا پہلی صدی ہجری میں ہو چکی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی ابوالدرداءؓ[1] اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

"اگر مجھے قرآن مجید کی کوئی آیت نہ ملے اور مجھے یہ معلوم ہے کہ اسے صرف برک الغماد[2] نامی قصبے کا کوئی شخص ہی جانتا ہے تو مجھے وہاں ..... جانے اور اس کی خدمت میں حاضر ہونے سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۷۸ھ) نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ باندھ کر ایک مہینہ سفر کرتے رہے اور شام میں جا کر عبداللہ بن انیس سے قصاص سے متعلق ایک حدیث معلوم کی۔[3]

کئی محدثین صرف ایک حدیث کے حصول کی خاطر طویل مسافت اختیار کرتے رہے، حضرت سعید بن مسیب (متوفی ۱۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

"میں ایک حدیث کی جستجو میں کئی کئی راتیں اور دن حالتِ سفر میں گزار دیتا۔"[4]

ابو قلابہ (متوفی ۱۰۴ھ) کا قول یہ ہے کہ:

"میں مدینے میں تین روز ٹھہرا اور وہاں جانے سے مقصود یہ تھا کہ ایک شخص کو

---

[1] ابوالدرداء کا نام حویمر بن زید تھا، انہوں نے ۳۲ھ میں وفات پائی تھی،

[2] برک الغماد، ابن درید کا قول ہے کہ برک الغماد ہے، یہ قصبہ مکہ مکرمہ سے سمندر کی جانب پانچ دنوں کی مسافت پر واقع ہے (معجم البلدان جلد ۱ ص ۵۸۹)

[3] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۹ ص ۱۶۸ تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ جابر بن عبداللہ جلد ۱ ص ۴۳ نمبر ۲۱

[4] الجامع لاخلاق الراوی، جلد ۹ ص ۱۶۹، تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ سعید بن مسیب جلد ۱ ص ۵۴، نمبر ۳۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ایک حدیث معلوم تھی، جسے میں سننا چاہتا تھا۔[1]

مشہور راوی مکحول (متوفی ۱۱۲ھ) کا واقعہ طلبِ حدیث کے لیے طویل سفر اختیار کرنے کی بہترین مثال ہے، ہم اگرچہ اس چیز کو زیادہ اہمیت نہ دیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بڑی اہم بات ہے، مکحول بیان کرتے ہیں کہ:

"میں مصر میں بنی ہُذیل کی ایک عورت کا غلام تھا، اس نے مجھے آزاد کیا، میں طلبِ علم کی خاطر گھر سے نکلا، اپنی دانست میں، مصر میں موجود سارا علم میں نے حاصل کر لیا، پھر میں حجاز چلا گیا اور وہاں کے اہلِ علم سے استفادہ کرتا رہا، پھر عراق اور اس کے بعد شام روانہ ہوا اور اس کے گوشے گوشے میں پہنچا، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ فوجیوں کو مالِ غنیمت سے جو زائد انعام کے طور پر مال دیا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مگر مجھے کسی نے صحیح جواب نہ دیا، سفر کے دوران میں زیاد بن جاریہ تمیمی سے میری ملاقات ہوئی میں نے ان سے یہی مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا، "میں نے حبیب بن مسلمہ الفہری سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میرے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے جنگ میں مالِ غنیمت کا ایک چوتھائی بطور انعام دیا اور پھر لوٹتے وقت ایک تہائی مالِ غنیمت بطورِ انعام دیا تھا۔[2]

علم کی تشنگی عبدان[3] کو اٹھارہ مرتبہ مصر لے گئی، تاکہ ——————

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۹ ص ۱۶۹، ابوقلابہ کا نام عبداللہ بن زید الجرمی البصری تھا،

[2] ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۱۰۶ حدیث نمبر ۲۷۵۰، ابن ماجہ جلد ۲ ص ۹۵۱، ۹۵۲، مکحول شام کے بلند پایہ عالم تھے، پورا نام ابوعبداللہ بن ابی مسلم الہُذلی ہے حافظِ حدیث اور فقیہ تھے، دیکھئے ترجمہ مکحول تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۰۷ حدیث نمبر ۹۶

[3] عبدان کا پورا نام یہ ہے احمد بن موسیٰ جوالیقی، ۳۰۶ھ وفات پائی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ایوب[1] کی کچھ متفرد روایتیں سُن سکیں، طلبِ حدیث میں سفر اختیار کرنا افراد اور علاقوں کے لحاظ سے الگ الگ نوعیت کا حامل تھا، بعض لوگ پیدل چلتے[2] بعض محدثین نے اوائل عمری، مثلاً پندرہ یا بیس برس کی عمر ہی میں رختِ سفر باندھ لیا تھا[3] بعض راویانِ حدیث کے بارے میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے طویل سفر اختیار کیے اور بڑی تکلیفیں اُٹھائیں"[4]

بعض کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ:

لَهُ رِحْلَةٌ وَاسِعَةٌ[5] اس نے بہت طویل سفر کے بعد یہ علم حاصل کیا

کبھی یوں بیان کیا گیا کہ:

إِنَّهُ أَكْثَرَ وَأَكْثَرَ التَّرْحَالَ[6] اس نے خوب سفر اختیار کیے ہیں،

کبھی یہ کہا گیا ہے کہ:

لَهُ الْعِنَايَةُ التَّامَّةُ بِطَلَبِ الْحَدِيثِ وَالرِّحْلَةِ[7] اس نے طلبِ حدیث میں اور اس کے لیے سفر کرنے میں پوری توجہ صرف کی ہے

بعض محدثین کے لیے اس طرح کے الفاظ بھی لکھے گئے ہیں کہ "فلاں راوی

---

[1] ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد ۱، ص ۴۱۴، ایوب جید عالم اور ثقہ راوی تھے، پورا نام ایوب بن کیسان سختیانی ہے کنیت ابوبکر ہے، ۱۳۱ھ میں وفات پائی، [2] ابوموسیٰ پیدل سفر کیا کرتے تھے اور بڑے حافظ وفقیہ تھے، پورا نام عبداللہ بن عبدالغنی (متوفی ۶۲۹ھ) ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۴۰۹)

[3] ملاحظہ ہو ترجمہ ابویعلیٰ موصلی الفقیہ الحافظ (متوفی ۳۰۷ھ) تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۷۰۸، محمد بن علی جن کا لقب النرسی تھا، ۲۵۱ھ میں فوت ہوئے، تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۲۶۱

[4] مثال کے طور پر ابوالبرکات بن مبارک السقطی (متوفی ۵۰۹ھ) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۲۶۰

[5] ملاحظہ ہو ابویعقوب یوسف بن احمد بن ابراہیم صوفی شیرازی (متوفی ۵۸۵ھ) تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۳۵۷ ابن منتویہ ابراہیم بن محمد اصبہانی (متوفی ۳۰۲ھ) تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۷۰۲، [6] ترجمہ ترمذی الکبیر (متوفی ۲۴۰ھ) تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۷۰۴، [7] یہ جملہ حافظ ابوحفص عمر بن بجیر ہمدانی سمرقندی، محدث خراسان کے بارے میں ہے، ۳۱۱ھ میں وفات پائی، تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۷۲۰

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

دس سال سے زیادہ حالتِ سفر میں رہا تھا۔[1]

بعض کے بارے میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:

"سواریوں کو ہلاک کر کے ان کی خدمت میں لوگ حاضر ہوتے تھے۔"[2]

یا پھر یوں کہا گیا کہ:

"لوگ ان کے پاس سوار ہو کر آتے ہیں۔"[3]

کبھی اس طرح بیان کیا گیا کہ:

"فلاں کے زمانے میں لوگ ان کی جانب سفر اختیار کر کے پہنچتے تھے۔"[4]

جن محدثین نے طلبِ حدیث طویل سفر کیے ان کو رَحّال، رَحّالہ، جوّال، جوّالہ (بہت زیادہ سفر کرنے والا) جیسے القاب دیئے گئے تھے، اور انہوں نے اس راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں، باوجود اس کے کہ انہیں کم احادیث ملی ہوں یا زیادہ اس زمانے میں لوگ یہ بھی پوچھا کرتے تھے، کہ فلاں محدث کو طلبِ حدیث میں کن کن تکلیفوں سے واسطہ پڑا ہے، جن لوگوں کو کثرتِ سفر کی وجہ سے طوّافُ الاقالیم کہا جاتا تھا، ان کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا جاتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے طلبِ حدیث میں کئی بار مشرق و مغرب کے سفر کیے، ... گولڈ زیہر (GOLDZIHER) اس بات کا شاکی ہے کہ وہ محدثین کے طویل سفروں کا انکار کرے، مگر اس کے باوجود وہ یہ لکھتا ہے کہ:

---

[1] جیسے ابو طاہر سِلَفی، حافظ علامہ شیخ الاسلام عماد الدین احمد بن محمد الاصبہانی الجروانی، سنہ ۵۷۶ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۲۹۸ حدیث نمبر ۱۲۹۸)

[2] معجم البلدان از یاقوت الحموی جلد ۱ ص ۶۹۴،

[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۸۰۷

[4] جیسے ابن حبیش ابو القاسم عبد الرحمٰن اندلسی (متوفی سنہ ۵۸۴ھ) کے بارے میں یہی الفاظ منقول ہیں، دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۳۵۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض محدثین نے چار مرتبہ مشرق و مغرب کا سفر کیا، میری نظر میں وہ مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتے[1]

کثرتِ سفر کے دینی اثرات

طلب حدیث کے لیے سفر اختیار کرنے والوں[2] نے اسلامی دنیا کے مابین مضبوط تعلقات استوار کرنے میں بڑی معاونت کی ہے، بلادِ اسلامیہ میں ان لوگوں کی سیاحت نے مشرق و مغرب میں ربط و ضبط پیدا کر دیا تھا[3] اور یہ کام کسی اور ذریعے سے ناممکن بھی تھا، اس کے نتیجے میں عالمِ اسلام گویا ایک ہی شہر بن گیا، اہلِ اسلام میں ایک جیسے تعلیمی طریقے اور قواعد و ضوابط مروج تھے، البتہ طلب حدیث کے ضمن میں کثرتِ سفر نے فنِ حدیث پر جو ظاہری و معنوی اثرات چھوڑے، وہ ان اثرات سے بھی زیادہ تھے، جو محدثین نے اپنے اپنے علاقوں پر ڈالے تھے۔

---

[1] گولڈ زیہر، حدیثِ اسلامی ص ۲۲ [2] معجم البلدان از یاقوت الحموی جلد ۳ ص ۵۲۸

[3] کیونکہ نقلِ مکانی کی وجہ سے علماء ایک ہی شہر میں محدود نہ رہے، ایک ہی راوی کبھی عراق میں ہے کبھی شام میں، اور پھر شام سے بھی اندلس جا بسا، پھر وہاں سے مصر چلا آیا، طبقات و رجال کی کتب میں مرقوم ہوتا ہے کہ فلاں راوی فلاں جگہ کا رہنے والا تھا، اور اس نے فلاں مقام پر رہائش اختیار کی تھی، مثال کے طور پر نذار بن عبدالعزیز بغدادی نے مصر میں سکونت اختیار کر لی (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۴۳۲) نائل بن نجیح حنفی بصری بغداد میں رہنے لگے تھے (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۴۳۴) علی بن معبد الرقی مصر میں رہائش پذیر ہوئے، (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۵۵۰) محدث جوزجانی دمشق میں سکونت پذیر ہوئے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۵۴۹) ابن واصل السدوسی البصری نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۶۳) علی بن سعد عسکری رَے میں رہنے لگے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۵۴۹) احمد بن عبداللہ نجلی کوفی طرابلس الغرب کے باشندے بن گئے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۵۶۰) مکی بن ابراہیم بلخی بغداد میں رہنے لگے، (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۱۱۸)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

محدثین کی سیاحت نے علم حدیث کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا، اس سے حدیث کے نصوص اور احکام میں یک رنگی اور مشابہت پیدا ہوگئی، باوجود اس کے کہ اصولِ حدیث میں فرق موجود رہا، بالخصوص، جب کسی علاقے کے رہنے والے کسی ایک روایت میں متفرد ہوں اور دوسرے کسی علاقے کا کوئی فرد اس روایت میں شامل و شریک نہ ہو۔

شہروں کے مختلف ہونے کا ایک اثر یہ تھا کہ مختلف ممالک میں رہنے والے راویانِ حدیث کے الفاظ میں اختلاف پیدا ہوگیا، البتہ یہ مختلف روایات بھی بالآخر ایک دوسرے کے قریب آکر ایک خاص قسم کے سانچے میں ڈھل گئیں، یہاں تک کہ ہر قاری یا سامع جب ان مختلف روایتوں کو اوّل اوّل پڑھتا یا سنتا تو یہ سمجھتا کہ ان کے راوی گویا ایک ہی شہر کے رہنے والے ہیں اور ان کا تعلق مختلف شہروں سے نہیں ہے اس کی بکثرت مثالیں ہیں، یہاں پر ہم صرف ایک حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ" کو بطورِ مثال پیش کریں گے، کیونکہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک بہت اہم ہے، عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

جو کوئی بھی علمی کتاب لکھنا چاہتا ہو، اسے چاہیے کہ اس کتاب کی ابتدا اسی حدیث سے کرے[1]

امام بخاریؒ فرماتے تھے:

"جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرے تو اسے حدیث اِنَّمَا الاعمال سے آغاز کرنا چاہیے"۔[2]

خود امام بخاریؒ نے بھی اس پر عمل کیا ہے، وہ اپنی کتاب صحیح بخاری کی ابتدا اسی حدیث سے کرتے ہیں، اسی کے تتبع میں کئی علماء نے علم حدیث سے متعلق اپنی تصانیف کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

ایک قاری جب یہ محسوس کرتا ہے کہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کو اپنی

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۱ ص ۱۹۳، [2] حوالہ مذکورہ بالا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

تصانیف کا دیباچہ قرار دیا ہے، اور اس حدیث کے الفاظ بھی کم و بیش ایک جیسے ہی ہیں، تو وہ اسے حدیث متواتر سمجھتا ہے، وہ یہ تصور کرتا ہے کہ اسے ایک بڑے گروہ نے دوسرے بڑے گروہ سے روایت کیا ہوگا،

لیکن محدث البزار[1] نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحیح سند صرف ایک ہے اور اس میں حضرت عمرؓ راوی ہیں، حضرت عمرؓ سے صرف علقمہ نے اور ان سے صرف محمد نے، اور ان سے صرف یحییٰ[2] نے اسے روایت کیا ہے، اس کے سوا کوئی سند صحیح اس حدیث کی نہیں ملتی، اس حدیث میں حضرت عمرؓ چونکہ متفرد راوی ہیں لہٰذا یہ حدیث متواتر نہیں ہو سکتی[3] اس کے علاوہ یہ حدیث ابتداء میں صرف مدینہ منورہ میں معروف تھی، بعد میں دوسرے شہروں میں اس کی شہرت ہوئی تھی۔

---

[1] البزار مشہور حافظ حدیث تھے، پورا نام احمد بن عمرو بن عبدالخالق اور کنیت ابوبکر تھی، ان کی وفات ۲۹۲ھ میں ہوئی، فن حدیث میں دو کتابوں کے مؤلف ہیں (۱) مسند صغیر اور (۲) مسند کبیر، اور اس دوسری کتاب کو "البحر الزاخر" اور "الکبیر المعلل" بھی کہا جاتا ہے، اس میں انہوں نے بعض راویان حدیث کے تفرد پر گفتگو کی ہے، جیسے یہ کہ حضرت عمرؓ حدیث "انما الاعمال بالنیات" کی روایت کرنے میں متفرد ہیں (الرسالۃ المستطرفہ)

[2] ملاحظہ ہو التدریب از سیوطی ص۸۳، ابو القاسم بن مندہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے علاوہ عشرہ صحابہ نے "انما الاعمال بالنیات" کی حدیث روایت کی ہے، التدریب ص۸۲ پر ان صحابہ کے نام بھی درج ہیں، ان کے نزدیک اس روایت میں حضرت عمرؓ متفرد نہیں ہیں، اسی طرح اس حدیث کے دوسرے راوی بھی متفرد نہیں ہیں (التدریب ص۸۲)

حافظ عراقی بھی اس بارے میں یہی خیال رکھتے ہیں، لیکن وہ ساتھ ہی لکھتے ہیں: کہ حدیث مذکور میں جن صحابہؓ کا نام لیا گیا ہے انہوں نے خود یہ حدیث روایت نہیں کی ہے۔

[3] التدریب ص۱۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مذکورہ حدیث کی مثال اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ طلب حدیث کے سلسلے میں سفر اختیار کرنے سے حدیثوں کی عبارت میں یک رنگی اور ہم آہنگی پیدا ہونے میں بہت مدد ملی ہے، اس کے علاوہ حدیث پر مقامیت کی چھاپ کی بجائے ایک مشترک اور ہمہ گیر قسم کا رنگ گہرا ہو گیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کتب احادیث میں ایک ہی موضوع کے بارے میں روایات باہم ہم رنگ و ہم آہنگ ہو گئیں اور ان میں لفظی اختلاف ختم ہو گیا۔ البتہ اس ہم رنگی اور ہم آہنگی کے باوجود ان احادیث میں کچھ باریک اور لطیف سا فرق باقی رہ گیا جسے صرف محدثین ہی پہچان سکتے تھے، احادیث میں اس مشابہت کا سب سے بڑا سبب راویان حدیث کا باہمی میل جول تھا، یا پھر درس و تدریس کا کام تھا، وہ عام لوگوں کو احادیث سنایا کرتے تھے[1]

طلب حدیث کے لیے سفر اختیار کرنے سے ایک طرف حدیثوں کے الفاظ میں مشابہت بلکہ یکسانی پیدا ہوئی، اور دوسری طرف فقہ و قانون اور عقائد میں بھی وحدت پیدا ہوئی، مثلاً حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے اہل علم نے کئی فقہی مسائل مستنبط کیے، مثال کے طور پر ایسے مسائل بھی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی ضمیر کے بارے میں کتنی وسعت و لطافت سے کام لیا ہے، اور دوسرے یہ کہ ظاہری اعمال کی بجائے باطنی احوال پر کس قدر اعتماد کیا ہے[2]

---

[1] عام لوگوں کو اور راہ چلتے ہوئے لوگوں کو حدیثیں سنانے کا محاورہ تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اکثر آتا ہے، بحوالہ تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص۱۸۱، ترجمہ مکی بن ابراہیم بلخی، متوفی ۲۱۵ھ)

[2] اس سلسلے میں عجیب بات یہ ہے کہ مستشرق ابن الورد نے امام شافعیؒ کے حوالے سے حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے ۷۰ مسائل نکالے ہیں، ابن الورد نے یہ جامع بحث کی ہے اور اس نے بغیر تنقید و تبصرہ کے امام شافعیؒ کی آراء بیان کر دی ہیں اگر وہ بھی دوسرے مستشرقین کی طرح جرح و تنقید کرتا تو راہ عدل سے ہٹ جاتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

پھر جب طلب حدیث میں سفر اختیار کرنے سے فقہ و عقائد میں وحدت کے اثرات اور نتائج پیدا ہوئے تو پھر اسناد میں احتیاط برتنا اور بھی ضروری ہو گیا تاکہ سند میں آمدہ ہر راوی کی صحیح پہچان ہو سکے، بقول علی بن المدینی[1]

مَعْرِفَةُ الرِّجَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ رجال کی پہچان نصف علم ہے۔

اور پھر جس محدث کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے طلب حدیث میں تکالیف برداشت کی ہیں، تو اس کی روایت قبول کرنے کے لیے محدثین نے شرط لگائی ہے کہ وہ سلسلۂ سند کے جملہ راویوں کے نام زبانی طور پر گنائے اور آخر میں اپنا نام بیان کرے تاکہ اس کی صداقت ظاہر ہو، لیکن اگر کوئی راوی اس طرح سند بیان نہ کرے تو اس کی روایت حجت نہ رہے گی[2] خواہ وہ کتنا ہی صاحب علم کیوں نہ ہو۔

اس ضمن میں امام ذہبی[3] نے ابن لہیعہ (متوفی ۱۷۴ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"ابن لہیعہ بہت بڑے امام اور مصر کے قاضی تھے"[4]

امام احمد بن حنبلؒ نے ابن لہیعہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"مصر میں صرف ابن لہیعہ ہی محدث ہیں"

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۲ ص ۱۶۴

[2] الکفایہ للخطیب البغدادی ص ۱۵۲ پر ایک باب موجود ہے جس کا عنوان "فی ترک الاحتجاج بمن عُرف بالتساہل فی روایت الحدیث" ہے یعنی جو راوی روایتِ حدیث میں سہل انگاری سے کام لیتا ہو اس کی روایت سے احتجاج نہ کرنے کے بارے میں باب۔

[3] امام ذہبیؒ کا پورا نام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الترکمانی الذہبی ہے۔ "میزان الاعتدال" اور تذکرۃ الحفاظ، آپ کی مشہور کتابیں ہیں، ۷۴۸ھ میں وفات پائی۔

[4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۳۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

لیکن تعجب ہے کہ امام ذہبیؒ نے ابن لہیعہ جیسے حافظ الحدیث کو تساہل و غفلت کا مرتکب ٹھہرایا ہے۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

ابن لہیعہ کی روایت سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، البتہ کسی اور روایت کی تائید یا متابعت میں اسے پیش کیا جا سکتا ہے[1] کیونکہ ابن لہیعہ باوجود وسعتِ علمی کے صحیح حافظ و ضابط نہ تھے[2]

خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:

"ابن لہیعہ نے اخذِ حدیث میں سہل انگاری سے کام لیا ہے، ان کے پاس کوئی کتاب لائی جاتی تو اس سے دوسروں کو احادیث سنا دیتے، اس لیے ان کی مرویات منکر ہیں[3]

یحییٰ بن حسان کہتے ہیں کہ:

"کچھ لوگ میرے پاس آئے اور ان کے پاس ایک کتاب تھی، انہوں نے آ کر کہا، ہم نے فلاں حدیث ابن لہیعہ سے سنی ہے، لیکن میں نے وہ کتاب دیکھی تو اس میں ابن لہیعہ کی کوئی روایت موجود نہ تھی، میں نے جا کر ابن لہیعہ سے کہا، جو روایات آپ نے لکھوائی ہیں ان میں سے کوئی روایت بھی آپ کی نہیں ہے نہ آپ نے کسی سے کوئی حدیث سنی ہے، اس پر ابن لہیعہ نے کہا: "میں کیا کروں میرے پاس کوئی کتاب لائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث آپ کی ہے تو میں بھی اسے بیان کر دیتا ہوں"[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۳۹

[2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۳۸

[3] الکفایہ ص ۱۲۵

[4] الکفایہ ص ۱۵۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس میں شک نہیں کہ طلب حدیث کے سلسلے میں سفر کرنے والوں کے بارے میں بعض واقعات بہت مبالغہ آمیز ہیں، وہ اگرچہ اصالۃً صحیح الاسناد ہوتے ہیں لیکن آگے چل کر مبالغہ آرائی ہو جاتی ہے،

حجاج بن شاعر کہتے ہیں:

میری والدہ نے میرے لیے ایک سو روٹیاں پکا کر ایک تھیلے میں رکھ دیں، اس کے بعد میں مدائن کے شہر میں شبابہ نامی ایک محدث کے پاس آیا اور ایک سو دن تک ان کے دروازے کے قریب مقیم رہا، میں ایک روٹی روزانہ نکالتا اور دریائے دجلہ کے پانی میں بھگو کر کھا لیتا، جب وہ ساری روٹیاں ختم ہو گئیں تو میں مدائن سے روانہ ہو گیا۔[1]

احمد بن الفرات[2] کا بیان ہے کہ:

"میں نے ۱۱۰۷ اساتذہ سے احادیث سن کر قلمبند کیں"[3]

مگر امام بخاریؒ نے ایک ہزار سے کچھ زیادہ تعداد کے اساتذہ سے اخذ و استفادہ کیا تھا۔[4]

ابو عبداللہ بن مندہ (متوفی ۳۹۵ھ) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

---

[1] طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلیٰ ص ۱۰۶، تحقیق احمد بن عبید، مطبع الاعتدال، دمشق، ۱۳۵۰ھ۔

[2] احمد بن الفرات ابو مسعود رازی، اصبہان کے بڑے محدث، حافظ، مصنف اور عالم تھے، ۲۵۸ھ میں فوت ہوئے تھے،

[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۵۴۴۔

[4] امام بخاریؒ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ حدیث سے اخذ و استفادہ کیا ہے اور صرف ایسے محدثین کی احادیث لکھی ہیں جو ایمان کو قول و عمل کا مجموعہ سمجھتے تھے، دیکھیے! شذرات الذہب واقعات ۲۵۶ھ جلد ۲ ص ۱۳۴، تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۵۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

وہ بہت بڑے سیاح محدث تھے۔[۱] جب طلب حدیث کے لیے سفر سے واپس لوٹتے تو ان کے پاس اتنی کتابیں ہوتی تھیں کہ کئی اونٹوں کا بوجھ ہوتیں، بعض کہتے ہیں کہ ان کے پاس چالیس اونٹوں کے بوجھ کے برابر کتابیں تھیں۔[۲]

کتب احادیث کی تدوین کے بعد بھی طلب حدیث کے لیے سفر اختیار کیا جاتا رہا تدوین حدیث کا مقصد بھی ان لوگوں کے لیے سہولت بہم پہنچانا تھا، جو اخذ حدیث کے لیے سفر کی تکالیف برداشت کرنے کی سکت نہ رکھتے تھے، لیکن جو لوگ علم کی عظمت کے شائق تھے، وہ محض کتابوں پر قناعت نہیں کر سکتے تھے، ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی، کہ وہ حدیث نبوی کی تلاش و جستجو میں سفر کی صعوبتیں اٹھائیں،

حدیث کو ذریعہ معاش بنانے کے لیے سفر اختیار کرنا

ایک طرف محدثین کی بڑی تعداد ایسی تھی، جو وسعت علم کے لیے فن حدیث میں مہارت پیدا کرتے تھے، اور دوسری طرف بعض لوگوں نے حدیث نبوی کو ذریعہ معاش بنا لیا تھا،

یعقوب بن ابراہیم بن سعد کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ وہ حدیث یاد تھی، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے پانی میں حالت جنابت میں غسل کرنے سے منع فرمایا ہے، یعقوب ایک دینار کے عوض یہ حدیث سنایا کرتے تھے۔[۳]

ابو نعیم فضل بن دکین بڑے حافظ حدیث اور ثقہ راوی تھے۔[۴] لیکن ان کا

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صـ ۲۳۲

[۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صـ ۲۳۲

[۳] سنن نسائی بشرح سیوطی جلد ۱ صـ ۴۹، الکفایہ صـ ۱۵۶

[۴] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ ۳۷۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، وہ اپنے شاگردوں سے باقاعدہ معاوضہ لیتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد علی بن جعفر بن خالد کہتے ہیں کہ:

"ہم ابو نعیم فضل بن دُکین کی خدمت میں حدیث لکھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے، وہ ہم سے بالکل کھرے درہم وصول کرتے تھے، اور جب کبھی ہمارے پاس ناقص درہم ہوتے تو اس کے بدلے دوسرے درہم وصول کرتے تھے"[1]

شعبہ بن الحجاج[2] حدیث کے طلبہ کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ ایسے راویانِ حدیث سے حدیثیں لیا کرو جو دولت مند ہوں، کیونکہ دولت مند آدمی کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں، ان کا قول ہے کہ:

"زیاد بن مخراق سے حدیثیں لیا کرو وہ دولت مند آدمی ہے اس لیے جھوٹ نہیں بولتا"۔

شعبہ علی بن عاصم سے خطاب کرکے کہا کرتے:

"عمارہ بن ابی حفصہؒ کے شاگرد بنو، وہ دولت مند آدمی ہے اس لیے جھوٹ نہیں بولتا"۔

اس کے جواب میں علی بن عاصم کہتے ہیں کہ:

"کئی دولت مند آدمی بھی جھوٹ بولنے کے عادی ہوا کرتے ہیں"[3]

شعبہ اپنی رائے کے حق میں مزید فرماتے تھے کہ:

"تنگدست لوگوں سے کچھ نہ لکھا کرو"[4]

---

[1] الکفایہ ص ۱۵۶، الباعث الحثیث ص ۱۱۶

[2] پورا نام شعبہ بن الحجاج بن ورد العتکی الازدی الواسطی ہے کنیت ابو بسطام ہے، آپ بصرہ کے بڑے محدث تھے اور انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا تھا، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا، اس کے علاوہ تابعین سے چار سو احادیث سُنی تھیں، آپ نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔

[3] الکفایہ ص ۱۵۵

[4] الکفایہ ص ۱۵۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہر دور میں محدثین نے علم حدیث کو پیشہ بنانے کی مخالفت کی ہے، ان کی نصیحت طلبۂ حدیث کے لیے یہ تھی کہ:

"اے ابن آدم! تم اسی طرح بلا معاوضہ تعلیم دو، جیسے تمہیں بلا معاوضہ تعلیم دی گئی ہے"[1]

اس کے لیے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ الہامی کتابوں میں مفت تعلیم دینے کا حکم ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ:

"الہامی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس طرح تمہیں مفت تعلیم دی گئی ہے اسی طرح تم بھی مفت تعلیم دیا کرو"[2]

اس قول کی صحیح اصل معروف ہے، کتاب مقدس کے آخری باب میں ہے کہ:

"میں نے خدا کے حکم سے تمہیں تعلیم دی ہے"[3]

دینی تعلیم کا معاوضہ لینے کی حرمت کے ثبوت میں بعض اوقات حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضؓ نے اہل صفہ میں سے بعض کو لکھنا پڑھنا سکھایا تھا، ایک طالب علم نے شکریے کے طور پر انہیں ایک کمان کا ہدیہ دینا چاہا، حضرت عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ہدیے کے بارے میں دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے میں آکر فرمایا:

"اگر تم چاہتے ہو کہ اس کے بدلے میں تمہیں آگ کا طوق پہنایا جائے تو پھر یہ ہدیہ قبول کر لو"[4]

---

[1] الکفایہ ص ۱۵۴ [2] الکفایہ ص ۱۵۳

[3] گولڈزیہر نے اپنی کتاب کے ص ۲۲۵ کے حاشیہ نمبر ۳ پر اس حوالے کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

[4] سنن ابی داؤد جلد ۳، ص ۳۶۰، حدیث نمبر ۳۴۱۶۔
کتاب الاجارہ باب فی کسب العلم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

علماء اور راویانِ حدیث پر ایسی احادیث کا گہرا اثر ہوا، جب حدیث کا کوئی طالب علم کوئی ہدیہ پیش کرنے کی کوشش کرتا تو اسے قبول نہیں کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ اسے رشوت سمجھا جاتا تھا، علماء اپنے طلبہ کو اس شرط پر احادیث کی تعلیم دیتے تھے۔ کہ وہ ان کو اس کے لیے کوئی ہدیہ نہیں دیں گے،

محمد بن حجاج کے بارے میں ہے کہ ایک شخص حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) سے احادیث سُنا کرتا تھا، وہ چین چلا گیا اور واپس آکر حماد کے لیے کوئی تحفہ لایا، حماد نے کہا کہ دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلو، اگر چاہو تو میں تمہارا ہدیہ قبول کرتا ہوں، مگر آئندہ تمہیں کبھی کوئی حدیث نہیں سناؤں گا، اور اگر چاہو تو پہلے کی طرح تمہیں حدیث کی تعلیم دیتا رہوں گا، اور اس صورت میں تم سے کوئی ہدیہ نہیں لونگا اس نے کہا آپ ہدیہ قبول نہ کریں لیکن مجھے تعلیمِ حدیث دیتے رہیں[1]

امام احمد بن حنبلؒ کے درج ذیل قول سے بھی تعلیمِ حدیث پر معاوضہ لینے کی حرمت ثابت ہوتی ہے:-

امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ جو آدمی حدیثیں بیچتا ہے کیا اُسے روایت کرنا جائز ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں[2]

البتہ یہ ضروری نہیں کہ جن لوگوں نے حدیثِ نبویؐ کو ذریعہ معاش بنالیا، وہ سب کے سب جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے تھے، اس کے برعکس ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو نہایت ثقہ راوی ہیں اور حفظ وضبط میں خاصی شہرت رکھتے تھے، مال ودولت ایسی چیز ہے جس سے ایک اچھا بھلا آدمی بھی بعض اوقات برگشتہ ہو جاتا ہے مگر اس سلسلے میں ایک وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کا الگ حلقہ تھا، جن لوگوں نے طلبِ حدیث کی راہ میں مصائب وآلام برداشت کیے تھے، جن کے لیے غربت وافلاس

---

[1] الکفایہ ص۱۵۳، باب کراہۃ اخذ الاجر علی التحدیث

[2] الکفایہ ص۱۵۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کوئی رُکاوٹ نہ تھی، جن کے لیے سفر کی مشکلات اور راستے کے خطرات کچھ وقعت نہ رکھتے تھے، اور جن کے لیے صحرا کی گرمی اور سمندر کی موجیں یکساں تھیں، وہ در اصل طلب حدیث کو جہاد سمجھتے تھے، اور اس راہ میں ہلاک ہو جانے کو شہادت قرار دیتے تھے[1]

مگر دوسری طرف جو لوگ ان حضرات سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کر رہے تھے وہ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے امن و استراحت کی زندگی گزارتے تھے، لہٰذا وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ دوسرے ان کے برابر ہو جائیں،

کتب حدیث میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں کہ راویانِ حدیث اُن اصولوں اور ضابطوں کی طرف اعتناء کرتے ہیں، جن کے تتبع میں وہ احادیث کو مکمل طور پر جمع کر سکیں۔ ان اصول و ضوابط کی پابندی بڑا مشکل کام تھا، عہدِ حاضر میں اس صورتِ حال کا موازنہ ان ناشرین سے کیا جا سکتا ہے جو قلمی مخطوطوں کی تلاش و جستجو کرتے ہیں اور پھر بڑی محنت و کاوش کے بعد انہیں مہنگے داموں فروخت کر دیتے ہیں۔

علماء نے علی بن الجعد (متوفی ۲۳۰ھ) کی روایات تک جس طریقے سے رسائی حاصل کی تھی، اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں حدیث کو ذریعہ معاش بنانے سے متعلق لوگوں کا کیا نقطۂ نظر تھا۔

ابو الفضل بن طاہر مقدسی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ساتھی ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبد الوارث شیرازی سے یہ سُنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں بغداد آیا اور یہاں جس قدر احادیث شیوخ حدیث سے سُن سکتا تھا، وہ سُن لیں، پھر میں موصل چلا گیا اور صریفین کی ایک مسجد میں رات گزاری، اس دوران میں ابو محمد صریفینی نے نماز پڑھائی، میں نے ان سے پوچھا کیا آپ کو کچھ احادیث یاد ہیں؟ انہوں نے کہا میرے والد مجھے ابو حفص کتانی، ابن حیابہ اور دوسرے محدثین کے پاس اُٹھا کر لے جاتے تھے۔

---

[1] ضحی الاسلام جلد ۲ صـ ۷۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

میرے پاس حدیث کے کچھ اوراق موجود ہیں، میں نے کہا مجھے دکھا دیجیے، انہوں نے ایک تھیلہ نکالا جس میں دوسری کتابوں کے علاوہ ابن الجعد کی کتاب بھی موجود تھی، میں نے ان کو وہ پڑھ کر سُنائی، اس کے بعد میں نے اہلِ بغداد کو لکھا، وہ ان کے پاس آئے، پھر بغداد کے دوسرے اکابر بھی وہاں حاضر ہوئے، ابو محمد سے جن لوگوں نے احادیث سنیں وہ سب کے سب ابوالقاسم شیرازی کے احسان مند تھے، کیونکہ وہ علم حدیث میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔[1]

امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بعد کی نسلیں آگے بڑھیں اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ طلبِ حدیث کے لیے سفر کرنا ایک نمائشی کام بن کر رہ گیا، اور ایک ہی مقصد سامنے رہا کہ کسی طرح نیک نامی اور شہرت حاصل ہو جائے، یہاں تک کہ بعد کے ادوار میں کچھ لوگوں نے دُور دراز کے سفر محض ایسے اختیار کیے کہ اس طرح شہرت و ناموری کی خاطر ان کا نام بھی سلسلۂ اسناد میں درج ہو سکے، یہ لوگ ایسی حدیثیں سنایا کرتے تھے، جو عام طور پر لوگوں میں مشہور نہ تھیں، یہ نمائشی سفر ــــ اگر یہ تعبیر صحیح ہے تو ــــ تیسری صدی ہجری ہی میں عام ہو چکے تھے، اور پانچویں صدی ہجری میں اس کے بُرے نتائج بھی سامنے آگئے تھے، بالآخر مخلص علما، اس صورتِ حال کو دیکھ کر تڑپ اُٹھے اور انہوں نے پوری ہمت سے اس صورتِ حال کا مقابلہ کیا۔

روایتِ حدیث میں تساہل سے کام لینے والوں کا مقابلہ

جو محدثین اُن لوگوں کے خلاف سینہ سپر ہوئے، جنہوں نے روایتِ حدیث میں سہل انگاری سے کام لیا تھا، ان میں سے امام ابوبکر احمد المعروف بہ خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) کا نام سرِفہرست ہے، خطیب بغدادی نے اس دَور کی اس غلط

---

[1] معجم البلدان از یاقوت الحموی جلد ۳ صـ ۳۸۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

روش کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی طرف بعض لوگ چل پڑے تھے، اور جو جعلی طور پر اپنے آپ کو راویانِ حدیث ظاہر کرتے تھے، اپنی کتاب "الکفایہ فی علم الروایہ" کے مقدمے میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ:

"ہمارے دور میں ایک گروہ نے احادیث کی جمع و تدوین کا خوب کام کیا ہے مگر وہ راوی، روایاتِ صحیحہ اور ضعیف روایات کی پہچان، استنباطِ احکام اور ان میں بیان کردہ حلال و حرام کے بارے میں متقدمین کی راہ پر نہیں چلتا، بلکہ وہ حدیث کے نام ہی پر قانع ہو گیا ہے، اس کے پیشِ نظر صرف حدیثوں کو اوراق سے منتقل کر دینا ہی کافی ہے، وہ اناڑی ہونے کے باوجود کتبِ احادیث کے حامل بن گئے ہیں، اگرچہ وہ طلبِ حدیث کے لیے طویل سفر اختیار کرتے ہیں، مصائب و آلام سے دوچار ہوتے ہیں، غربت اور بے کسی میں رہتے ہیں، مال و جان کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے، ان کے چہرے زرد ہیں، بدن لاغر اور پیٹ خالی ہیں، سندِ عالی کی جستجو میں دن رات محوِ سفر رہتے ہیں، مگر اس کے سوا ان کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہے۔

تعجب ہے کہ وہ غیر معتبر راویوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں، وہ ان لوگوں سے روایات لیتے ہیں جو صحیح و سقیم میں فرق و امتیاز نہیں کر سکتے، ان لوگوں کا سماع بھی غیر یقینی ہے، اس کے باوجود یہ لوگ ایسے راویوں کی روایات سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں، جو اپنی کتابِ حدیث کو پڑھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ انہیں شرائطِ روایت کا کچھ علم نہیں ہوتا، وہ سماع، اجازہ، مسند، مرسل مقطوع اور متصل کا امتیاز نہیں کر سکتے، یہ لوگ اس درجہ نالائق ہیں کہ اپنے استاد کا نام بھی دوسروں سے پوچھ کر بتاتے ہیں، وہ ایسے شخص سے بھی احادیث لینے میں باک نہیں رکھتے کہ جو فاسق، بدعتی اور فاسد العقیدہ ہیں، وہ ایسی روایتوں کو جائز بلکہ واجب العمل سمجھتے ہیں، جبکہ سماع ثابت ہو اور سندِ عالی موجود ہو۔[1]

---

[1] الکفایہ ص ۴۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نقادانِ حدیث کی فنی مہارت کے سامنے غریب و منکر روایات بیان کرنے والوں کا ظاہری ورع و تقویٰ اور کثرتِ عبادت بھی آڑے نہ آئی، اللہ تعالیٰ نے محدثین کو الہامی فہم و بصیرت سے نوازا تھا جس سے وہ اس قسم کے تمام لوگوں کی روایات قبول نہیں کرتے تھے، حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ بعض اوقات ایسی روایات کے پڑھنے پڑھانے سے منع کر دیتے تھے۔

اس ضمن میں معلّی بن ہلال بہت عابد مشہور تھے، روزانہ ایک سو نفل نماز ادا کرتے تھے، ان کی روایات کو محدثین نے فسق یا قلتِ ضبط کی وجہ سے ناقابلِ اعتبار نہیں ٹھہرایا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ اکثر غریب حدیثیں روایت کرتے تھے[1]

نقادانِ حدیث ان روایات کو پسند کرتے تھے، جو مشاہیر سے مروی تھیں۔ لیکن جب لوگ یہ کہتے کہ فلاں آدمی نے بہترین روایت بیان کی ہے تو وہ اس طرح کے تبصرے کو ناپسند کرتے تھے، اور اس ناپسندیدگی کا سبب یہ تھا کہ اس زمانے میں غریب حدیث کو نہایت پسندیدہ اور بہترین کہہ دینے کا رواج ہو گیا تھا، کیونکہ عام لوگوں میں غریب حدیث کو اپنی ندرت اور جدت کی وجہ سے جلد مقبول ہو جاتی تھی، مگر معروف[2] احادیث کو کم اہمیت دی جاتی تھی، کیونکہ عامۃ الناس کو جو چیز پہلے معلوم نہ ہو تو اسے وہ زیادہ اہمیت دیتے ہیں، مشہور راوی شعبہ بن حجاج سے پوچھا گیا کہ آپ عبدالملک بن ابی سلیمان کی روایات کو کیوں نہیں لیتے، جب کہ وہ بہت اچھی روایات بیان کرتے ہیں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ "ان کی روایات کے حسن و جمال[3] ہی سے بچنے کے لیے میں نے ایسا کیا ہے[4]"

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۲، ص۱۲۷ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ "ان میں صرف یہ عیب تھا کہ غریب احادیث بیان کرتے تھے،

[2] الجامع جلد ۲، ص۱۲۷ [3] الجامع جلد ۲، ص۱۲۷

[4] الجامع جلد ۲، ص۱۲۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

غریب حدیث کے ذکر و بیان سے اجتناب کرنا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ محدثین اس تدلیس سے ڈرتے تھے، جس کا ارتکاب غریب اور منکر روایات بیان کرنے والے دانستہ یا نادانستہ طور پر کرتے تھے، ایسے راوی دوسرے رُواۃِ حدیث کی نسبت زیادہ تدلیس کے مرتکب ہوتے ہیں، جن کے پیشِ نظر حدیث کی صحت سے زیادہ اس کی غرابت کا پہلو ہوتا تھا، اور وہ اتصالِ سند سے بھی زیادہ ندرت کے خواہشمند ہوتے ہیں لہٰذا وہ بڑے بڑے خطرات کی پرواہ نہیں کرتے، ان کا مقصد دوسروں کے سامنے اظہارِ فخر کرنا اور دوسروں پر اپنی قابلیت کا رُعب جمانا ہوتا ہے ـــ نقادانِ حدیث ایسے لوگوں کو قطعاً اہمیت نہیں دیتے اور ان کو مطعون العدالت اور جھوٹا قرار دیتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے:

"جو غریب حدیثوں کی جستجو میں رہتا ہے اسے جھوٹا سمجھا جاتا ہے"[1]

یہ فطری امر ہے کہ جو شخص غریب حدیثوں کی تلاش و جستجو میں تدلیس کا ارتکاب کرتا ہے، محدثین اسے جرح و قدح کا مَوْرِد ٹھہراتے ہیں، مُدلِّس بہت جلد رسوا ہو جاتا ہے اور اس کے عیب سب پر ظاہر ہو جاتے ہیں[2]، پھر جب وہ رسوا ہو کر جھوٹا مشہور ہو جاتا ہے تو اس کی سچی باتوں پر بھی کوئی اعتماد نہیں کرتا، اور نہ کوئی شخص اس کی تعریف کرتا ہے[3]

---

[1] الجامع جلد ۸ ص ۱۴۶

[2] سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ حدیث روایت کرنے میں جو شخص جھوٹ سے کام لیتا ہے وہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ (الکفایہ ص ۱۱۱)

[3] حضرت عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) کا قول ہے۔ "جھوٹ کی سزا یہ ہے کہ اس کی سچی باتوں کو بھی تسلیم نہ کیا جائے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ" فاسق اور بدعتی کے لیے یہ سزا ہے کہ اس کی کبھی تعریف نہ کی جائے،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اور اس کے بعد اس کی کوئی روایت بھی قبول نہیں کی جاتی[1]

کبر و غرور کی بنا پر حدیث نبوی میں تدلیس کے مرتکب لوگ بعض اوقات رسوائے زمانہ ہوتے ہیں۔ ایسے راوی کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص سے حدیث سُنی ہے، حالانکہ اس سے کبھی اس کی ملاقات ثابت نہیں ہوتی، افراد اور مقامات کے نام گھڑ لیے جاتے ہیں، مروی عنہ شخص کے بارے میں ایسے اوصاف بیان کر دیئے جاتے ہیں جو اس میں قطعی طور پر موجود نہیں ہوتے۔

عفیر بن معدان کلاعی کا بیان ہے کہ عمر بن موسیٰ ہمارے ہاں حمص میں آئے ہم سب ایک مسجد میں جمع ہوئے تو اس نے کہا: "تمہارے صالح شیخ نے ہمیں ایک حدیث سُنائی، جب اس نے کئی مرتبہ یوں کہا، تو میں نے پوچھا، ہمارے صالح شیخ سے آپ کی مراد کیا ہے؟ آپ ان کا نام بتایئے، تاکہ ہم انہیں پہچان سکیں۔ اس نے کہا خالد بن معدان، میں نے دریافت کیا، آپ ان سے کب ملے تھے؟ جواب دیا میں ان سے ۱۰۸ھ میں ملا تھا، میں نے کہا اے شیخ! خدا سے ڈر اور جھوٹ بولنے سے اجتناب کر، خالد بن معدان ۱۰۴ھ میں وفات پا گئے تھے، آپ کہتے ہیں کہ ۱۰۸ھ میں آپ نے ان سے ملاقات کی ہے، گویا آپ نے ان کی وفات کے چار برس بعد ان سے ملاقات کی ہے، میں نے مزید کہا کہ خالد بن معدان آرمینیا کی لڑائی میں شریک نہ تھے، ویسے انہوں نے رومیوں کے خلاف جنگ میں حصّہ لیا تھا[2]

اس واقعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مروی عنہ (جس سے روایت کی گئی ہو) اپنے شیخ (استاذ) کی تاریخ وفات سے ناواقف ہوتے ہوئے یقینی

---

[1] الکفایہ ص ۱۱۸

[2] الکفایہ ص ۱۱۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

طور پر کذب و تدلیس کا مرتکب ہوا ہے[1]

---

[1] ہمارے نزدیک یہ کذب اور جہالت اتنی عجیب نہیں ہے کیونکہ عمر بن موسیٰ ایک مجہول الحال راوی ہے جس کے بارے میں ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں، مگر اس سے زیادہ عجیب بات ہے کہ عبدالکریم سمعانی (متوفی ۵۶۳ھ) صاحب کتاب الانساب، جیسا آدمی بھی جب بقول ابوالفرج ابن الجوزی صریح جھوٹ اور بدترین تدلیس کا مرتکب ہوتا ہے "ایک روز عبدالکریم سمعانی بغداد میں اپنے ایک شیخ کا ہاتھ پکڑ کر اسے نہر عیسیٰ کے پار لے گئے، پھر ان سے یہ کہہ کر روایتِ حدیث کرنے لگے کہ میں نے ماوراء النہر (نہر کے پار) فلاں شیخ سے فلاں حدیث سُنی ہے، گویا اس طرح وہ اپنے سامعین پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میں نے ماوراء النہر نامی علاقے میں فلاں حدیث سُنی، جب کہ حقیقت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شیخ نہر کے اس پار کھڑا ہے اس سے میں نے فلاں حدیث سُنی ہے

مشہور مستشرق گولڈزیہر نے جب یہ واقعہ الکامل لابن الاثیر جلد ۱۱ ص ۱۲۵ میں پڑھا تو دوسرے مستشرقین کی طرح اس پر حاشیہ آرائی کر کے اسے بیان کر دیا، جس کا مقصد تمام احادیث کو مشکوک ٹھہرانا تھا، مگر پھر جلد ہی اس نے رجوع کر لیا، کیونکہ جہاں ابن الاثیر نے یہ واقعہ درج کیا ہے وہیں ابن الجوزی کی تردید بھی کر دی ہے کہ سمعانی کا مقام اس سے بہت بلند ہے۔ کہ وہ جھوٹ کا ارتکاب کرے۔

دراصل سمعانی ماوراء النہر کے علاقے میں علم حاصل کرنے کے لیے گئے تھے، اور وہاں ان کے اساتذہ اور شیوخ موجود تھے،

ابن الجوزی نے سمعانی پر یہ الزام اس لیے لگایا ہے کہ ان سے ان کا مسلک مختلف تھا، سمعانی شافعی تھے، اور ابن الجوزی حنبلی، اور یہ بات مشہور ہے کہ ابن الجوزی عام طور پر کثیر احادیث کو موضوع قرار دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن الجوزی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی موضوعات بھی ناقابلِ اعتبار ہوتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

یہی وجہ ہے کہ محدثین نے راویوں کی پہچان، ان کی تاریخ و طبقات سے واقفیت اور ان کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات سے آگاہی کو ضروری قرار دیا ہے، اس بارے میں سفیان ثوریؒ (متوفی ۱۶۱ھ) نے اس کا سبب اس طرح بیان فرمایا ہے:

"جب راویانِ حدیث نے دروغ گوئی سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے بھی علمِ تاریخ سے کام لینا شروع کر دیا"[1]

محدثین نے جھوٹے راویوں کو رسوا اور بدنام کرنے اور ان کی وضع و تدلیس کو بے نقاب کرنے کے لیے علاقوں اور مقامات کا تعین بھی کر دیا، جب محدثین کسی اسناد میں ایسے راویانِ حدیث کا ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے طلبِ حدیث میں کئی سفر اختیار کیے تھے تو ان کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ بھی کر دیتے ہیں کہ فلاں حدیث انہوں نے فلاں شہر میں بیان کی تھی[2]

حاصلِ کلام یہ ہے کہ طلبِ حدیث میں سفر و سیاحت کے ذریعے معاشی مفاد اور شہرت و ناموری کا حصول بھی بعض لوگوں کے پیشِ نظر رہا، مگر اس حقیقت سے پھر بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے صاحبِ تقویٰ لوگوں کی کمی نہ تھی جو محض رضائے الٰہی کے لیے احادیث روایت کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے دنیا میں علمِ حدیث کو ہر جگہ پھیلا دیا تھا۔

---

[1] اس کی مثال یہ ہے، محمد بن احمد عیاضی اور حسن بن حفص نہروانی نے یہ حدیث سمرقند میں بیان کی تھی (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۶۴) ابو الفضل عمر بن ابی سعد ہروی نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالعزیز بن جعفر حریری نے بغداد میں ہمیں یہ حدیث سنائی تھی، (الکفایہ ص ۱۲۳) ابو العباس محمد بن احمد محبوبی نے مرو میں ہمیں فلاں حدیث سنائی، (الجامع جلد ۲ ص ۱۵۷) امام بخاریؒ نے بغداد میں کئی محدثین سے سنا، جن میں امام احمد بن حنبلؒ بھی شامل تھے، (شذرات الذہب جلد ۲ ص ۵۷، ۶۰) امام بخاریؒ نے مکہ میں حمیدی سے یہ سنا تھا، طبقات الشافعیہ ص ۵) یہی سبب ہے کہ محدثین راوی سے اس مقام کا نام بھی دریافت کر لیتے تھے، جہاں اس نے کوئی حدیث سنی ہوتی تھی، (الجامع جلد ۱ ص ۱۷)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

یہ لوگ ہر دور میں بڑی تعداد میں تھے اور گم نام نہ تھے، انہیں نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں ہے، تاریخ ان کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتی، قبولِ روایت میں محدثین کی ژرف نگاہی اور دقتِ نظر کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ انہوں نے کسی ایسے شخص سے کوئی روایت قبول نہیں کی جو حدیثِ رسول کے علاوہ عام معاملات میں دروغ گوئی کا مرتکب تھا۔[۱] محدثین کسی بے وقوف آدمی کی روایت نہیں لیتے تھے[۲] اس کے علاوہ اگر کوئی شخص لغو اور نازیبا گفتگو کرتا تو محدثین اس کی روایت کو بھی مردود قرار دیتے تھے۔

امام بخاریؒ نے نضر بن مطرف کی روایت اس لیے قبول نہیں کی کہ یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸ھ) اس سے روایت نہیں لیتے تھے، یحییٰ نے نضر کی روایت کو قبول نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ:

چونکہ نضر کی ماں بدکار ہے اس لیے میں اس سے روایت نہیں لیتا۔[۳]

اس طرح ایک قول شعبہ بن حجاج (متوفی ۱۶۰ھ) کا بھی ملتا ہے وہ کہتے ہیں:

جو شخص بھی مکہ سے آتا میں اس سے ابوالزبیر کی خیریت معلوم کرتا تھا، ایک مرتبہ میں مکہ گیا اور ابوالزبیر سے براہِ راست حدیثیں سُنیں، میں اس کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں ایک شخص نے آکر ان سے کوئی بات دریافت کی تو اس نے جھوٹ بولا، میں نے کہا آپ ایک مسلمان پر جھوٹ باندھتے ہیں، ابوالزبیر نے کہا، اس نے مجھے ناراض کیا ہوا تھا، میں نے کہا، اس نے آپ کو ناراض کیا تھا اور آپ اس پر جھوٹ باندھنے لگ گئے، پھر میں نے قسم کھالی کہ کبھی ابوالزبیر سے کوئی حدیث روایت نہیں کروں گا، شعبہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ابوالزبیر سے چار سو حدیثوں کا سماع کیا تھا، خدا کی قسم اب میں ان میں سے ایک بھی بیان نہیں کروں گا۔[۴]

---

۱ الکفایہ ص ۱۱۷ ۲ الکفایہ ص ۱۱۵

۳ الکفایہ ص ۱۱۵ ۴ الکفایہ ص ۱۱۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک کسی شخص پر افترا پردازی کرنے کے بعد ایک آدمی خود ہی خارج العدالت ہو جاتا ہے، خواہ ایسا کرنا دوسرے شخص سے ناراضی ہی کے سبب کیوں نہ ہو، اس کا سبب یہ ہے کہ راویانِ حدیث اعلیٰ اخلاق کے حامل ہوتے تھے، اور دوسرے علماء و محدثین کی طرح ہر جگہ اخلاقی اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ و مقام رکھتے تھے[1]

---

[1] خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) کی "الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع" غالباً وہ بہترین کتاب ہے جس میں محدثین کے طریق تعلیم و تربیت پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب قلمی مخطوطے کی صورت میں مکتبہ البلدیہ اسکندریہ میں حوالہ نمبر ۳۷۱۱ چھوٹے چھوٹے دس اجزاء پر مشتمل ہے ــــ میرے دوست ڈاکٹر یوسف العش نے ہمیں اس مخطوطے کا ایک عکسی نسخہ کمال مہربانی سے مستعار دیا ہے، ہم ان کے بہت شکر گزار ہیں

ہماری اس کتاب کا قاری اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ ہم نے مذکورہ مخطوطے سے بہت اخذ و استفادہ کیا ہے اور یہ قیمتی مخطوطہ اب مرتب کر دیا گیا ہے اور انشاء اللہ جلد ہی اشاعت پذیر ہو جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل ۳

مدارسِ حدیث — اور — القابِ محدثین

چھٹی صدی ہجری میں حیاتِ اسلامی کے اندر ایک ایسا تغیر آیا جس نے طلبِ حدیث کے لیے سفر و سیاحت کے عنصر کو بہت حد تک کمزور کر دیا، ابھی تک اسلامی معاشرے میں تدریس حدیث کی باقاعدہ درس گاہ کا آغاز نہیں ہوا تھا طلبائے حدیث مجبور تھے کہ طلبِ حدیث کے لیے سفر اختیار کریں، فقہی مسائل کے درس و تدریس کے لیے جا بجا مدارس موجود تھے، جس کا بڑا مقصد حکومتِ اسلامی کے لیے مفتی اور قاضی مہیا کرنا ہوتا تھا۔

سب سے پہلا باقاعدہ مدرسۂ حدیث چھٹی صدی ہجری میں نورالدین محمود بن ابی سعید زنگی (متوفی ۵۶۹ھ) کے حکم سے قائم کیا گیا، نورالدین زنگی کو دمشق میں مدرسۂ نوریہ قائم کرنے پر بہت شہرت ملی تھی، — "خطط الشام"، یعنی تاریخ دمشق کے مصنف ابن عساکر اس مدرسے کے اوّلین اساتذہ میں سے تھے[1]

اس کے کئی سال بعد قاہرہ میں سلطان الکامل ابوبی ناصرالدین کے حکم سے ایک مدرسۂ حدیث ۶۲۲ھ میں مکمل ہوا، اس کے اوّلین استاذ ابوالخطاب بن دحیہ مقرر ہوئے تھے[2]

---

[1] دیکھئے وسٹن فیلڈ (WUSTEN FIELD) کی کتاب ص۶۹، عرب کے مدارس اور اساتذہ کے حالات کے بارے میں یہ عجیب و غریب کتاب ہے، ابن عساکر کا پورا نام ابوالقاسم علی بن الحسن دمشقی شافعی ہے یہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث تھے، ۵۷۱ھ میں وفات پائی،

[2] آپ کا نام حافظ عمر بن حسن ہے، یہ ابن دحیہ اندلسی بلنسی کے نام سے مشہور ہیں، بلنسیہ مشرقی اندلس کے ایک شہر کا نام ہے، آپ کی وفات ۶۳۳ھ میں قاہرہ میں ہوئی، انہوں نے ایک کتاب "التنویر فی مولد السراج المنیر" لکھی تھی، خطط المقریزی جلد ۲ ص۳۷۵ پر لکھا ہے کہ مدرسۂ کاملیہ میں ابن دحیہ کا جانشین ایک ایسا نوجوان بنا تھا جو صرف شکل و صورت کے لحاظ سے انسان تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مدرسۂ کاملیہ کی تاسیس کے چار برس بعد ۶۲۱ھ میں دمشق میں مدرسۂ اشرفیہ کی تعمیر ہوئی، اس سے پہلے استاذ ابو عمرو بن الصلاحؒ[1] تھے۔ امام نوویؒ[2] نے بھی اس مدرسے میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

ان مدارس کے علاوہ دمشق میں بعض اور دارالحدیث بھی وجود میں آئے مگر وہ زیادہ مشہور و معروف نہ ہوئے اور وہ زیادہ عرصہ تک باقی نہ رہے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا، کہ فقہ و مسائل کے مدارس کی طرح مدارسِ حدیث عہدوں، مناصب اور خلفاء کے تقرب کا ذریعہ نہ تھے، پھر حدیث کے طلبہ جن کی تشنگی کی سیرابی یہاں نہیں ہوتی تھی، وہ طلبِ حدیث کے لیے دشت نوردی اور کوچہ گردی کو ترجیح دیتے تھے۔

القابِ محدثین

جس طرح طلبِ حدیث سفر اختیار کرنے والوں کو علماء نے مختلف القابات دیتے ہیں، اسی طرح انہوں نے اپنے شہر یا قریبی علاقے میں علمِ حدیث کی تعلیم پانے والوں کو بھی چند رسمی القابات دیتے ہیں ہے تاکہ ہر ایک کا تعارف اس کے مرتبہ و طبقہ اور طریق تحصیل و تدریس کے لحاظ سے متعین ہو جائے،

اس سلسلے میں زیادہ مشہور تین القاب ہیں، جن میں محدثین نے فرق و امتیاز کیا ہے۔

مُسْنِد ، مُحَدِّث اور حَافِظ

اور ان کی تفصیل یہ ہے:۔

---

[1] حافظ ابو عمرو تقی الدین عثمان بن عبدالرحمٰن الکردی شہرزوری، ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہیں، آپ نے ۶۴۳ھ میں وفات پائی۔

[2] پورا نام حافظ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی ہے، علمِ حدیث کے مختلف پہلوؤں پر کئی کتابیں لکھی ہیں، آپ کی شرح "مسلم شریف" بہت مشہور ہے۔ ۶۷۶ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۱۔ **مُسنِد**: وہ شخص ہے جو اپنی سند سے روایت کرے خواہ اسے اس حدیث کے بارے میں پورا علم حاصل ہو یا نہ ہو، بلکہ وہ صرف روایت ہی کرتا ہو۔[1]

۲۔ **مُحدِّث**: مُسنِد سے بلند مرتبہ مُحدِّث کا ہے، محدّث وہ ہے جو اسانید، عِلَل اسماء الرجال اور سندِ عالی اور سندِ نازل سے واقف ہو، اسے بکثرت حدیثیں زبانی یاد ہوں، وہ صحاح ستہ، مُسند احمد بن حنبلؒ، سنن بیہقی اور معجم طبرانی کا سماع کر چکا ہو، اور تمام اجزائے حدیث میں سے ایک ہزار جزء پر اس کا علم حاوی ہو چکا ہو۔[2]

۳۔ **حافظ**: کا درجہ مُسند اور محدّث دونوں سے بلند ہے، اس میں درج ذیل اوصاف پائے جاتے ہیں۔

(۱) وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے متن و سند کا بخوبی علم رکھتا ہے۔

(۲) جن احادیث کی صحت پر اتفاق ہے وہ اُسے زبانی یاد ہوتی ہیں، اس کے لیے جن احادیث کی صحت میں اختلاف ہے، ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

(۳) اسے محدّثین کے درج ذیل اقوال کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے کہ:
فُلَانٌ حُجَّةٌ، فُلَانٌ ثِقَةٌ، فُلَانٌ مَقْبُولٌ، فُلَانٌ وَسَطٌ، وَلَا بَأْسَ بِهٖ، صَدُوقٌ، صَالِحٌ، شَيْخٌ، لَيِّنٌ، ضَعِيفٌ، مَتْرُوكٌ، ذَاهِبُ الْحَدِيثِ۔

(۴) وہ مختلف الفاظ، جن سے روایت کی جاتی ہے، کے فرق سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ جیسے عَنْ فُلَانٍ یا اَنَّ فُلَانًا وغیرہ

(۵) وہ قولِ صحابی اور قولِ تابعی کے فرق کو جانتا ہے۔

(۶) وہ یہ جانتا ہو کہ قَالَ فُلَانٌ اور عَنْ فُلَانٍ میں کیا فرق ہوتا ہے۔

(۷) اسے یہ بھی معلوم ہے کہ مُدلِّس راویوں میں سے کون کون اشخاص غیر یقینی سماع کے

---

[1] تدریب الراوی ص۴

[2] تدریب الراوی ص۶، قواعد التحدیث للقاسمی ص۵۳، ہم آگے چل کر محدّثین کے مدارج کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

محکم دلائل سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

باوجود بھی قابلِ قبول ہیں،

(۸) جو لفظ صحیح حدیث میں وہم پر مبنی ہو اسے بھی جانتا ہو۔

(۹) وہ مُدرَج سے بے خبر نہیں ہوتا، یعنی حدیث میں ایسا لفظ داخل ہو جو حدیث کے الفاظ میں شامل نہ ہو، وہ اسے بھی جانتا ہو۔

(۱۰) اس نے خوب محنت کر کے راویانِ حدیث سے مکمل آگاہی حاصل کر لی ہو، اور علم حدیث کا ماہر وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اس علم کے لیے وقف کر رکھا ہو اور وہ دوسرے علوم کی جانب متوجہ نہ رہے۔[۱]

(۱۱) وہ علماء کے اقوال سے خوب استفادہ کرنے والا ہوتا ہے، وہ اسماء الرجال کے فن میں اس قدر ماہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے شیوخ اور پھر ان کے طبقاتِ شیوخ سے خوب آشنا ہوتا ہے، وہ ہر طبقے کے اقوال سے واقف ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کم بے خبر ہوتا ہے۔[۲]

(۱۲) اکثر نقادانِ حدیث کی رائے میں حدیث کے حفاظ ہر دور میں بہت کم تعداد میں موجود ہوتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات بالکل موجود نہیں ہوتے[۳] کیونکہ حفاظ میں خاص اہلیت اور صفات ہونا ضروری ہیں، جو عام طور پر لوگوں میں بہت کم ہوتی ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حافظ کا لفظ بغیر کسی اضافت کے عمومی طور پر بولا جاتا ہے تو اس سے "حافظِ حدیث" مراد ہوتا ہے، کوئی قرآن کا قاری یہ نہیں کہہ سکتا کہ "مجھے فلاں حافظ نے قرآن کی تعلیم دی ہے"۔ بلکہ وہ یوں کہے گا کہ:

"مجھے حافظِ قرآن نے پڑھایا ہے"۔ اسی طرح علمِ نحو کا ماہر یہ نہیں کہہ سکتا کہ:

"مجھے فلاں حافظ نے تعلیم دی ہے"۔ بلکہ وہ اضافت کے ساتھ "حافظِ نحو" کہے گا۔[۴]

[۱] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۸ ص۱۵۱

[۲] التدریب ص۷، قواعد التحدیث ص۵۳

[۳] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۸ ص۱۵۹

[۴] الجامع جلد ۸ ص۱۵۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

چنانچہ حفاظِ حدیث کے بارے میں لوگوں نے اکثر مبالغہ آرائی سے بھی کام لیا ہے جب امام احمد بن حنبلؒ نے وفات پائی اور آپ کی کتابوں کو شمار کیا گیا تو وہ بارہ اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں، کسی کتاب میں اس کی سند کہیں مذکور نہ تھی اور یہ تمام اسانید آپ کو زبانی یاد تھیں[1]

امام یحییٰ بن معینؒ[2] کہتے ہیں:

"میں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ احادیث لکھیں[3]"

اور اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کیونکہ محدث یحییٰ بن معین نے اپنے پیچھے ایک سو چودہ الماریاں ترکے میں چھوڑی تھیں، جو کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔

محدث ابن عقدہ[4] کا معاملہ بھی عجیب ہے، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہیں چار لاکھ احادیث یاد تھیں، جو انہوں نے اپنے چار شاگردوں کو سنائی تھیں، جو چاروں کے چاروں حقیقی بھائی تھے، یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو اس کے علاوہ بھی حدیثیں یاد ہوں۔

ان بھائیوں میں سے ایک عبداللہ القعدسی کا قول ہے کہ:

"میں کئی سال تک اپنے بھائیوں کے ساتھ کوفے میں مقیم رہا تھا، ابن عقدہ سے ہم حدیثیں لکھا کرتے تھے، جب ہم رخصت ہونے لگے تو ابن عقدہ نے کہا: جتنی حدیثیں تم نے مجھ سے سنی ہیں کیا وہ کافی ہیں؟ میں نے تو جس شیخ سے کم از کم

---

[1] الجامع جلد ۸ ص ۱۵۱

[2] آپ بہت بڑے حافظِ حدیث اور جرح و تعدیل کے امام ہو گزرے ہیں آپ کا پورا نام ابوزکریا یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بغدادی تھا ۲۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

[3] الجامع جلد ۸ ص ۱۵۱، التدریب ص ۵ پر لکھا ہے کہ آپ نے دس لاکھ حدیثیں تحریر کیں۔

[4] آپ کا نام احمد بن محمد بن سعید کوفی ہے اور کنیت ابوالعباس، ابن عقدہ کے نام سے مشہور ہیں، آپ نے ۳۳۲ھ میں وفات پائی (الرسالۃ المستطرفہ ص ۸۴)

محکم دلائل سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حدیثیں سُنی تھیں، ان کی تعداد ایک لاکھ تھی، اس پر میں نے عرض کیا: اے محترم استاد! ہم چار بھائی ہیں اور ہر بھائی نے آپ سے ایک ایک لاکھ حدیثیں سُن کر لکھ لی ہیں۔[۱]

جب احادیث کی بہت بڑی تعداد کسی حافظ حدیث کی جانب منسوب کی جاتی ہے، کہ یہ تمام حدیثیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھیں یا اپنے شاگردوں کو لکھوائیں تو وہ ساری حدیثیں ان کو یاد ہوتی ہیں۔

محدث ابو زرعہ[۲] کہتے ہیں:

"میرے گھر میں جو تحریر سفید کاغذ پر لکھی ہوئی ہے، وہ مجھے پوری یاد ہے۔"[۳]

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے آج تک جو کچھ لکھا ہے اور جو حدیث بھی کسی سے سُنی ہے وہ مجھے زبانی یاد ہے۔"[۴]

بعض حفاظِ حدیث کی کیفیت یہ تھی کہ حفظِ حدیث کے لیے تحریر سے بھی مدد لیتے تھے، جب احادیث کو خوب یاد کر لیتے تو پھر اس تحریر کو مٹا دیتے تھے، یا قینچی سے کاٹ لیتے، تاکہ وہ صرف اپنی تحریر ہی پر قانع نہ رہیں۔

---

[۱] الجامع جلد ۸ صـ ۱۵۲

[۲] آپ کا نام عبداللہ بن عبدالکریم بن یزید القرشی ہے، بڑے ثقہ حافظ حدیث تھے ۲۶۴ھ میں وفات پائی (الرسالۃ المستطرفہ) امام احمدؒ فرمایا کرتے "صحیح احادیث کی تعداد سات لاکھ سے کچھ زیادہ ہے، اور اس نوجوان (ابوزرعہ) کو سات لاکھ احادیث زبانی یاد ہیں۔" (التدریب صـ ۸)

[۳] الجامع جلد ۸ صـ ۱۵۲

[۴] تدریب الراوی صـ ۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سفیان ثوری رح[۱]، عاصم بن ضمرہ[۲] اور خالد الحذاء[۳] اسی قسم کے راویانِ حدیث تھے۔

اس زمانے میں یہ بات زبان زدِ عام تھی کہ:

"بُرا ہے وہ علم جو قرطاس ہی میں محفوظ ہو۔"[۴]

"حافظ" اس شخص کو سمجھا جاتا تھا، جو احادیث کی ایک خاص تعداد زبانی یاد کر لیتا تھا۔

محدّث حاکم[۵] نے اپنی کتاب المدخل میں لکھا ہے:

"حافظ کو پانچ لاکھ احادیث زبانی یاد ہوتی تھیں۔"[۶]

بعض علماء کے نزدیک حافظ وہ ہے جسے کم سے کم بیس ہزار احادیث حفظ ہوں۔

فتح الدین بن سید الناس[۷] کہتے ہیں:

حافظ ہونا ایک اضافی امر ہے، ہر زمانے کی اصطلاحات جداگانہ نوعیت رکھتی ہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

بعض متقدمین کے بارے میں جو یہ منقول ہے کہ جسے بیس احادیث ازبر نہ ہوں ہم اسے حافظ نہیں کہتے، یہ ان کے اپنے دور کی خاص اصطلاح ہے۔[۸]

---

[۱] سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۲۵

[۲] المحدث الفاصل للرامہرمزی ۴۵۰۔ عاصم کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی۔

[۳] تقیید العلم ص ۵۹، پورا نام خالد بن مہران ہے ۱۴۱ھ میں وفات پائی، جو لوگ لکھنے کے بعد دفنانے کے عادی تھے ان میں ابن شہاب بھی تھے (جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۶۶، ابن سیرین کا معاملہ بھی یہی تھا، المحدث الفاصل ص ۴۱۴)

[۴] جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۶۹ [۵] پورا نام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن حمدویہ ہے، ان کو حاکم نیشاپوری کہتے ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں المستدرک اور المدخل، خاص طور پر مشہور ہیں، ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے، [۶] تدریب الراوی ص ۸،

[۷] آپ کی کنیت ابو الفتح ہے، پورا نام محمد بن محمد بن محمد بن احمد ہے، ابن سید الناس کے نام سے مشہور ہیں یہ اندلسی تھے، پھر مصری شافعی ہو گئے، بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ ۷۳۴ھ میں فوت ہوئے، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مشہور تصنیف ہے۔

[۸] تدریب الراوی ص ۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ بعض علماء کی رائے میں حافظ کو کئی لاکھ احادیث یاد ہوتی تھیں، اور بعض علماء نے اس کے لیے ہزاروں کی تعداد تک محدود کر دیا ہے، ان بیانات میں بظاہر ہمیں تضاد نظر آتا ہے، مگر اس کا سبب یہ ہے کہ جب لاکھوں احادیث کا نام لیا جاتا ہے تو اس میں مرفوع حدیثوں کے ساتھ ساتھ موقوف (اقوالِ صحابہؓ) اور مقطوع (اقوالِ تابعین) احادیث بھی شامل ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ابو زُرعہ کو سات لاکھ احادیث یاد تھیں، اس پر امام بیہقیؒ نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ان سات لاکھ حدیثوں میں صحابہ و تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں"[۱]

بعض اوقات اس تعداد میں غیر صحیح حدیثوں کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث حفظ ہیں[۲]

اور جب اس تعداد کو محدثین ہزاروں تک محدود کرتے ہیں تو صرف احادیثِ صحیحہ مرفوعہ مراد ہوتی ہیں۔

متقی محدثین اس سے خوش نہیں ہوتے کہ لوگ ان کی تعریف و توصیف اور مدح سرائی کریں، وہ اس وقت حدیث بیان کیا کرتے تھے، جب طالبانِ حدیث ان سے اس کا تقاضا کرتے تھے[۳] بعض محدثین نے لاکھوں حدیثیں لکھی تھیں یا یاد کی تھیں، مگر وہ بہت کم احادیث روایت کیا کرتے تھے، وہ کثرتِ روایات سے زیادہ احادیث میں غور و فکر کرنے اور اسے سمجھنے پر زور دیتے تھے[۴]

---

[۱] تدریب الراوی ص ۸

[۲] تدریب الراوی ص ۸

[۳] الجامع جلد ۸ ص ۱۵۱

[۴] الکفایہ ص ۱۷۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حافظے کی مدد سے حدیث کو باللفظ روایت کرنا

ہماری نظر میں حفاظِ حدیث کا احترام اس وقت بڑھ جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ابتدائی دور میں محدثین، روایت بالمعنیٰ کی بالکل اجازت نہ دیتے تھے، اس سلسلے میں ان کے انتہا پسندانہ رجحان اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ واؤ اور فا کی تبدیلی کے روادار بھی نہ تھے، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ راوی اپنے شیخ سے حدیث کے جو الفاظ سُنے وہ بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے بلا کم و کاست دوسروں تک روایت کرے اس بارے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا کرتے تھے کہ:

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ حَدِيْثًا فَاَدّٰى كَمَا سَمِعَهٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ[1] (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ اس آدمی کو شاد اور خوش رکھے جو جب کوئی حدیث سُنے تو اسے اسی طرح آگے پہنچا دے، جس طرح اس نے سُنی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کو حدیث پہنچائی جاتی ہے ان میں سے بعض ایسے ہیں جو براہِ راست سننے والوں سے بڑھ کر اس حدیث کو یاد اور محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں"۔

نیز وہ یہ استدلال بھی کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ تعلیم دی تھی، کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل الفاظ یاد رکھا کریں، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازبؓ کو ایک دُعا سکھائی کہ رات کو سوتے وقت پڑھ لیا کریں، انہوں نے جب آپ کے سامنے اس دُعا کے الفاظ دُہرائے تو "وَبِنَبِيِّكَ" کی بجائے "وَرَسُوْلِكَ" پڑھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

---

[1] الکفایہ ص ۱۷۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کے سینے پہ ہاتھ مار کر فرمایا : "وَنَبِیِّکَ" پڑھو[1]

اکثر صحابہ کرام روایت باللفظ کے سخت پابند تھے، اور اسی کو ترجیح دیتے تھے،

کسی صحابیؓ سے کہا گیا کہ آپ فلاں صحابیؓ کی طرح کثرتِ روایت سے کیوں کام نہیں لیتے؟

انہوں نے کہا :

دوسرے صحابہؓ کی طرح مجھے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہونے کی سعادت ملی ہے، لیکن ابھی حدیثیں روایت کرنے والے بہت ہیں، اس ضمن میں میری حاجت نہیں ہے، میں کسی حدیث میں کمی بیشی کو ناپسند کرتا ہوں[2]

صحابہ کرام جب کسی راوی کو حدیث کے الفاظ میں کوئی تقدیم و تاخیر یا تغیر دیکھتے، تو فوری طور پہ ٹوک دیتے اور اصلاح فرما دیتے،

ایک بار جب عبید بن عمیر نے وعظ کے دوران میں یوں کہا کہ :

"مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ السَّائِمَةِ"۔

تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ نہ باندھیے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے براء سوتے وقت تم کیا دعا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا جب پاک صاف ہو کر تم بستر پر لیٹنا چاہو تو داہنی کروٹ پر لیٹ کر یوں پڑھو :

(اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ لَا مَنْجَا وَلَا مُلْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ) براء کہتے ہیں کہ میں نے تمام الفاظ صحیح دہرائے مگر نَبِیِّکَ کی بجائے رَسُوْلِکَ کہہ دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پہ ہاتھ مارا اور فرمایا نَبِیِّکَ کہو (الکفایہ ص۱۷۵) [2] الکفایہ ص۱۷۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نے " اَلشَّاۃِ الْعَائِرَۃِ " فرمایا تھا۔[۱]

حضرت ابن عمر رضی اللہ نے ایک آدمی کو " ارکانِ خمسہ " والی حدیث بیان کرتے سُنا اور دیکھا کہ اس نے ان میں تقدیم و تاخیر کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد الفاظ کی خلاف ورزی کی ہے، تو فرمایا :

ماہِ رمضان کے روزوں کا ذکر آخر میں کریں، کیونکہ میں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے اسی طرح سُنا ہے۔[۲]

تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اکثر راویانِ حدیث روایت باللفظ کی پابندی کرتے تھے، بعض محدثین روایت بالمعنیٰ کو بھی جائز قرار دیتے تھے، چنانچہ ابن عون لکھتے ہیں کہ :

میں نے دیکھا ہے کہ راویانِ حدیث میں سے تین حضرات روایت باللفظ کی تاکید کرتے تھے، اور تین حضرات روایت بالمعنیٰ کی اجازت دیتے تھے، روایت بالمعنیٰ کی اجازت دینے والوں میں حسن، شعبی اور نخعی شامل ہیں، اور روایت باللفظ کے حامی قاسم بن محمد، رجاء بن حیوہ اور محمد بن سیرین تھے۔[۳]

روایت باللفظ پر زور دینے والے رُواۃِ حدیث کی توصیف میں مشہور محدث اعمش نے کہا ہے کہ :

بعض لوگوں کے ہاں علم کا احترام اس درجہ تھا کہ ان کے نزدیک آسمان سے گر پڑنا اس سے سہل تر تھا، کہ وہ کسی علمی بات (حدیثِ نبوی) میں ذرا سی تبدیلی، مثلاً واؤ، الف یا دال کا اضافہ کریں، اور آج یہ حال ہے کہ مچھلی

---

[۱] الکفایہ ص ۱۷۳

[۲] الکفایہ ص ۱۷۹، ابن عمرؓ سے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب مراد ہیں، جن کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی تھی،

[۳] الجامع لاخلاق الراوی ۵ / ۱۰۱ ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کے موٹے یا کمزور ہونے پر قسمیں کھائی جاتی ہیں۔[۱]

ان تصریحات کی روشنی میں دیکھا جائے تو پھر محدثین کی اس بات میں کوئی تعجب نہیں رہتا، جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یُتَعَبَّدُ کہا جائے، اور یُتَبَعَّدُ[۲] نہ کہا جائے، (حالانکہ ان میں کوئی معنوی فرق نہیں آتا) کبھی صحابہ کرام صریح الفاظ میں اس امر پر شک ظاہر کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اَسلم وغِفار کے الفاظ فرمائے تھے یا غِفارہ وَاَسلم[۳] فرمایا تھا، — اسی طرح کیا حضورؐ نے نَمْلی خَیْرٌ فرمایا تھا یا نَمْلی خَیِّرٌ[۴]؟ تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ یہ معاملہ اس سے بھی زیادہ احتیاط اور توجہ چاہتا تھا۔

بعض محدثین لحن (اعراب میں غلطی کرنا) کی تبدیلی کی اجازت نہیں دیتے تھے، وہ راوی کے کلام کو، خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی اسی طرح سے باقی رہنے دیتے تھے، ان کے نزدیک اگر راوی نے حوت، لغیت یا عوثاء کہا ہے تو اس کی بجائے حیتٌ[۵]، لغوت[۶] یا عثاء[۷] نہ کہا جائے،

ابن سیرین کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کے لحن میں روایت کرتے تھے[۸]

---

۱ الکفایہ ص۱۷۸، اعمش کا نام سلیمان بن مہران (متوفی ۱۴۸ھ) ہے

۲ الکفایہ ص۱۷۸

۳ الکفایہ ص۱۷۹، اسلم اور غِفار، دو قبیلوں کا نام ہے۔

۴ الکفایہ ص۱۸۰

۵ الکفایہ ص۱۸۲

۶ الکفایہ ص۱۸۳

۷ الکفایہ ص۱۸۰

۸ الکفایہ ص۱۸۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

امام ابو عبید نے راوی کے لحن کو برقرار رکھنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ :

"محدثین اور اہل لغت کا اپنا اپنا لہجہ اور انداز ہوتا ہے، اگرچہ اہل لغت کا لہجہ زیادہ قرین قیاس ہوتا ہے لیکن سماع کی وجہ سے ہم حدیث کا لہجہ ہی اختیار کرنے پر مجبور ہیں"[1]

محدثین نے اس سلسلے میں لحن (اعراب میں غلطی کرنا) کی دو قسمیں بیان کی ہیں :
ایک وہ لحن، جس سے معنی و مفہوم میں تغیر واقع ہو جاتا ہے، دوسرے وہ لحن، جس سے معنی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ــــ علماء کے نزدیک جس لحن سے مفہوم بدل جاتا ہے اُسے درست کرنا چاہیے[2] اور اگر راوی نے کوئی لفظ غلط طور پر ادا کیا ہے تو اس کی تصحیح میں کوئی مضائقہ نہیں ہے[3]

جس گروہِ علماء نے روایت بالمعنیٰ کی اجازت دی ہے انہوں نے بھی اس کے لیے یہ شرائط لگائی ہیں :۔

(۱) راوی کو صرف و نحو اور علمِ لغت کا ماہر ہونا چاہیئے۔

(۲) وہ الفاظ کے معانی و مقاصد اور ان کے درمیان فرق و امتیاز سے بخوبی واقف ہو۔

(۳) وہ اعراب کی غلطی کا ارتکاب کیے بغیر حدیث کے الفاظ ادا کر سکتا ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے، یہ صریح جھوٹ ہوگا کہ کوئی راوی خود غلطی کرے اور اس کو آپؐ کی جانب منسوب کر دے۔ کیونکہ یہ امر مسلّم ہے کہ حضورؐ سے لسانی اور لغوی غلطی ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ اصمعیؒ کہتے ہیں کہ :

---

[1] الکفایہ ص۱۸۸، ابو عبید قاسم بن سلّام حدیث اور لغت کے امام تھے، ۲۲۳ھ میں وفات پائی،

[2] الکفایہ ص۱۸۸

[3] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۲ ص۱۰۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جب ایک ایسا شخص جو عربی زبان سے ناواقف ہو وہ روایت بالمعنیٰ کرنے لگے تو اندیشہ ہے کہ وہ حضورؐ کے اس ارشاد کا مصداق بن جائے کہ :

"جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعراب میں غلطی نہیں کرتے تھے، جب تم نے روایت حدیث میں غلطی کی تو گویا حضورؐ پر جھوٹ باندھا۔[1]

علوم عربیہ کی کئی شاخیں ہیں، اور ان میں کامل مہارت حاصل کرنا بہت دشوار کام ہے، اس کے علاوہ عربی زبان کے قریب المعنیٰ اور مترادفات کے معانی میں جو فرق ہے اس کا احاطہ کرنا انتہائی مشکل ہے، لہٰذا بعض محدثین، صحابۂ کرامؓ کے علاوہ کسی اور کو روایت بالمعنیٰ کی اجازت نہیں دیتے، صحابہ کرام کی خصوصیت اس لیے ہے کہ وہ عربی النسل تھے، اور عربی زبان ان کی مادری زبان تھی،

اس ضمن میں قاضی ابوبکر ابن العربی[2] نے لکھا ہے کہ :

روایت بالمعنیٰ کے جواز اور عدم جواز کا اختلاف عہدِ صحابہؓ سے مخصوص ہے۔ دوسروں کے لیے روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہے، خواہ اس سے مفہوم صحیح طور پر ادا بھی ہو جائے۔

اگر ہم ہر ایک کو روایت بالمعنیٰ کی اجازت دے دیں تو پھر حدیث نبوی پر سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس طرح ابتدا سے آج تک ہر آدمی منقول الفاظ کو بدلتا رہے گا، یہاں تک کہ حدیث کے تمام الفاظ بدل چکے ہوں گے۔

البتہ صحابۂ کرام کا معاملہ اس سے الگ ہے، ان میں درج ذیل

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۱۹۲

[2] ان کا پورا نام محمد بن عبداللہ المعافری ہے، ابن العربی کے نام سے مشہور ہیں۔ اندلس کے شہر اشبیلیہ کے معروف فقیہ تھے، آپ کی وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

دو بڑے اوصاف جمع تھے۔

۱۔ فصاحت و بلاغت، کیونکہ وہ عربی النسل تھے اور عربی زبان ان کی مادری زبان تھی۔

۲۔ صحابہ کرام رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ وہ اس زبان کے مفہوم سے آشنا اور مقاصدِ کلام سے آگاہ تھے۔ اور ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

کے مصداق صحابہ کرام تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات کا حکم دیا ہے اور فلاں چیز سے منع فرمایا ہے" ۔۔۔ وہ اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا ذکر ہی نہیں کرتے، مگر اس کے باوجود ان کی نقل و روایت کو صحیح قرار دیا جاتا ہے، اور کوئی منصف مزاج آدمی اس حقیقت واقعہ کا انکار نہیں کر سکتا۔[۱]

امام مالک نے روایت بالمعنیٰ کے سلسلے میں ایک اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر اپنایا ہے، اور وہ اس طرح کہ آپ نے ۔۔۔ مرفوع احادیث کی روایت بالمعنیٰ ناجائز اور غیر مرفوع احادیث کی روایت بالمعنیٰ جائز قرار دی ہے۔ مرفوع حدیثوں کے باب میں آپ کے حزم و احتیاط کا یہ حال تھا، کہ با، تا اور یا تک کا لحاظ رکھتے تھے، المدخل میں امام بیہقیؒ نے آپ کے بارے میں یہی لکھا ہے۔[۲]

لیکن محدث ابن الصلاح نے مرفوع احادیث میں بھی روایت بالمعنیٰ کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھا ہے، وہ صرف احادیثِ مرفوعہ اور غیر مرفوعہ کی روایت بالمعنیٰ میں ایک ہی شرط لگاتے ہیں کہ راوی کو عربی کا عالم ہونا چاہیے اور وہ الفاظ کی درست ادائیگی کر سکتا ہو، چنانچہ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ:

"بعض محدثین نے حدیث نبوی کی روایت بالمعنیٰ کو ناجائز اور صحابہ و تابعین کے

---

[۱] احکام القرآن جلد ۱ ص

[۲] الباعث الحثیث ص ۱۵۸، الکفایہ ص ۱۷۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کے اقوال کی روایت بالمعنیٰ کو جائز ٹھہرایا ہے، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حدیثِ نبوی ہو یا کسی صحابی و تابعی کا قول، دونوں ہی کی روایت بالمعنیٰ درست ہے، بشرطیکہ راوی صاحبِ علم ہو اور یہ جانتا ہو کہ جو الفاظ اس تک پہنچے تھے ان کا صحیح مفہوم اس نے ادا کر دیا ہے، یہی امر صحابہ کرام اور علمائے سلف کے حالات سے ثابت ہوتا ہے، صحابۂ کرام ایک ہی مفہوم کو مختلف الفاظ سے بیان کرتے تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے پیشِ نظر معنیٰ و مفہوم تھا الفاظ نہ تھے، اس کے علاوہ جہاں تک ہم جانتے ہیں یہ اختلاف اب ختم ہو گیا ہے حدیث کی کتابوں میں جو الفاظ درج ہیں ان کو تبدیل کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اس زمانے میں روایت بالمعنیٰ کی اجازت اس لیے تھی، کیونکہ روایت باللفظ کی پابندی عائد ہونے سے بڑی دقت پیدا ہو جاتی تھی، کتبِ حدیث میں جیسا کہ معلوم ہے، اس طرح کی زحمت اب نہیں ہے، کیونکہ اب اگر الفاظ بدل دینے کی اجازت بھی ہو، تو دوسروں کی تصنیف کے الفاظ میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔[1]

بہتر یہی ہے کہ روایت بالمعنیٰ کی اجازت کو محتاط الفاظ کے ساتھ مشروط کر دیا جائے، حدیث کے راوی کو اگر کسی روایت کے الفاظ میں کوئی شبہ ہو تو اسے یوں کہنا چاہیے کہ "اَوْ کَمَا قَالَ" یا "اَوْ کَمَا وَرَدَ"۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کا احترام کرتے ہوئے، بہت سے محدثین اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں، کہ وہ حدیث کے پورے الفاظ نقل کریں، لیکن بعض راویانِ حدیث سہل انگاری سے کام لیتے ہیں اور وہ حدیث کے بعض الفاظ کو اختصار کی خاطر حذف کر دیتے ہیں اور پھر مختلف مقامات پر ان کے اجزاء کا تذکرہ کر دیتے ہیں، خود امام

---

[1] علوم الحدیث، لابن الصلاح ص۱۸۹

[2] الباحث الحثیث ص۱۶۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں اسی طرح کیا ہے ۔ نقادانِ حدیث نے اس ضمن میں امام بخاریؒ پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ امام بخاری اسی حدیث کے اجزا دلاتے ہیں، جسے دوسری جگہ مکمل طور پر درج کر دیتے ہیں۔ محدثین کی راے میں کسی حدیث کو مختصر طور پر صرف اسی صورت میں بیان کر سکتے ہیں، جب وہ کسی اور سند سے مکمل طور پر منقول ہو، کیونکہ اس طرح اختصار کے نام سے علم کا چھپانا ظاہر نہ ہو، جس کا اظہار اور دوسروں تک پہنچانا بہر حال ضروری ہے۔

روایت بالمعنی کی اجازت دینے سے علمِ حدیث کی تدریس و تبلیغ میں جو سہل انگاری پیدا ہوئی، اس کا فطری نتیجہ اخذِ حدیث میں تساہل کی صورت میں رُونما ہوا۔ روایت بالمعنیٰ اور حدیث میں حذف و اختصار کی اجازت سے پہلے بہت سے محدثین نے ایسے طریقوں سے حدیث کے اخذ و تحمل (شیخ سے حدیث سُننا) کی اجازت دے دی، جن کا سماعِ حدیث سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا، تعجب ہے کہ اس طریقے سے تحصیلِ حدیث کو جمہور نے خطرات کا موجب قرار نہ دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ طلبِ حدیث کی راہ میں سفر کا ذوق و شوق کم ہوتا گیا، اب حدیث کے طلبہ نے اساتذہ و شیوخ کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ تہ کرنے سے گریز کرنا شروع کیا، اکثر ایسا ہونے لگا کہ وہ طویل سفر کر کے کسی امامِ حدیث کے پاس جاتے اور اس سے استفادہ کی بجائے محض کوئی کتاب اسے سُنا دیتے یا اس سے تدریسِ حدیث کی اجازتِ خاص حاصل کرتے، یا حدیث کے چند صحیفے لے کر ان میں درج احادیث کے روایت کرنے کی اجازت لے لیتے اور پھر وطن واپس آجاتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ امامِ حدیث اپنے طلبہ کو اپنی مرویات بتا دیتا یا اپنی تحریروں کی وصیت اور تاکید کر دیتا، تو وہ جلدی سے اس تاکید اور وصیت کو بڑے اطمینان سے حدیث روایت کرنے کی واضح اجازت سمجھ لیتے۔

لہ الباحث الحثیث ص ۱۶۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

متأخرین کی حالت یہ تھی کہ جب ان کو کتب و مخطوطات کے مندرجات کے روایت کرنے کی اجازت مل گئی تو انہوں نے نہ تو سفر کی صعوبتیں اٹھائیں اور نہ ہی مخطوطات کے حاملین سے ملنے کی زحمت گوارا کی،

"فجر الاسلام" نامی کتاب میں ہے کہ پھر شیوخ اور اساتذہ سے سماعِ حدیث کے اخذ و ادا کی صرف ایک ہی صورت باقی نہ رہی بلکہ نقادانِ حدیث کی تحقیق کے مطابق یہ تحمل و اخذِ حدیث کے آٹھ طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا۔

آئندہ صفحات میں ہم حدیث کے اخذ و سماع کے آٹھوں طریقوں پر تفصیلی بحث کریں گے، ان طریقوں کے درس و مطالعہ اور ان کی اصطلاحات و عبارات میں دقیق فرق کے پیشِ نظر ایک قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ محدثین کے گروہ میں شامل ہے، لہٰذا اب دل و دماغ کو حاضر رکھنے کی ضرورت ہے، محدثین کا ایک منفرد اسلوبِ کلام ہے جو اگرچہ شاعری اور موسیقی کے شیریں نغموں کی طرح مسحور نہیں کرتا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے دقیق اور عمیق افکار اور ناقدانہ اسلوبِ بیان سے ضرور متاثر کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

باب

اَخذِ حدیث کے مُختلف طریقے

پہلا طریقہ ـــــ سماع

ابتداء میں اخذِ حدیث کا ایک ہی طریقہ تھا، اور وہ یہ کہ شاگرد اپنے استاذ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس سے احادیث سُنتا، اس کے بعد اخذِ حدیث کے دَرجِ ذیل طریقے اختیار کیے گئے،

قرأۃ، اجازۃ، مناولۃ، مکاتبۃ، إعلام، وصیّت اور وجادہ

اِن سات طریقوں کے ساتھ سماع کے پہلے طریقے کو شامل کر لیں تو حدیث کے اخذ و تحمل کے کل آٹھ طریقے ہیں، جو محدثین کے طریقِ تعلیم و تدریس کے نمائندہ ہیں[1]

یہ اَمر غیر ضروری ہے کہ اخذِ حدیث کے ان آٹھوں طریقوں میں سماع کا طریقہ سب سے اعلیٰ و افضل ہے، لیکن سماع کی اصطلاح کو محدثین کے نقطۂ نظر سے سمجھنے کی ضرورت ہے، محدثین کے نزدیک سماع سے مراد یہ ہے کہ شاگرد اپنے استاذ کے الفاظ سُنے، خواہ استاذ کسی کتاب سے الفاظ پڑھ کر سُنا رہا ہو یا اپنے حافظے کی مدد سے بیان کر رہا ہو، اور خواہ وہ شاگرد کو لکھواتے، یا نہ لکھواتے[2]

عربی زبان میں یہ بات بالعموم معروف ہے کہ جب حدیث کا راوی یہ کہے کہ: حَدَّثَنَا، اَخْبَرَنَا، اَنْبَاَنَا، ذَکَرَ لَنَا، یا قَالَ لَنَا ـــــ تو اس کا مطلب یہ ہے

---

[1] التدریب ص ۱۲۹

[2] ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کہ میرے استاذ نے یہ حدیث مجھے سُنائی،

مذکورہ الفاظ اہل لغت کے ہاں سَمِعْتُ فُلَانًا، قَالَ سَمِعْتُ فُلَانًا کے مترادف ہیں اور ان میں باہم کوئی فرق نہیں ہے۔ اس ضمن میں محدثین بھی اہل لُغت کی پیروی کرتے ہیں اور مذکورہ عبارت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اکثر محدثین حدیث کی روایت کرتے وقت اَخْبَرَنَا کہا کرتے تھے، مگر حَدَّثَنَا نہیں کہتے تھے[1] ایک آدمی نے امام احمدؒ سے کہا: "اے ابوعبداللہ! عبدالرزاق[2] حدیث روایت کرتے وقت حَدَّثَنَا کی بجائے اَخْبَرَنَا کہتے ہیں"۔ امام موصوف نے جواب میں فرمایا کہ "دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے[3]"

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۲ صـ ۱۱۲، خطیب بغدادی نے حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا میں فرق نہ کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ان محدثین کا تذکرہ بھی کیا ہے جو ان حدیثوں میں فرق کرتے ہیں اور فرق کرنے والوں کے نام یہ ہیں:

حماد بن سلمہ، ہشیم بن بشیر، عبداللہ بن مبارک، عبدالرزاق بن ہمام، یزید بن ہارون، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، اسحاق بن راہویہ، عمر بن عوف، ابومسعود احمد بن الفرات، محمد بن ایوب، دیکھیے! الکفایہ ص ۲۸۴، ۲۸۵

[2] آپ بڑے عالم اور حدیث کے ثقہ راوی تھے، پورا نام عبدالرزاق بن ہمام بن نافع ہے ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

[3] امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ نے حَدَّثَنَا کی اصطلاح شروع کی اور راویانِ حدیث کو یہ لفظ استعمال کرنے کی ترغیب دی، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا دونوں مترادف الفاظ ہیں، محمد بن رافع کہتے ہیں کہ عبدالرزاق اَخْبَرَنَا کہا کرتے تھے، جب امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ آئے تو انہوں نے عبدالرزاق سے کہا کہ حَدَّثَنَا کہا کریں، اس کے بعد سب نے حَدَّثَنَا کہنا شروع کر دیا، پہلے سب اَخْبَرَنَا کہا کرتے تھے، ملاحظہ ہو! الکفایہ صـ ۲۸۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

متقدمین نے اَخْبَرَنَا کو دوسرے الفاظ کے مقابلے میں اس لیے ترجیح دی ہے کہ ان کے ہاں زیادہ رواج اسی کا تھا،[۱] اگرچہ دوسرے الفاظ سے بھی لغوی طور پر حدیث بیان کرنے کا مفہوم ہی نکلتا ہے، بعض محدثین کے ہاں اَخْبَرَنَا کے لفظ میں عموم پایا جاتا ہے۔ نُعَیم بن[۲] حماد کہتے ہیں کہ:

میں نے ابن المبارک[۳] کو کبھی حَدَّثَنَا کہتے نہیں سنا، ان کے نزدیک اَخْبَرَنَا زیادہ جامع اور وسیع لفظ تھا۔[۴]

جب مذکورہ تمام الفاظ کا ایک ہی مفہوم ہے، تو اہلِ لغت کی تائید میں قاضی عیاض[۵] کی یہ رائے صحیح ہے کہ جب استاد اپنے الفاظ بیان کر رہا ہو یا کسی کتاب سے پڑھ کر سنا رہا ہو، تو شاگرد حَدَّثَنَا، اَخْبَرَنَا، سَمِعْتُ، قَالَ لَنَا، ذَکَرَنَا فُلَانٌ میں سے جو چاہے کہہ سکتا ہے۔[۶]

---

[۱] الکفایہ ص ۲۸۴۔

[۲] نعیم بن حماد بن معاویہ بن حارث خُزاعی مروزی پورا نام ہے، کنیت ابو عبداللہ ہے، مصر میں رہے، سب سے پہلے انہوں نے مُسند جمع کیا، سامرا میں ۲۲۸ھ میں قید کی حالت میں فوت ہوئے (الرسالۃ المستطرفۃ ص ۳۷)

[۳] عبداللہ بن مبارک بڑے امام تھے، کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے، آپ ۱۸۱ھ میں فوت ہوئے۔

[۴] الکفایہ ص ۲۸۵

[۵] قاضی عیاض ثقہ عالمِ حدیث تھے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں (۱) "الشفا فی شمائل المصطفیٰ" (۲) الالماع فی اصول السماع (جس کا مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ میں ۴۰۰ نمبر کے تحت سے موجود ہے، آپ ۵۴۴ھ میں فوت ہوئے۔

[۶] اختصار علوم الحدیث ص ۱۲۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

لیکن ناقدینِ حدیث نے ان الفاظ کو ترجیح دی ہے، جن میں کسی طرح کا ابہام یا التباس نہ ہو، ان کے خیال میں راوی کو یہ بیان کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے شیخ سے کیسے اور کیونکر کوئی حدیث سُنی، اس لیے جب شیخ خود حدیث بیان کرے تو شاگرد، اس صورت میں حَدَّثَنَا کہے، جب شاگرد شیخ کو پڑھ کر سُناتے، تو شاگرد "قَرَأْتُ" کہے اور جب شاگرد کا کوئی اور ساتھی شیخ کو پڑھ کر سُنا رہا ہو تو قُرِئَ عَلَیْہِ وَ اَنَا اَسْمَعُ کہنا چاہیئے[1] دوسرے الفاظ کے مقابلے میں یہ لفظ زیادہ بہتر ہے[2]

سَمِعْتُ کے بعد حَدَّثَنَا اور حَدَّثَنِیْ کے الفاظ آتے ہیں، اور پھر اس کے بعد اَخْبَرَنَا اور اَخْبَرَنِیْ[3] کا درجہ ہے، ان الفاظ میں یہ امتیاز ضروری ہے کہ راوی ایک ہے یا زیادہ، ایک کی صورت میں واحد کا صیغہ، اور زیادہ افراد کی صورت میں جمع کا صیغہ استعمال ہوگا۔

اس سلسلے میں عبداللہ بن وہب[4] جو کہ امام مالکؒ[5] کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں:

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۲ ص ۱۱۲، الکفایہ میں خطیبؒ نے اس بارے میں ایک فصل قائم کی ہے، ملاحظہ ہو الکفایہ ص ۲۹۹ - ۳۰۱۔

[2] الکفایہ ص ۲۸۴، [3] التدریب ص ۱۳۰۔

[4] آپ کا پورا نام عبداللہ بن وہب بن مسلم ہے، کنیت ابو محمد ہے، یہ بہت بڑے ثقہ عالم حدیث اور فقیہ تھے، مصر کے عظیم علماء میں سے تھے، مصر اور حرمین کے بہت سے لوگوں سے روایت کرتے تھے، یہ مؤطا کبیر کے مصنف ہیں، ابوزرعہ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ: میں نے ابن وہب کی تیس ہزار حدیثیں دیکھی ہیں جن میں کوئی بھی بے اصل نہ تھی، وفات ۱۹۷ھ میں ہوئی، (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۰۴) [5] امام مدینہ امیر المومنین فی الحدیث مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی پورا نام ہے، کنیت ابوعبداللہ تھی، آپ چالیس برس تک اپنی کتاب مؤطا کی تالیف میں مصروف رہے پھر اس کتاب کو مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا تھا، آپ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

روایتِ حدیث میں چار الفاظ آتے ہیں۔

حَدَّثَنِیْ اس وقت کہوں گا جب میں استاذ سے اکیلا سنوں گا

حَدَّثَنَا اس وقت کہوں گا جب دوسرے ساتھیوں کی معیت میں استاد سے حدیث سُنوں گا۔

اَخْبَرَنِیْ اس صورت میں کہوں گا جب میں استاذ کو تنہا پڑھ کر سُناؤں گا۔

اَخْبَرَنَا اس صورت میں کہوں گا جب کوئی ساتھی استاذ کو پڑھ کر سُنائے اور میں بھی سُنوں[1]

حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا کے قریب قریب نَبَّأَنَا اور اَنْبَأَنَا کے الفاظ ہیں، مگر ان کا استعمال بہت کم ہے[2]۔ اور ان اصطلاحات کا فرق دراصل نیت اور ارادے ہی سے واضح ہوتا ہے[3]

راویانِ حدیث ان لوگوں کے بارے میں تشدد سے کام لیتے تھے، جو تدلیس (استاذ کے بجائے شیخ الشیخ کا نام لینا) کے مرتکب ہوتے تھے، مُدَلِّس (تدلیس کرنے والا) راوی کی حدیث اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی تھی، جب تک وہ حَدَّثَنِیْ یا سَمِعْتُ کے الفاظ نہ کہے[4]

حدیث روایت کرتے وقت مفرد صیغہ روایت کرنا یعنی حَدَّثَنِیْ یا اَخْبَرَنِیْ کہنا حافظ ابن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) کے نزدیک سب سے بہتر ہے، کیونکہ جمع کے صیغوں یعنی حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا میں اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ راوی کے ساتھ اور لوگ بھی شامل ہوں اور استاذ نے قصداً اسے حدیث نہ سُنائی ہو، اس کے

---

[1] الکفایہ ص ۲۹۴۔

[2] التدریب ص ۱۳۰

[3] الکفایہ ص ۲۸۷

[4] الکفایہ ص ۲۹۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

برعکس مفرد صیغے میں استاذ قصداً اسامع ہی کو حدیث سنا رہا ہوتا ہے[۱]

جب کوئی راوی حَدَّثَنَا فُلَانٌ قَالَ یا حَدَّثَنَا فُلَانٌ کہتا ہے تو یہ الفاظ اس سے افضل ہیں کہ یوں کہا جائے حَدَّثَنَا فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ، کیونکہ عَنْ تو تدلیس کی صورت میں عدمِ سماع کے باوجود بھی کہا جا سکتا ہے[۲]

اس بارے میں بعض متأخرین شعراء نے یہ اشعار کہے ہیں ؎

یُنَادِی اِلَیَّ عَنْکَ مَلِیْحٌ مِنْ حَدِیْثٍ وَبَارِعٌ مِنْ بَیَانٍ

بَیْنَ قَوْلِ الْفَقِیْہِ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ فَرْقٌ وَبَیْنَ عَنْ سُفْیَانٍ[۳]

سماع میں راوی یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ "قَالَ لَنَا فُلَانٌ" یا "قَالَ لِیْ"۔ یا "ذَکَرَ لَنَا" یا "ذَکَرَ لِیْ"۔ کیونکہ یہ الفاظ بھی حدیث متصل السند ہونے میں حَدَّثَنَا جیسے ہیں، البتہ ان میں مذاکرہ[۴] کا احتمال زیادہ پایا جاتا ہے (یہ احتمال ہے کہ سامع کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی موجود تھے)

سماعِ حدیث میں سب سے کمزور الفاظ قَالَ یا ذَکَرَ ہیں، جب راوی ان کو بغیر لِیْ کے ادا کرے، کیونکہ ان الفاظ میں تدلیس کا شائبہ موجود ہے، حمّاد نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

جب میں نے اَیُّوب[۵] سے کوئی حدیث نہ سُنی ہو تو مجھے یہ پسند نہیں کہ میں قَالَ اَیُّوْب کَذَا وَکَذَا کہوں، کیونکہ ایسی صورت میں لوگ یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ میں نے ان سے خود سُنا ہے[۶]

---

[۱] اختصار علوم الحدیث ص۱۲۲

[۲] الکفایہ ص۲۸۹۔

[۳] الکفایہ ص۱۹۱

[۴] التدریب ص۱۳۰

[۵] اس سے ایوب سختیانی مُراد ہے، جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔

[۶] الکفایہ ص۲۹۰

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

شعبہ[۱] بن حجاج نے زیادہ سخت الفاظ میں اس پر اظہارِ خیال کیا ہے، وہ کہتے ہیں:۔ "بدکاری کا مرتکب ہونا اس سے بہتر ہے کہ میں "قَالَ فُلَانٌ" کہوں اور میں نے اس سے کچھ سُنا نہ ہو۔"[۲]

ہم دوبارہ عرض کرتے ہیں کہ مذکورہ تمام الفاظ اہلِ لغت کے ہاں حدیث سُنانے کے لیے مستعمل ہوتے ہیں، اور درحقیقت ان میں اور سَمِعْتُ فُلَانًا، قَالَ سَمِعْتُ فُلَانًا میں استعمال کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، حدیث کے نقادوں کے نزدیک ان میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ محض عُرف و عادت کے لحاظ سے ہے[۳]

۲۔ قراءت

قراءت کی تعریف کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، اس لفظ سے جو حقیقت واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شاگرد کو کوئی چیز یاد ہو اور وہ شیخ کو سُنائے۔ یا کتاب سے پڑھ کر سُناتے[۴]، اخذِ حدیث کی اس قسم میں چونکہ شاگرد شیخ کو پڑھ کر سُناتا ہے اس لیے اسے "عرض" (پیش کرنا) بھی کہتے ہیں[۵]

جب کوئی شاگرد اپنے حافظے سے یا کتاب سے پڑھ کر نہ سُنائے، بلکہ کوئی دوسرا شیخ اس کو پڑھ کر سُنا رہا ہو اور وہ سنتا جاتا ہو تو اس صورت میں شیخ کے لیے لازم ہے کہ پڑھی جانے والی عبارت اسے زبانی یاد ہو، یا ضرورت پڑنے پر معتبر شاگردوں یا کم سے کم ایک شاگرد کے سامنے اسے اپنی صحیح کتاب پر پڑھ کر دیکھ سکتا ہو[۶]

---

[۱] شعبہ بن حجاج کا تعارف پہلے گذر چکا ہے۔ [۲] الکفایہ ص ۲۹۰

[۳] الکفایہ ص ۲۸۸

[۴] التدریب ص ۱۳۱

[۵] التدریب ص ۱۳۰

[۶] الباحث الحثیث ص ۱۲۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کتاب سے پڑھ کر سُنا دینا افضل ہے، کیونکہ حافظے کی مدد سے سُنانے کی نسبت یہ زیادہ قابلِ اعتماد اور خطا سے مامون ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ[1] لکھتے ہیں:

"اِمساک کو حفظ پر ترجیح حاصل ہے، اِمساک کا یہ مطلب ہے کہ شاگرد کے پاس کتاب موجود ہو اور وہ اس میں سے پڑھ کر سُنا دے"[2]

مذہب مختار یہی ہے کہ قراءت درجہ کے لحاظ سے سماع سے کم تر ہے، اور سماع کے بعد اس کا درجہ ہے، لیکن بعض محدثین اسے سماع کے برابر قرار دیتے ہیں[3]، ان کی رائے میں جس شاگرد نے شیخ کو پڑھ کر سنایا ہو، وہ کسی اور کو حدیث بیان کرتے وقت مطلق طور پر سَمِعْتُ کہہ سکتا ہے اور اُسے یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ میں نے شیخ کو پڑھ کر سنایا ہے[4]۔ قرأت کے ضمن میں بعض محدثین نے کچھ مبالغے سے بھی کام لیا ہے، اور انہوں نے اسے سماع سے بھی افضل قرار دیا ہے[5]۔

---

[1] شیخ الاسلام احمد بن علی بن محمد بن علی شہاب الدین ابوالفضل عسقلانی حدیث کے بڑے امام اور حافظ تھے، کئی کتابوں کے مصنف تھے، ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔

(الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۲۱، ۱۲۲۔)

[2] التدریب ص ۱۳۱

[3] امام مالکؒ بعض علمائے مدینہ اور کبار علمائے حجاز کو قوی اسی رائے کے حامی ہیں، امام بخاریؒ کی رائے بھی یہی ہے، التدریب ص ۱۳۲۔

[4] اختصار علوم الحدیث ص ۱۲۴۔

[5] یہ قول بہت سے علماء سے منقول ہے، امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی ذئب بھی یہی کہتے ہیں، امام بیہقی نے المدخل میں مکی بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ ابن جریج، عثمان بن اسود حنظلہ بن ابی سفیان، علقمہ بن عمرو، مالک محمد بن اسحاق، سفیان ثوری، ابوحنیفہؒ، ابن ابی ذئب سعید بن عروبہ اور مثنیٰ بن صباح سب کا قول ہے کہ "تمہارا شیخ کو سُنانا اس سے بہتر ہے کہ شیخ تمہیں پڑھ کر سُنائے" (التدریب جلد ۱ ص ۱۳۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس سلسلے میں صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ جب شاگرد اپنے شیخ کو پڑھ کر سُنا دے اور وہ شاگرد دوسرے کسی کو حدیث بیان کرے تو یوں کہے کہ "میں نے پڑھ کر شیخ کو سنایا" اور اگر وہ خود نہ پڑھے، بلکہ کسی اور نے پڑھ کر سُنایا ہو تو وہ یوں کہے کہ شیخ کو پڑھ کر سنایا گیا اور میں اور شیخ دونوں سُن رہے تھے۔"

بہت سے محدثین نے یہ جائز ٹھہرایا ہے کہ شاگرد حدیث بیان کرتے وقت اس طرح کہے:

حَدَّثَنَا الشَّيْخُ قِرَاءَةً عَلَيْهِ یا یوں کہے اَخْبَرَنَا قِرَاءَةً عَلَيْهِ یا اس طرح کہے کہ سَمِعْتُ مِنَ الشَّيْخِ قِرَاءَةً عَلَيْهِ۔

ان تمام الفاظ کا ماحصل یہ ہے کہ شیخ کو پڑھ کر سنایا گیا اور اس نے سُنا "پڑھ کر سُنانے" کے الفاظ کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر یہ سمجھا جائے گا کہ شاید شیخ نے شاگرد کو پڑھ کر سُنایا ہو، یہ صورت سماع کہلاتی ہے اور حدیث کے اخذ و تحمّل کی یہ افضل ترین شکل ہے[1] ہمیں معلوم ہے کہ اَخْبَرَنَا، حَدَّثَنَا اور سَمِعْتُ کے الفاظ اگر بغیر کسی قید و شرط کے بولے جائیں تو ان اصطلاحوں سے سماع ہی مراد ہوتا ہے۔

۳۔ اجازہ

سماع کی بحث میں ہم بتا چکے ہیں کہ سماع کی صورت میں شیخ الفاظِ حدیث پڑھتا ہے اور شاگرد سنتا ہے اور قراءت کی صورت میں شاگرد پڑھ کر سناتا ہے، حدیث کی روایت کرنے میں یہ دونوں صورتیں متصل اسناد پر مبنی ہوتی ہیں، خواہ بیان و مشافہ سے یا نقل صحیح کی وجہ سے، لیکن اجازہ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں، بلکہ "اجازہ" سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ اس کی سُنی ہوئی احادیث

---

[1] الباحث الحثیث، ص ۱۲۵، التدریب ص ۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

(مسموعات) یا جمع کردہ کتب (مؤلفات) کو روایت کر سکتا ہے، خواہ یہ مسموعات شاگرد سے شیخ نے نہ سنی ہوں اور نہ ہی یہ کتب شیخ کو پڑھ کر سنائی ہوں، یہی وجہ ہے کہ محدث ابن حزم نے "اجازہ" پر اعتراض کیا ہے اور اسے ناروا بدعت قرار دیا ہے، اس سے بھی بڑھ کر بعض محدثین نے اس بارے میں تشدد سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ:

جس کسی نے دوسرے سے یہ کہا کہ میں نے تجھے اجازت دی کہ تم مجھ سے ایسی روایات بیان کر سکتے ہو، جو مجھ سے تم نے سنیں، تو گویا اس نے یہ کہدیا کہ میں نے تجھے اپنی ذات پر جھوٹ باندھنے کی اجازت دے دی، کیونکہ شریعت ان روایات کو بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی جو غیر مسموع ہوں[1]

یہ رائے سراسر مبالغہ آمیزی پر مبنی ہے کیونکہ اجازہ کی بعض صورتیں ضعیف روایت کے ایسے درجے کو نہیں پہنچتیں، جیسے اجازہ کی درج ذیل صورتیں ایسی ہیں جو جمہور کے نزدیک بہر حال مقبول ہیں[2]

مثلاً جب ایک محدث کسی شخص یا اشخاص کو کوئی خاص کتاب یا کئی کتابوں کے روایت کرنے کی اجازت دے، مثال کے طور پر محدث یوں کہہ دے: "میں نے تجھے یا تمہیں یا فلاں شخص کو (اس کا نام لے کر) صحیح مسلم یا سنن ابی داؤد یا صحاح ستہ یا اپنی مدونہ کتب — جو کہ فلاں فلاں ہیں — کے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں"۔

بعض محدثین نے اس ضمن میں وسعت سے کام لیا ہے، ان کے نزدیک یہ بھی صحیح ہے کہ ایک معین شخص یا اشخاص کو کوئی مبہم یا غیر معین چیز کی اجازت دے جیسے شیخ یہ کہے کہ "میں نے تجھے یا تمہیں اپنی تمام مرویات اور مسموعات کے روایت

---

[1] التدریب ص ۱۳۱

[2] التدریب ص ۱۳۲، اختصار علوم الحدیث ص ۱۳۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کرنے کی اجازت دے دی، یا اسی قسم کی دوسری مبہم عبارت میں کہدے۔

ظاہر ہے کہ اجازۃ کی مذکورہ قسم میں توسع پایا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ کوئی نامعلوم آدمی کسی غیر معروف شخص کو اجازت دے تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، لیکن جہاں تک اجازت عامّہ کا تعلق ہے جیسے شیخ یہ کہے کہ میں نے سب لوگوں یا مسلمانوں یا موجودہ لوگوں یا اہل زمانہ یا تمام کلمہ گو انسانوں یا جو شخص بھی روایت کرنا چاہے یا جیسے فلاں آدمی چاہے، فلاں حدیث روایت کرنے کی اجازت دے دی ـــــ تو ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے گو بعض نے اسے بھی جائز ٹھہرایا ہے، جو کہ غلط ہے۔

اجازہ کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو بالمشافہ صریح الفاظ میں روایت کرنے کی اجازت دے، اگر محض تحریری طور پر اجازت دی جائے، تو متشدد محدثین اسے جائز نہیں سمجھتے، ـــــ اس بارے میں راجح مسلک یہ ہے کہ تحریر اور نطق دونوں کے ذریعے سے اجازت دے دینا برابر حیثیت رکھتا ہے اور ان میں باہم کوئی فرق نہیں ہے، البتہ جہاں تک "اجازہ" کا تعلق ہے تو اس کی مقبول صورتیں بھی درجے کے لحاظ سے قراءت سے فروتر ہیں، سماع کا درجہ ان میں سب سے بلند ہے اخذ حدیث کے اعتبار سے "اجازہ" کا تیسرا درجہ ہے[1]

۴۔ مُنَاوَلہ

مناولہ یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو کوئی کتاب یا لکھی ہوئی حدیث دے کر یوں کہے کہ اسے میری جانب سے روایت کر دو۔ مناولہ کی کئی صورتیں ہیں اور ان میں مختلف درجے ہیں۔

۱۔ مناولہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو کوئی کتاب یا لکھی

---

[1] التدریب ص ۱۳۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہوئی حدیث دے اور کہے کہ "یہ تمہاری ملکیت ہے میں نے تجھے اس کے روایت کرنے کی اجازت دے دی ہے، اب اسے لے کر روایت کیا کرو"[1] اسے "مُنَاوَلہ مع الاجازۃ" کہا جاتا ہے، بعض محدثین اسے سماع سے بھی ارفع و اعلیٰ قرار دیتے ہیں، کیونکہ شیخ کی کتاب جب اجازت کے ساتھ منسلک ہو تو وہ سماع کی نسبت زیادہ اعتماد کے قابل ہے، اس لیے کہ سماع کی صورت میں سننے اور سنانے والے کے مابین وہم کا اندیشہ رہتا ہے، جو کہ مذکورہ صورت میں واقع نہیں ہوتا۔

مگر امام نوویؒ نے اس بارے میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ:

صحیح بات یہی ہے کہ اس کا درجہ سماع اور قرارت سے کم تر ہے[2]

۲۔ یہ صورت بھی "مناولہ مع الاجازۃ" سے ملتی جلتی ہے، کہ شیخ اپنے شاگرد سے کہے، "یہ کتاب لو اور اسے نقل کر کے مجھے واپس کر دو"۔

۳۔ مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ تیسری صورت یہ ہے کہ شاگرد اپنے شیخ کے پاس کوئی کتاب لائے، اور اس سے روایت کرنے کی اجازت طلب کرے۔ اور پھر شیخ اس کتاب کو دیکھے بغیر اور اس سے مراجعت و تقابل کیے بغیر ہی اس کے روایت کرنے کی اجازت دیدے۔

۵۔ مُکاتبہ

مکاتبہ کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ شیخ خود روایت لکھ کر یا کسی سے اپنی مرویات تحریر کرا کر کسی حاضر شاگرد کو دے یا کسی غیر حاضر شاگرد کو بھجوا دے[3] ایک حاضر شاگرد کو تحریر کردہ احادیث دینے کی صورت میں شک و شبہ کا احتمال

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۱۳۷۔

[2] الباعث الحثیث ص ۱۳۸۔

[3] توضیح الافکار جلد ۲ ص ۳۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس لیے نہیں ہے کہ وہ شیخ کی تحریر یا اس کے کاتب کی تحریر، جو اس نے شیخ کی موجودگی میں لکھی ہے بذاتِ خود دیکھ سکتا ہے، غیر حاضر آدمی کو تحریر بھیجنے میں بھی کسی شبہ کا خدشہ نہیں ہے، کیونکہ حدیث در اصل امانتِ رسولؐ ہے اور مکتوب الیہ کے اطمینان کے لیے کافی ہے کہ یہ تحریر شیخ نے خود لکھی ہے یا کاتب نے اس کے حکم سے لکھی[1] ہے، ایسی صورت میں کاتب اور قاصد دونوں کا ثقہ اور دیانتدار ہونا شرط ہے۔

مُکاتبہ کے ضمن میں بعض محدثین تشدد سے کام لیتے ہیں اور اس کے لیے مقرون بالاجازۃ ہونے کی شرط عائد کرتے ہیں۔ مگر یہ تشدد ناروا ہے کیونکہ اکابر محدثین نے "مکاتبہ" کو کافی قرار دے کر اس کے ساتھ اجازت کی کوئی شرط نہیں لگائی۔

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان والنذور میں روایت کی ہے کہ انہوں نے محمد بن بشار کو احادیث لکھ کر بھیجیں اور ان کی احادیث روایت کیں[2]

اسی طرح امام مسلمؒ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے غلام نافع کے ذریعے جابر بن سمرہ کو لکھ کر بھیجا کہ مجھے کوئی حدیث لکھ بھیجیں، جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہو، انہوں نے جواب میں لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے دن سُنا، جبکہ ماعز اسلمی کو سنگسار کیا گیا تھا[3]... (پوری حدیث مذکور نہیں ہوئی)

بلاشبہ اگر "مکاتبہ" کے ساتھ "اجازہ" بھی شامل ہو تو اس کا مرتبہ زیادہ قوی ہو جائے گا، یہاں تک کہ بعض محدثین "مکاتبہ مع الاجازۃ" کو سماع پر بھی ترجیح دیتے ہیں[4]۔

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک شخص کی تحریر دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اور اس میں التباس کا اندیشہ نہیں ہے ابن الصلاح کا یہی خیال ہے۔ (التدریب ص ۱۴۶)

[2] توضیح الافکار جلد ۲ ص ۳۳۹۔

[3] تدریب الراوی ص ۱۴۷۔

[4] الباعث الحثیث ص ۱۴۰

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مگر ایسا توسع مناسب نہیں ہے کہ جس آدمی کو تحریر کے ذریعے روایت کی اجازت دی گئی ہو وہ یوں کہدے کہ سَمِعْتُ یا حَدَّثَنِیْ یا اَخْبَرَنِیْ، کیونکہ ان الفاظ سے یہ شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ غالباً اس نے خود سُنا ہے، لیکن اگر وہ ان الفاظ کے ساتھ مکاتبہ کی قید لگادے اور ان الفاظ کو مطلق طور پر رہنے دے تو پھر کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں ہے، وضاحت کے لیے یوں بھی کہا جاتا ہے تو بہتر ہے کہ ــــ "فلاں آدمی نے مجھے خود لکھ کر یا فلاں آدمی سے لکھوا کر اپنے یا کسی اور کے قاصد کے ذریعے اپنی مجلس میں یا کسی اور مقام پر فلاں فلاں حدیث سے آگاہ کیا تھا"[۱] ــــ

۶ - اِعْلام

اعلام کا مطلب یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو صرف یہ بتائے کہ فلاں کتاب یا حدیث ان کی مرویات یا مسموعات میں سے ہے، مگر صراحت کے ساتھ اس کی روایت کرنے کی اجازت نہ دے[۲] بہت سے محدثین نے اخذِ حدیث کی اس صورت کو جائز قرار دیا ہے، لوگوں میں شیخ کو جو اعتماد حاصل ہوتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شاگرد کو غلط بات نہیں بتا سکتا، اس صورت میں گویا وہ شاگرد کو اپنی مسموع احادیث کی اطلاع دے کر یہ اشارہ کر دیتا ہے کہ وہ انہیں اس سے حاصل کر سکتا ہے اور دوسروں سے بیان بھی کر سکتا ہے۔

اس صورت میں اگرچہ شیخ صریح طور پر اپنے شاگرد کو حدیث کی روایت کرنے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن ضمنی طور پر اس کی اجازت قابلِ فہم ہے۔

لہٰذا بہت سے محدثین کی رائے یہ ہے کہ شیخ جب شاگرد کو اپنی مرویات

---

[۱] توضیح الافکار جلد ۲ ص ۳۴۱، اختصار علوم الحدیث ص ۱۳۹۔

[۲] التدریب ص ۱۴۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سے مطلع کرکے اسے روایتِ حدیث سے روک دے تو صرف اِعلام کی بنا پر حدیث کی روایت جائز نہیں ہے، مثال کے طور پر شیخ اس طرح کہے کہ :

"یہ میری مسموعات یا مرویات ہیں، لیکن میں آپ کو ان کی روایت کرنے سے منع کرتا ہوں، یا ان کو مباح نہیں کرتا ہوں، یا ان کی اجازت نہیں دیتا ہوں یا ان کو دوسرے لوگوں تک نہ پہنچایا جائے۔

درجِ بالا تمام صورتوں میں شاگرد شیخ کی احادیث کی روایت نہیں کرسکتا اس کی دلیلِ ممانعت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ "شہادت پر شہادت" دینے کے برابر ہے، دوسرے شاہد کی شہادت صرف اسی صورت میں درست ہوسکتی ہے جب پہلا شاہد اس کی اجازت دیدے[1] اور وہ اس طرح کہ شہادت پر شہادت دی جائے۔

لیکن قاضی عیاضؒ نے اس قیاس کو درست قرار نہیں دیا، ان کی رائے یہ ہے کہ اعلام اور شہادت علی الشہادۃ (شہادت پر شہادت) میں کوئی مماثلت نہیں ہے، کیونکہ "شہادت علی الشہادۃ" بغیر اجازت کے کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے، اس کے برعکس جو حدیث سماع و قراءت کے بعد بیان کی جائے تو اس میں اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اس کے علاوہ شہادت اور روایت میں بنیادی فرق موجود ہے[2]

قاضی عیاض نے اِعلام کی بنا پر شاگرد کو روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ اگرچہ شیخ نے اس کی روایت کرنے سے منع ہی کیوں نہ کیا ہو، بعض اہلِ ظاہر[3] کا خیال یہ ہے کہ شیخ جب اپنے شاگرد کو کوئی حدیث بتا کر یا سُنا کر اس کی روایت کرنے سے منع کردے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے شاگرد شیخ سے براہِ راست کوئی

---

[1] الباعث الحثیث ص ۱۴۰، [2] التدریب ص ۱۴۸

[3] داؤد بن علی الظاہری (متوفی ۲۷۰ھ) کے اتباع کو اہلِ ظاہر یا ظاہریہ کہا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حدیث سُنے اور شیخ اس کی روایت کرنے سے روک دے[1] (جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ممنوع حدیث کی روایت کی ممانعت کے بعد شاگرد روایت کرنے کا مجاز نہیں ہے، بلکہ اسی طرح اعلام کی صورت میں بھی ممانعت کے بعد حدیث کو روایت کرنا صحیح نہیں ہے)

۷۔ وَصِیَّت

اخذ و تحمل حدیث کی ایک خاص اور نادر صورت کا نام وصیت ہے "وصیت" کے معنی ہیں کہ شیخ کسی سفر کے دوران میں یا بستر مرگ پر صراحتہً اس طرح کہے کہ میں فلاں آدمی کو فلاں کتاب کی روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں[2]

بعض سلف کا قول یہ ہے کہ مُوْصٰی لَہٗ (جسے وصیت کی جاتی) مُوْصِیْ (وصیت کرنے والا) کی کتاب سے احادیث روایت کر سکتا ہے، ان کی رائے میں وصیت کے اندر بھی ایک طرح سے "اعلام" اور "مناولہ" کی کیفیت پائی جاتی ہے، گویا اس طرح سے شیخ نے وصیت کر کے اپنے شاگرد کو ایک خاص چیز دے دی ہے اور اسے بتا دیا ہے کہ یہ اس کی مرویات میں سے ہے البتہ وہ صریح طور پر ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتا جن سے یہ مطلب ظاہر ہوتا ہو[3]

البتہ وصیت کی بنا پر روایت کی اجازت دینے والے حضرات اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ یہ صورت ان تمام صورتوں میں کمزور ترین ہے جو اخذِ حدیث کے سلسلے میں ممکن ہے، وصیت کا درجہ اِعلام اور مناولہ دونوں سے کم تر ہے لیکن بعض اعتبارات سے وصیت ان سے مماثل بھی ہے، البتہ محدث ابن الصلاح ان میں کسی قسم کی مماثلت کو تسلیم نہیں کرتے، وہ ان لوگوں کی سخت تردید کرتے ہیں

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۱۴۰، [2] التدریب ص ۱۴۸

[3] الباعث الحثیث ص ۱۴۱،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جنہوں نے وصیت اور اعلام و مناولہ کو ایک دوسرے کا مماثل قرار دیا ہے۔

ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ :

بعض لوگ وصیت کو اعلام اور مناولہ کے مماثل قرار دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے، جن لوگوں نے اعلام و مُنَاولہ کی بنا پر روایت کرنے کو جائز سمجھا ہے ان کے دلائل ہم نے بیان کر دیتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی بات بھی وصیت میں نہیں پائی جاتی[1]

مُوصٰی عَلَیْہ کے لیے لازم ہے کہ وہ روایت کرتے وقت مُوصِی کے الفاظ کی پابندی کرے اور ان میں کوئی کمی بیشی نہ کرے، کیونکہ علم کی وصیت بھی مال کی وصیت کی طرح ہے، اس لیے اس کی مقدار بھی مقرر ہونی چاہیئے، اس لیے جس چیز کی وصیت کی گئی ہے اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہیئے کہ کیا وُہ ایک کتاب ہے یا کئی کتابیں ہیں، ایک حدیث ہے یا کئی حدیثیں ہیں، مَسمُوع روایات ہیں یا مرویات، مُوصِی کے بیان اور تعبیر کو بہر حال ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

۸ - وجادہ

وِجادہ ایک جدید مصدر ہے، جسے اہلِ عرب نے استعمال نہیں کیا ہے،

اصطلاحِ محدثین میں وِجادہ کا مطلب یہ ہے کہ سماع اجازہ اور مُناولہ کے بغیر کسی کتاب یا صحیفے سے علم حاصل کیا جائے[2] اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی آدمی کسی محدث کی تحریر کردہ احادیث دیکھے اور سابقہ ملاقات کی بنا پر پہچان لے کہ یہ اسی کی لکھی ہوئی حدیثیں ہیں، یا اگر اس سے ملاقات نہ ہوئی ہو لیکن اسے

---

[1] حاشیہ توضیح الافکار جلد ۲ ص ۳۴۴۔

[2] علوم الحدیث لابن الصلاح، ص ۱۶۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس بات کا یقین آجائے، کہ یہ تحریر فلاں محدث ہی کی ہے، بعینہٖ جب چند حدیثیں کسی مشہور محدث کی معروف کتاب میں لکھی ہوئی دیکھے تو جس آدمی کو یہ احادیث ملیں وہ شیخ کا حوالہ دے کر انہیں روایت کر سکتا ہے، اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ حدیث کی سند من وعن نقل کی جائے، اور یوں کہا جائے کہ مجھے فلاں آدمی کی تحریر ملی، یا میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ تحریر فلاں آدمی کی ہے، یا یہ کہ صحیح اور مشہور قول کے مطابق یہ تحریر فلاں آدمی کی ہے، اور اس کے بعد حدیث بیان کر دی جائے،

عبداللہ بن احمد بن حنبل اسی طرح کیا کرتے تھے، وہ اکثر کہا کرتے کہ میں نے اپنے والد کی تحریر دیکھی کہ فلاں آدمی نے مجھے یہ حدیث سنائی، اور پھر اس کے بعد حدیث کی پوری عبارت نقل کر دیتے تھے[1]

وجادہ کی صورت میں جو حدیث ملی ہو اسے روایت کرتے وقت اس طرح کہنا درست نہیں ہے کہ "عَنْ فُلَانٍ"، "حَدَّثَنَا" یا "اَخْبَرَنَا فُلَانٌ"، "سَمِعْتُ منہ" "وَجَدْتُ بِخَطِّہٖ" کیونکہ یہ نہایت ہی بدترین قسم کی تدلیس ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سامع اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس نے اسے سن کر بیان کیا ہوگا حالانکہ درحقیقت وہ شک میں مبتلا ہوتا ہے اور اسے یقینی طور پر کچھ علم نہیں ہوتا، البتہ اسے یوں کہنا چاہیے کہ "قَالَ فُلَانٌ"، "بَلَغَنِیْ اَنَّ فُلَانًا قَالَ"، "کَتَبَ الشَّیْخُ بِخَطِّہٖ"، "اَوْ مَنْ یَکْتُبُ لَہٗ"۔

ان تصریحات سے دورِ حاضر کے ادیبوں اور مؤرخوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو اپنی کتابوں میں یوں لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث ہمارے پاس طبری یا ابن حجر یا حافظ عراقی نے بیان کی ہے"[2]

---

[1] التدریب، ص ۱۴۸، ۱۴۹۔

[2] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۶۸۔

[3] ابا حث الحثیث ص ۱۴۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

(کیونکہ اس طرح کے الفاظ صرف براہِ راست سماع ہی کی صورت میں کہے جاسکتے ہیں)
لہٰذا وِجادہ کو اگر صحیح طریقے سے سمجھ لیا جائے تو اس کی افادیت اور اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے اور اخذِ حدیث کے مختلف طریقوں میں سے یہ بھی ایک طریقہ قرار پاتا ہے، آج کل حدیث کی کتابوں میں سے جو روایات ہم نقل کرتے ہیں، وُہ وِجادہ ہی کے تحت آتی ہیں، دورِ حاضر میں نشر و اشاعت کے عام ہونے کے بعد اُن حفاظِ حدیث کا وجود معدوم ہو گیا ہے جن سے براہِ راست احادیث سُنی جائیں — اس کے برعکس معتبر کتبِ حدیث کی طرف مراجعت بہت سہل ہے، اس سے پہلے ہم محدث ابن الصلاح کا نقطۂ نظر نقل کر چکے ہیں کہ مابعد ادوار میں وجادہ پر عمل درآمد ناگزیر ہے، کیونکہ متأخرین کے زمانے میں اگر صرف روایت پر عمل کیا جائے تو منقولات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اس لیے کہ منقولات میں روایت کی شرط کا موجود ہونا بہت دشوار امر ہے[1]

حافظ ابن کثیرؒ نے وِجادہ پر عمل کرنے کے حق میں درج ذیل صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے[2]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کے لحاظ سے تمہیں کونسی مخلوق زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "فرشتے" آپؐ نے فرمایا: "فرشتے جب اللہ کے حضور میں رہتے ہیں تو وُہ ایمان کیوں نہ لائیں"؟ صحابہؓ نے عرض کیا: "انبیاء کرامؑ سب سے زیادہ محبوب ہیں"، فرمایا: "انبیاء کیوں ایمان نہ لائیں جبکہ ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے"۔ صحابہؓ نے عرض کیا "ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں" فرمایا۔ "تم کیوں نہ ایمان لاؤ، جبکہ میں خود تمہارے درمیان موجود ہوں"؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ!

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۶۹

[2] عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر ایک عظیم مفسر، محدث اور مصنف تھے، آپ ۷۷۴ھ میں فوت ہوئے،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

پھر اور کون محبوب ہے"؟ فرمایا وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے وہ کچھ کتابیں اور صحیفے پائیں گے اور ان پر ایمان لائیں گے۔"[1]

مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کی توصیف کی گئی ہے، جو صرف وجادہ پر عمل پیرا ہیں، امام بلقینی[2] نے اس استدلال کو بہت پسند کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس استدلال کی حاجت نہیں، وجادہ پر عمل در آمد صرف اسی حدیث پر موقوف نہیں ہے، وجادہ پر وجوب عمل کا مدار صحیح ابلاغ اور مکلف و مامور کے اس اعتماد اور بھروسے پر ہے کہ جو احکام اس تک پہنچے ہیں ان کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب درست اور صحیح ہے۔[3]

دراصل حدیث کے اخذ و تحمل اور اس کی روایت کی بعض صورتوں مثلاً وجادہ، وصیت اور اعلام کے بارے میں سلف کا تشدد ان کے اپنے احوال و ظروف کے پیش نظر تھا، علم حدیث ان کا محبوب مشغلہ اور اوڑھنا بچھونا تھا۔ انہیں تدوین و کتابت کے وسائل کی عدم موجودگی میں حدیث کے حفظ و روایت کی اشد ضرورت تھی، اس میں شک نہیں کہ حدیث نبوی کی حفاظت وصیانت اور اس کے طریق اخذ و روایت میں غور و تفحص کرنا ہم پر بھی واجب ہے، اگرچہ آج نشر و اشاعت اور طباعت کی جدید سہولتوں نے حفاظت حدیث کے بوجھ کو خاصا ہلکا کر دیا ہے۔

---

[1] توضیح الافکار جلد ۲ ص ۲۴۹، تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۷، ۷۵، مطبع المنار

[2] التدریب ص ۱۴۹، بلقینی کا پورا نام عبد الرحمن بن عمر بن رسلان ہے، آپ کی کنیت ابو الفضل اور لقب جلال الدین ہے، فقہ و اصول عربیت اور تفسیر کے ماہر تھے، آپ کی ایک مشہور کتاب "الافہام، لما فی صحیح البخاری من الابہام" ہے، آپ ۸۲۴ھ میں فوت ہوئے۔
(بحوالہ شذرات الذہب جلد ۷ ص ۱۶۶)

[3] الباعث الحثیث ص ۱۴۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

روایتِ حدیث کے طریقے

اخذِ حدیث کے مذکورہ آٹھوں طریقے روایتِ حدیث کے احوال کی منظر کشی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ محدثین کی خاص اصطلاحات ہیں، مثلاً

اَدَاء جب شیخ اپنے شاگرد کو حدیث سناتا ہے تو اسے اصطلاحِ محدثین میں "اداء" کہتے ہیں۔

مؤدّی وہ شخص ہے جو شاگرد کو حدیث سناتا ہے (شیخ)

متحمّل وہ جو شیخ سے حدیث اخذ کرتا ہے، (شاگرد)

لہٰذا ایک ہی آدمی بیک وقت مؤدّی بھی ہو سکتا ہے اور متحمّل بھی، اگر شیخ کا اعتبار کیا جائے تو اسے متحمّل (شاگرد) کہتے ہیں، اور اگر اس کے شاگرد ہونے کا لحاظ کیا جائے تو اسے مؤدّی (شیخ) کہیں گے، مثال کے طور پر حضرت ابوبکر رضؓ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت کریں تو اُس وقت وہ شاگرد ہوں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیخ قرار پائیں گے، جب وہی روایت حضرت ابوبکر رضؓ حضرت علی رضؓ کو سنائیں گے تو پھر حضرت ابوبکر شیخ اور مؤدّی ہوں گے اور حضرت علی رضؓ شاگرد اور متحمّل ٹھہریں گے۔

چنانچہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ روایتِ حدیث، اخذ و تحمّلِ حدیث کے لیے فائدہ مند ہے، جو آدمی اخذِ حدیث کے آٹھوں طریقوں میں سے کسی طریقے سے بھی حدیث اخذ کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ انہی طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کے مطابق دوسروں تک پہنچائے، بشرطیکہ اس میں کوئی ایسی بات نہ پائی جاتی ہو، جو روایتِ حدیث کی صلاحیت کو رد کرے یا اسے کمزور کرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

علومِ حدیث پر کتابیں

علمِ حدیث ـــــ روایت و درایت

علمِ حدیث کی دو بڑی قسمیں ہیں، ایک روایت، دوسری درایت

۱۔ روایتِ حدیث ـــــ یہ علم ان تمام احادیث کی نقل و روایت پر حاوی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہوں خواہ وہ احادیث قولی ہوں، فعلی ہوں یا تقریری ہوں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صفت پر مبنی ہوں۔ قول مختار کے مطابق اس میں اقوال صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں [۱]

۲۔ درایتِ حدیث ـــــ ایسے مباحث و مسائل کا مجموعہ جس سے راوی اور مروی (حدیث) کا حال قبولیت یا عدم قبولیت کے لحاظ سے معلوم کیا جائے، درایت حدیث کہلاتا ہے۔ [۲]

۳۔ راوی ـــــ جو شخص اپنی سند کے ساتھ کوئی حدیث روایت کرتا ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، راوی کہلاتا ہے۔ [۳]

۴۔ مَروی ـــــ جو حدیث یا قول روایت کیا جائے، مروی، کہلاتا ہے۔ اور یہ عام ہے خواہ اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہو یا صحابہ

---

[۱]: النہل الحدیث ص ۳۵۔ التدریب ص ۳ [۲]: التدریب ص ۳، ۴۔ یہ تعریف حافظ ابن حجر عسقلانی سے منقول ہے۔ [۳]: الکفایہ ص ۹۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

وتابعین کی جانب ۔

۵۔ احوالِ راوی ــــ کسی راوی کے وہ حالات جن کو اس کی روایت قبول کرنے یا نہ کرنے میں معتبر سمجھا جاتا ہے ۔ ان کی تفصیل یہ ہے ۔

اس نے حدیث کس طرح سُنی اور کیسے روایت کی ؟ کیا وہ ثقہ راوی ہے یا اس پر جرح و تنقید کی گئی ہے ؟ وہ کہاں کا باشندہ ہے ؟ کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے ؟ کب پیدا ہوا ؟ کب وفات پائی ؟ وغیرہ ،

۶۔ احوالِ مَروی ــــ احوالِ مَروی سے وہ شرائط مُراد ہیں جن کا تعلق حدیث کے اخذ و روایت اور سند کے مُتصِل ، مُنقطِع یا مُعضَل ہونے سے ہے ۔ آئندہ فصلوں میں ان کا ذکر آئے گا ۔

جب کسی راوی یا مَروی کو مقبول یا مَردود کہا جاتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ مقبول وہ ہے جس پر عمل کرنا جائز ہے اور مَردود وہ ہے جس پر عمل ناجائز ہے بلکہ اس کے برعکس صرف نقل و روایت کے لحاظ سے مقبول یا مردود کہا جاتا ہے کسی راوی کے مقبول ہونے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس کی روایت قبول کرتے ہیں اور اس کے مَردود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روایت ہمارے نزدیک ناقابلِ قبول ہے ۔

بالکل اسی طرح مَروی (حدیث) کے مقبول ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ثابت ہے اور درست ہے ، مَردود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مشکوک ہے اور غیر صحیح ہے ۔

علم درایتِ حدیث کو علم اصول الحدیث ، بھی کہا جاتا ہے [1]

حدیثِ نبوی کے متن و عبارت کا مطالعہ اور کتب روایت کا حفظ و اہتمام اس وقت تک غیر مفید ہے جب تک اس کے ساتھ ساتھ درایتِ حدیث پر پوری

---

[1] :۔ المختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبداللطیف ص ۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

طرح غور و فکر نہ کر لیا جائے، یہی وہ فن ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال وغیرہ کا تاریخی اور تجزیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ درایتِ حدیث کا گہرا مطالعہ ہی ہماری اس کتاب کا موضوع ہے علمِ حدیثِ نبوی میں درایت حدیث کے علم کی وہی حیثیت ہے جو حیثیت قرآن مجید میں علمِ تفسیر کو حاصل ہے، یا جیسے احکام کا تعلق واقعات کے ساتھ ہے، حدیث کے ابتدائی دور میں درایتِ حدیث سے متعلق مباحث جداگانہ حیثیت رکھتے تھے لیکن اپنے موضوع، غرض و غایت اور طرز و انداز میں بھی اپنی مستقل حیثیت رکھتے تھے۔ پھر جب تدوینِ حدیث اور تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا تو ہر محدّث نے اس میں سے الگ الگ گوشے کو اپنا لیا اور اس طرح درایتِ حدیث سے متعلق علوم کئی اقسام میں منقسم ہو گئے لیکن 'علوم الحدیث' کا نام ان تمام اقسام پر محیط رہا۔

ذیل میں ہم ان سے بعض اہم علوم کی تفصیل بیان کریں گے۔

۱۔ علمِ جرح و تعدیل ان علوم میں سے ایک جرح و تعدیل کا علم ہے۔ اس علم میں خاص الفاظ کے ذریعے راویوں کی عدالت و ثقاہت یا ان کے عیب و ضعف سے بحث کی جاتی ہے۔ جرح و تعدیل اس علمِ درایتِ حدیث کے فن کا ثمرہ اور اس کی بہت بڑی سیڑھی ہے [۱]

اس فن پر عصرِ صحابہ سے لے کر متاخرین کے دور تک بہت سے علماء بحث کرتے آئے ہیں۔

تاریخی اور زمانی لحاظ سے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

---

[۱]:۔ محدث حاکم نے معرفت علوم الحدیث ص ۵۲ پر اٹھارہویں قسم میں بیان کیا ہے نیز الکفایہ باب الکلام علی العدالۃ و احکامہا ص ۸۱ — ۱۰۱ (باب الکلام فی الجرح و احکامہ ص ۱۰۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

(۱)۔ صحابہ کرام میں حضرت ابن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ) اور انس بن مالکؓ (متوفی ۹۳ھ) شامل ہیں۔

(۲)۔ تابعین میں سے امام شعبی (متوفی ۱۰۴ھ) اور ابن سیرین (متوفی ۱۱۰ھ)

(۳)۔ عہد تابعین کے آخر میں اعمش (متوفی ۱۴۸ھ)، شعبہ (متوفی ۱۶۰ھ) اور امام مالکؒ (متوفی ۱۷۹ھ)،

(۴)۔ ان کے قریبی طبقہ میں درج ذیل اصحاب شامل ہیں۔

ابن المبارک (متوفی ۱۸۱ھ)، ابن عیینہ (متوفی ۱۹۷ھ) عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ)

(۵)۔ علم جرح و تعدیل ان اصحاب کے زمانے میں اپنے کمال تک پہنچ گیا۔ یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (متوفی ۲۴۱ھ) فن جرح و تعدیل میں ابن سعد زہری بصری (متوفی ۲۳۰ھ) کی "طبقات ابن سعد" ایک جامع کتاب ہے۔ یہ پندرہ ضخیم جلدوں میں ہے، امام سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے اس کتاب کا اختصار کیا ہے جس کا نام ہے "ایجاز الوعد المنتقیٰ من طبقات ابن سعد"۔

امام بخاریؒ (متوفی ۲۵۶ھ) نے فن جرح و تعدیل میں تین تاریخیں مدون کیں[1]

علی بن المدینی (متوفی ۲۳۴ھ) نے دس جلدوں میں ایک تاریخ لکھی ہے، محدث ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ) نے ایک کتاب "فی اوہام اصحاب التواریخ" کے نام سے دس جلدوں میں لکھی ہے۔

---

[1]:۔ ان میں سے ایک "التاریخ الصغیر" ہندوستان میں ۱۳۲۵ھ میں چھپ چکی ہے۔ "التاریخ الکبیر" کی پہلی اور چوتھی جلد بھی ہندوستان میں ۱۳۶۰ھ اور ۱۳۶۱ھ میں شائع ہو چکی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) نے ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا نام ہے کتاب التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل۔

اس کے علاوہ بعض علمائے حدیث نے جرح و تعدیل ہی کے خاص دائرے میں محدود رہتے ہوئے کتب تالیف کیں۔

مثال کے طور پر العجلی (متوفی ۲۶۱ھ) اور زین الدین قاسم (متوفی ۸۷۹ھ) نے صرف ثقہ راویوں کے بارے میں کتابیں مرتب کیں ہیں۔

امام بخاری، امام نسائی اور ابن الجوزی نے ضعفاء اور متروک راویوں پر کتابیں تصنیف کیں۔ حسین بن علی کرابیسی شافعی نے سب سے پہلے مدلسین پر کتاب مرتب کی۔ اس کے بعد امام نسائی، امام دارقطنی اور امام سیوطی نے کتابیں لکھیں۔

محمد بن طاہر مقدسی نے صرف بخاری و مسلم کے راویوں سے متعلق ایک کتاب لکھی۔ محدث ذہبی نے 'الکاشف' نامی کتاب لکھی جو صحاح ستہ کے رُواۃ و رجال کے بارے میں ہے۔

۲۔ علم رجالِ حدیث — اس فن میں حدیثِ نبوی کے راوی ہونے کے لحاظ سے رُواۃ حدیث کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔[1]

اس فن پر سب سے پہلے امام بخاریؒ (متوفی ۲۵۶ھ) نے کام کیا تھا۔ ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) کی طبقات میں بھی اس فن پر کافی مواد موجود ہے عزالدین بن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) نے ساتویں صدی ہجری میں "اُسد الغابۃ فی اسماء الصحابہ" مرتب کی اگرچہ اس میں انہوں نے صحابہ کے علاوہ بھی دوسرے رُواۃ حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے "الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ" مرتب کی۔ جس کا اختصار ان کے شاگرد امام سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) نے "عین الاصابۃ" کے نام سے ترتیب دیا۔

---

[1] المنہل الحدیث للزرقانی ص ۱۰۰۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص ۹۶۔ ۱۰۰ فصل۔ کتب فی تواریخ الرجال والحوالہم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۳۔ علم مختلف الحدیث اس فن میں ان احادیث سے بحث کی جاتی ہے جن میں بظاہر تضاد و تناقض پایا جاتا ہے۔ اس فن کے ذریعے ایسی حدیثوں کے مابین جمع و توافق پیدا کیا جاتا ہے۔

جمع و توافق کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کسی مطلق حدیث کی تقیید کی جاتی ہے اور کبھی عام میں تخصیص پیدا کی جاتی ہے اور کبھی اسے تعدد واقعہ پر محمول کیا جاتا ہے اس فن کو "تطبیق حدیث" بھی کہا جاتا ہے [۱]

امام نووی نے "التقریب" میں لکھا ہے کہ:

علم حدیث میں یہ ایک اہم فن ہے، تمام علماء کو اس کے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس فن کا مقصد دو بظاہر متناقض اور متضاد حدیثوں میں جمع و توافق کی کوشش کرنا ہے یا ان میں سے کسی ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دینا ہوتا ہے اس فن میں صرف وہی علماء درک رکھتے ہیں جو فقہ و حدیث دونوں کے جامع ہو اور ماہر اصول ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے بھی ماہر ہوں۔ امام شافعیؒ نے اس فن پر سب سے پہلے کتاب لکھنے کا آغاز کیا مگر وہ مکمل نہ ہو سکی لیکن انہوں نے اس فن میں کام کرنے کی راہ دوسروں کے لیے کھول دی [۲]

مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لا عدوٰی" یعنی کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی۔ مگر دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ "کوڑھی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو"۔ اب یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ دونوں میں جمع و تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ بیماریاں از خود متعدی نہیں ہوتیں۔ لیکن مریض کے تندرست سے ملنے کو اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری کے متعدی ہونے کا سبب بنایا ہے بعض اوقات ایک تندرست آدمی کسی بیمار سے ملتا ہے اور

---

[۱]: المنہل الحدیث ص۔ ۱۱۔ توضیح الافکار ص۔ ۴۲۳۔

[۲]: التدریب ص۔ ۱۹۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

وہ بیمار نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح دوسرے اسباب کا حال ہے [1]

"مختلف الحدیث" کے موضوع پر امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ ساجی (متوفی ۳۰۷ھ) اور ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے کتابیں لکھی ہیں۔

۴۔ عِلَلُ الحدیث اس فن میں ان دقیق علل و اسباب سے بحث کی جاتی ہے جن کی بنا پر صحت حدیث میں قدح اور خامی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے جیسے منقطع حدیث کا موصول ہونا، موقوف کا مرفوع ہونا ایک حدیث کا متن دوسری حدیث کے متن میں داخل ہونا وغیرہ [2]

آئندہ چل کر جب ہم ضعیف حدیثوں کی قسموں میں سے "مُعَلَّل" پر بحث کریں گے تو یہ واضح کریں گے کہ وہ کون کون سے اہم علل و اسباب ہیں جن کی وجہ سے کوئی حدیث ضعیف قرار پاتی ہے، گو اس میں بظاہر کوئی عیب نظر نہ بھی آتا ہو۔

عِلَل الحدیث کے فن پر ابن المدینی (متوفی ۲۳۴ھ) امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ) علی بن عمر دارقطنی (متوفی ۳۸۵ھ) محمد بن عبداللہ حاکم (متوفی ۴۰۵ھ) اور ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے اہم کتابیں تصنیف کی ہیں۔

۵۔ غریب الحدیث یہ فن ان احادیث سے متعلق بحث کرتا ہے جن کا صحیح مفہوم بہت سے لوگوں پر اس لیے واضح نہیں ہوتا کیونکہ عربی زبان میں کچھ تغیر واقع ہو چکا ہے [3]

اس فن میں سب سے پہلے ابو عُبیدہ معمر بن المثنیٰ بصری (متوفی ۲۱۰ھ)

---

[1]: التدریب ص ۱۹۸۔ شرح نخبۃ الفکر از ابن حجر ص ۱۵

[2]: المنہل الحدیث ص ۱۱۔ الرسالۃ المستطرفۃ، بحث الکتب المؤلفۃ فی علل الحدیث۔

[3]: الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۱۵۔ توضیح الافکار جلد ۲ ص ۴۱۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نے ایک مختصر کتاب لکھی۔ اس کے بعد ابو الحسن نضر بن شمیل مازنی (متوفی ۲۰۴ھ) نے ایک کتاب تحریر کی۔ پھر ابو عبید قاسم بن سلام (متوفی ۲۲۳ھ) نے ایک ایسی کتاب مرتب کی جس کی ترتیب میں انہوں نے اپنی عمر کھپا دی۔ اس کے علاوہ ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) نے اس موضوع پر کتاب لکھی۔ پھر علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) نے اپنی کتاب "الفائق فی غریب الحدیث" لکھی۔ پھر مجد الدین المعروف ابن الاثیر (متوفی ۶۰۶ھ) نے "النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر" مرتب کی الازہری نے نہایہ کا ضمیمہ تحریر کیا۔ اس کے بعد امام سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) نے النہایۃ کا خلاصہ اپنی کتاب "الدر النثیر تلخیص نہایۃ ابن الاثیر" میں پیش کیا۔

۶۔ ناسخ و منسوخ یہ فن ایسی متعارض حدیثوں سے بحث کرتا ہے جن میں جمع و تطبیق کا امکان نہیں ہوتا اور ان میں سے بعض کو ناسخ اور بعض کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے [1]

بعض اوقات حدیث ناسخ کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، جیسے آپ نے فرمایا:

"میں تمہیں اس سے پہلے زیارتِ قبور سے منع کرتا تھا۔ مگر اب ان کی زیارت کیا کریں"۔

یا جیسے فرمایا کہ:

"میں تمہیں اس سے منع کرتا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کے لیے ذخیرہ کیا جائے۔ لیکن اب اجازت ہے کہ جتنا تم چاہو کھا لیا کرو"

اس حدیث کو امام مسلم نے بُریدہؓ سے روایت کیا ہے [2]۔

---

[1]: المنہل الحدیث ص ۱۱۔ الرسالۃ المستطرفہ ص ۶۰۔

[2]: شرح نخبۃ الفکر ص ۱۶

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ناسخ حدیث بعض اوقات علمِ سیرت و تاریخ کے حوالے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پچھنے لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے"۔

یہ حدیث حضورؐ نے فتح مکہ سے قبل جعفر بن ابی طالب کے بارے میں فرمائی تھی اور دوسری حدیث کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں کہ:

"آپؐ نے بحالت روزہ و احرام پچھنے لگوائے تھے"

حضرت ابن عباسؓ اپنے والد کے ہمراہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔

ناسخ و منسوخ احادیث پر درج ذیل علماء نے کتابیں تصنیف کیں۔

احمد بن اسحاق دینا ری (متوفی ۳۱۸ھ)، محمد بن بحر اصبہانی (متوفی ۳۲۲ھ) ہبۃ اللہ بن سلامہ (متوفی ۴۱۰ھ)، محمد بن موسیٰ حازمی[1] (متوفی ۵۸۴ھ) اور ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ)۔

---

[1] الحازمی کی کتاب "الاعتبار فی بیان ناسخ والمنسوخ من الآثار" حیدر آباد، مصر اور حلب میں شائع ہو چکی ہے، صفحہ ۱۶۹ کا حاشیہ ۲ بھی دیکھیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فصل

حدیث و سُنّت

اور

بعض دُوسری اصطلاحات

حدیث و سُنّت اگر ہم محدثین اور بالخصوص متاخرین محدثین کی رائے کو اختیار کریں تو حدیث و سُنت کے الفاظ مترادف قرار پائیں گے۔ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور دونوں کا مفہوم یہ ہے کہ کسی قول، فعل یا تقریر یا صفت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرنا۔ لیکن جب حدیث و سنت کے الفاظ کو ان کے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان کے مابین کچھ لغوی اور اصطلاحی فرق موجود ہے۔

لفظ حدیث کی لغوی بحث ابو البقاءؒ[1] کے نزدیک حدیث کا لفظ تحدیث سے اسم ہے۔ تحدیث کے معنی خبر دینے کے ہیں۔ پھر حضورؐ کے قول، فعل یا تقریر (وہ کام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا ہو اور آپؐ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو) کو حدیث کہا جانے لگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہو[2]۔ دورِ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاں حدیث کا لفظ خبر دینے کے معنوں میں مستعمل تھا۔ وہ اپنے مشہور ایام و واقعات کو "احادیث"[3] کہتے تھے مشہور نحوی الفراءؒ[4] غالباً

---

[1]:- پورا نام ایوب بن موسیٰ الحسینی الکفوی ہے۔ آپ قاضی رہے اور حنفی المسلک تھے ۱۰۹۳ھ میں فوت ہوئے اس وقت آپ بیت المقدس کے قاضی تھے۔ (ہدیۃ العارفین جلد ۱ ص ۲۲۹۔ ایضاح المکنون جلد ۱ ص ۲۵۱، ۳۸۰۔

[2]:- کلیات ابی البقاء ص ۱۵۲۔ [3]:- فتوح البلدان، للبلاذری ص ۳۹۔

[4]:- الفراء کا نام یحییٰ بن زیاد دیلمی ہے یہ کوفہ کے مشہور نحوی اور ادیب ہیں ان کی کتاب "معانی القرآن" بہت مشہور ہے ۲۰۷ھ میں فوت ہوئے (طبقات الزبیدی ص ۱۴۶)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس سے واقف تھا۔ اس کے نزدیک حدیث کی جمع اُحْدُوْثَة اور اُحْدُوْثَة کی جمع احادیث ہے[1] عربی کا محاورہ ہے کہ: "حَادَثَ اُحْدُوْثَةً یا حَادَثَ حَدِیْثًا" جس کا مطلب ہے فلاں چیز ضرب المثل بن گئی۔ ابو کلدہ نے ایک شعر میں مثل اور اُحْدُوْثہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان سے ان کے مترادف ہونے کا ثبوت ملتا ہے[2]

وَکَانَ تُقْبَحُوْا اُحْدُوْثَةً مِثْلَ قَاتِلٍ
بِهٖ یَضْرِبُ الْاَمْثَالَ مَنْ یَتَمَثَّلُ

(اس قاتل کی مانند ضرب المثل نہ بنو کہ جو کوئی مثال دینا چاہے تو اس کا نام پیش کر دیا جائے)

لفظ حدیث کے مادے کو جیسے بھی تبدیل کر دیں اس میں خبر دینے کا مفہوم ضرور باقی رہے گا[3]

قرآن مجید میں آیا ہے "فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖ" (سورۃ طور آیت۔ ۳۴)
یعنی اس کی مثل لاؤ۔

دوسری جگہ فرمایا کہ "اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا"

(اللہ نے احسن الحدیث کتاب نازل کی جو باہم متشابہ ہے۔ (الزمر آیت۔ ۲۳)

حدیث بمعنی ضدِ قدیم بعض اہل علم کے نزدیک لفظ حدیث میں جدت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس طرح حدیث، قدیم کی ضد ہوتی ہے۔ ان کے ہاں قدیم سے کتاب اللہ اور جدید سے حدیثِ رسولؐ مُراد لی جاتی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

---

[1]: قواعد التحدیث۔ ص ۳۵۔

[2]: الاغانی جلد ۲۱۔ ص ۱۵۰۔

[3]: الاغانی جلد ۱۴۔ ص ۴۷

[4]: الاغانی جلد ۱۰۔ ص ۱۲۰

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

شرعی اصطلاح میں حدیث سے وہ اقوال و افعال مُراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں۔ گویا لفظِ حدیث لفظِ قرآن کے مقابلے میں مستعمل ہوتا ہے کیونکہ قرآن قدیم ہے[1] (اور حدیث جدید ہے۔)

یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کتاب اللہ کو "حدیث" یا کلام اللہ کی بجائے ... "حدیث اللہ" کہنے سے احتراز کرتے تھے سُنن ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے جس سے اس طرزِ تعبیر کی تائید ملتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو چیزیں اہم ہیں۔ ایک کلام اور دوسرا طریقہ۔ بہترین کلام تو اللہ کا کلام ہے اور بہترین راستہ وہی ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم گامزن رہے[2]۔ اکثر کتبِ احادیث میں "اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ" کے الفاظ آئے ہیں اور ابن ماجہ نے جو احسن الکلام کے الفاظ نقل کیے ہیں تو وہ اس بارے میں منفرد ہیں۔ ممکن ہے کہ زہد و تقویٰ کی وجہ سے انہوں نے یہ اسلوبِ تعبیر اختیار کیا ہو۔ البتہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بعض علماء قرآن مجید کو جو کہ قدیم ہے، "حدیث" نہیں کہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس اپنے قول کو حدیث کا نام دیا ہے۔ اس طرح آپ نے یہ نام رکھ کر اسے ان تمام امور سے الگ کر دیا ہے جس کی نسبت حضورؐ کی جانب کی جاتی ہے اس طرح حضورؐ نے حدیث کی اصطلاح بھی پہلے ہی مقرر فرما دی تھی اور بعد میں آنے والے محدثین نے اس پر اتفاق کر لیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ قیامت کے روز آپؐ کی شفاعت سے کون بہرہ ور ہوگا؟

---

[1]: التدریب ۲ - ۴

[2]: سنن ابن ماجہ - حاشیہ از محمد فؤاد عبدالباقی جلد - ۱ - ۲ - ۱۸ حدیث نمبر ۴۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فرمایا مجھے معلوم تھا کہ ابو ہریرہؓ سے پہلے کوئی آدمی مجھ سے اس حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرے گا کیونکہ حدیث کے حصول میں وہ بہت حریص ہے[1]۔ (اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول کو حدیث کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے)۔

حدیث و سُنّت میں فرق

دینی اصل کے اعتبار سے لفظِ سُنّت لفظِ حدیث کا مترادف نہیں ہے۔ سُنّت کا اطلاق اس کے اصل لغوی معنی کے لحاظ سے اس دینی طریقے پر کیا جاتا ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گامزن رہے کیونکہ سُنّت کے لُغوی معنی راستے کے ہیں۔ لیکن لفظِ حدیث عام ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کے برعکس سُنّت کا لفظ حضورؐ کے اعمال کے لیے مخصوص ہے۔ دونوں الفاظ کے معانی میں اس فرق کے پیشِ نظر کبھی محدثین یوں کہتے ہیں کہ:

هٰذا الحدیث مخالف للقیاس والسنّة والاجماع	یہ حدیث خلاف ہے قیاس کے، سُنّت کے اور اجماع کے۔

کبھی اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ:

امام فی الحدیث و امام فی السنة و امام فیهما معًا[2]	فلاں شخص حدیث کا امام ہے فلاں سُنّت کا امام ہے اور فلاں دونوں کا امام ہے۔

زیادہ عجیب یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ کا مفہوم بالکل الگ الگ نوعیت کا معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ ابن ندیم نے ایک کتاب[3] کا نام ہی "کتاب السُّنن بشواہد الحدیث" بیان

---

[1]:۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق حدیث نمبر ۵۱

[2]:۔ مثال کے طور پر عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) کہتے ہیں کہ سفیان ثوری حدیث کے امام ہیں اور امام اوزاعی سُنّت کے اور امام مالک دونوں کے امام ہیں (زرقانی شرح مؤطا جلد ۱ ۔ ۴۵ ۔ ۴)

[3]:۔ الفہرست لابن الندیم ۔ ۲۳۰ ۔ ۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث اور سنّت کا مفہوم ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

لفظِ سُنّت کی لُغوی بحث

لفظ سُنّت سے طریقہ اور راستہ مراد لینا عربوں کے ہاں کوئی نئی چیز نہیں۔ ظہورِ اسلام سے پہلے بھی وہ اس لفظ کے مفہوم اور اس کی ضد بدعت[1] سے آشنا تھے بلکہ جب سُنّت کے لفظ کو اللہ کی طرف مضاف کرکے سُنّت اللہ، کہا جاتا ہے تو عرب اس سے بھی سُنّت کا مفہوم سمجھ لیتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب آیت ۶۲)

یہ اللہ کا طریقہ ہے جو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو گذر چکے ہیں۔

اسی طرح جب اہل عرب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ[2] کے الفاظ سنے تھے تو انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے آداب و اطوار مُراد ہیں۔

مدینہ منورہ دوسرے بلادِ اسلامیہ کی نسبت سُنّتِ نبوی کا سب سے بڑا مرکز تھا یہی وجہ ہے کہ اسے "دار السنۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ مدینے کے اطراف میں سُنّت کے مفہوم نے اجتماعی و سیاسی شکل و ہیئت کی بجائے ایک دینی رنگ اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جس نے مدینے میں کسی بدعت کا آغاز کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو"[3]

---

[1]: کتاب الاغانی جلد ۷ - ص ۱۱۹، ۱۱۴

[2]: سُنن ابن ماجہ جلد ۱ - ص ۱۶ - حدیث نمبر ۴۲

[3]: صحیح بخاری، باب الاعتصام، حدیث نمبر ۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس حدیث میں اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ جو آدمی جماعتِ مسلمین کا شیرازہ بکھیرنے کی کوشش کرے امیر کی اطاعت نہ کرے اور بدعت کو سنت کے مقابلے میں ترجیح دے تو اس سے اللہ اور رسول بیزار ہیں۔ یہاں حدث کا لفظ بدعت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا حدث و بدعت کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف اور سُنّت کی ضد ہیں:

ایک باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے وقت یہ کہہ سکتا ہے:

يَابُنَيَّ اِيَّاكَ وَالْحَدَث — اے میرے بیٹے! بدعت سے بچو۔

اس کے جواب میں بیٹا اتباعِ سُنّت کا ثبوت ان الفاظ میں پیش کر سکتا ہے۔

"میں نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ کوئی چیز ان کو بدعت سے زیادہ مبغوض ہو۔"[1]

اسی طرح جس آدمی کو بے دین تصور کیا جائے وہ اس الزام کی تردید ان الفاظ میں کر سکتا ہے کہ:

"میں نے بدعت کی راہ نہیں نکالی اور نہ ہی اطاعت سے انحراف کیا ہے۔"[2]

جلد ہی مسلمانوں نے بدعت کی محدود دنیا سے نکل کر اس کا جامع اور وسیع مفہوم لینا شروع کر دیا۔ مسلمان صرف مدینے کے دارالسنۃ ہی میں بدعتوں کے رواج سے نہیں گھبراتے تھے بلکہ انہیں یہ ڈر ہر جگہ کے لیے تھا جہاں تک اسلام کی دعوت پہنچی تھی۔ بہرحال حدث و بدعت میں کوئی خاص فرق نہیں۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ:

شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا[3] — بدعات بدترین امور ہیں۔

---

[1]: سنن ترمذی جلد۔ ۱۔ ۲۔ ۵۱

[2]: الاغانی جلد۔ ۲۱۔ ۲۔ ۱۴۴

[3]: سنن ابن ماجہ جلد۔ ۱۔ ۲۔ ۱۷ حدیث نمبر ۴۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نیز فرمایا کہ:

جس نے ہمارے اس امر (دین اسلام) میں کوئی نئی چیز ایجاد کی تو وہ مردود ہے [1]۔

سُنّت کی حفاظت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشادات کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ بدعات پیدا ہونے کا جو اندیشہ پیدا ہوا تھا، اسی نسبت سے حدیث اور سنت کی حفاظت کا شوق پیدا ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ جس مسلمان کا دل و دماغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے وابستہ ہو لیکن وہ اپنے آپ کو اُسوۂ حسنہ کے مطابق نہ ڈھالے [2] تو وہ اپنے ایمان میں سچا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی بارگاہِ الٰہی میں تقرب حاصل کر سکتا ہے۔

جو شخص حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرا تعلق رکھتا ہو ضروری ہے کہ وہ اتباعِ سُنّت کے جذبے سے سرشار ہو۔ وہ کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھے گا کہ کون سا فعل سنت نبوی کے زیادہ قریب ہے۔ مثلاً کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا [3] (ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکانا) اور محدث کے ہاں حاضر ہونے کے لیے دروازہ کھٹکھٹانا [4]۔ کثرت سے سلام کہنا لیکن دھیمی آواز کے ساتھ [5]۔ مجلس میں جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جانا [6]۔ مجلس کے درمیان میں بیٹھنے سے اجتناب کرنا [7]۔ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھنا [8] یہ اور اس طرح کی دوسری عاداتِ نبویہ جن کا ذکر حدیث کی

---

[1]:- سنن ابی داؤد جلد ۴ - ۲۸۰ - حدیث نمبر ۴۶۰۶ [2]:- صحیح البخاری، باب الاعتصام، حدیث نمبر ۷۲۸۱ سنن ابی داؤد جلد ۲ - ۲۶۸ حدیث نمبر ۲۲۵ [3]:- الجامع الاخلاق الراوی جلد ۲ - ۴۲

[4]:- الجامع جلد ۲ - ۲۴ [5]:- الجامع جلد ۲ - ۲۶

[6]:- الجامع جلد ۲ - ۲۸

[7]:- الجامع جلد ۲ ص ۲۸

[8]:- الجامع جلد ۲ ص ۲۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کتابوں میں کتاب الادب کے تحت کیا گیا ہے۔

عہدِ رسالت اور زمانۂ وحی کے بعد اب سلف صالحین سے مشابہت بھی ایک طرح سے سُنّت کی اتباع ہی ہے۔ جو لوگ سلف صالحین سے اس طرح مشابہت رکھتے تھے ان کو سلفی کہا جاتا ہے[1]۔ ان لوگوں نے سنت کے احیاء اور بدعت کے خاتمے[2] کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں تھیں۔ ہر دور کے دیندار لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مگر اہل بدعت اور غالی صُوفیاء داد بار کا تختۂ مشق ستم رہتے تھے۔ اس کے باوجود سلفی حضرات نے عوام کے سب مظالم خوشی سے برداشت کیے۔ ان کے لیے یہی بڑا اعزاز ہے کہ انہوں نے حدیث نبوی کو ضائع ہونے سے بچا لیا اور ان کی پوری پوری حفاظت کی۔

حدیث و سُنّت کا مترادف ہونا

یہ صحیح ہے کہ اکثر اوقات حدیث و سُنّت کے الفاظ کا اطلاق الگ الگ معنی و مفہوم پر بھی کیا جاتا ہے لیکن نقادانِ حدیث نے ہمیشہ ان دونوں کو مساوی و مترادف یا کم از کم قریب المعنی سمجھا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ بھی درست ہے اس لیے کہ عملی سنّت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ

---

[1]:۔ دیکھئے "المشتبہ فی اسماء الرجال" از حافظ ذہبی۔ شائع کردہ جونگ (JONG) ص ۲۶۹۔

[2]:۔ جیسا کہ مستشرقین کا عام طریقہ ہے کہ وہ جزئیات و تفصیلات کو پوری طرح سے بیان کر دیتے ہیں۔ مشہور مستشرق گولڈ زیہر (GOLD ZIHER) نے اس سلسلے میں تفصیلی معلومات جمع کیں کہ کس طرح مسلمانوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں سُنّت نبوی کو زندہ اور محفوظ رکھا ہے۔ اور پھر وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کا مقصد اس بات کا ثبوت بہم پہنچانا ہے کہ احیاء سُنّت سے مراد یہ لیا جاتا تھا کہ سنّت کی نشر و اشاعت کی جائے اور اسے لوگوں کے دل و دماغ میں اتارا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

علیہ وسلم ہی کے طور طریقے کا نام ہے۔ جسے آپ حکیمانہ اقوال و احادیث سے مؤثق و مؤید فرماتے تھے۔ پھر یہ کہ حدیث و سُنّت دونوں کا ایک ہی موضوع ہے۔ دونوں کا محور و مرکز مساوی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کے اقوال آپ کے اعمال کی تائید کرتے تھے، اور آپ کے اعمال سے آپ کے اقوال و فرمودات کی تائید ہوتی تھی۔

جب مذکورہ حقائق کو نقادانِ حدیث نے اپنے پیشِ نظر رکھا تو انہیں اس حقیقت کا برملا اعتراف کرنا پڑا کہ اگر وہ حدیث و سنّت دونوں کے اصلی مورد و منبع کو نظر انداز کر دیں تو استعمال کے لحاظ سے دونوں ایک جیسے ہیں اور ان میں باہم کوئی فرق نہیں ہے۔ ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اکثر محدثین نے ان کے مترادف ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا۔

خبر و اثر حدیث کا صحیح مترادف لفظ خبر ہے جو کہ سُنّت سے بھی موزوں تر ہے تحدیث و اخبار ایک ہی چیز ہے۔ حدیث نبوی در اصل وہ خبر ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ مگر ہوا یہ کہ علماء کو، مورّخ کو اخباری کہنے کی اصطلاح نے اس غلط فہمی میں ڈال دیا کہ حدیث کے عالم کو محدث اور تاریخ دان کو اخباری کہتے ہیں اس لیے حدیث تو وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو کسی اور ذریعے سے ماخوذ ہو۔ اس طرح انہوں نے حدیث و خبر کے درمیان عموم و خصوص کی منطقی نسبت قائم کر دی اور اس کے زیر اثر یہ قرار دیا کہ ہر حدیث خبر ہوتی ہے لیکن ہر خبر حدیث نہیں ہوتی[1]

جو محدثین حدیث و خبر کو مترادف سمجھتے ہیں ان کی دلیل ان دونوں لفظوں میں لغوی مفہوم کا اشتراک ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ راویانِ حدیث نے صرف وہی احادیث روایت نہیں کیں جو مرفوع ہیں اور جن کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک

---

[1] ۱۔ التدریب الراوی ص۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

پہنچتی ہے بلکہ صحابہ کرام کی موقوف روایات اور تابعین کی مقطوع روایات بھی نقل کردی ہیں۔ گویا رُواۃِ حدیث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول روایات بھی نقل کیں اور دوسروں سے ماخوذ اقوال و آثار بھی بیان کیے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ خبر کا اطلاق ان تمام (مرفوع، موقوف، مقطوع روایات) سب پر یکساں طور سے ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث کو خبر اور خبر کو حدیث کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسی طرح محدثین نے "اثر" کے لفظ کو دیکھا۔ اثر کا لفظ بھی خبر، سُنّت اور حدیث کا مترادف ہے۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے اَثَرْتُ الْحَدِیْثَ یعنی میں نے حدیث روایت کی۔ اثر کی جانب نسبت کرکے محدث کو اثری بھی کہا جاتا ہے۔[1] اس لیے "اثر" کو صحابہ و تابعین کے اقوال کے ساتھ مخصوص کردینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کیونکہ موقوف اور مقطوع روایات بھی اسی طرح نقل و بیان کی جاتی ہیں، جیسے مرفوع روایات۔ فرق صرف یہ ہے کہ موقوف روایت کو صحابی، مقطوع کو تابعی اور مرفوع کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اثر و خبر کے درمیان فرق کے ضمن میں بعض اور اصطلاحات بھی ہیں جن کو ہم نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے اصحاب سے بحث و مناظرہ نہیں کرنا چاہتے[2] ہم نے جمہور کی رائے پر عمل کرتے ہوئے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ یہ سب اصطلاحات مساوی اور مترادف ہیں اور ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے اور وہ ہے حدیث کی نقل و روایت فنِ اصولِ حدیث میں بھی بحث کا دارومدار ان دونوں (تحدیث اور اخبار) پر ہے۔

حدیث قدسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی تعلیمات سُناتے جو نازل شدہ وحی نہ تھی کہ اسے قرآن کا نام دیا جائے اور نہ ہی وہ آپ کے ذاتی اقوال

---

[1]: تدریب الراوی جلد۔ ۱ ص۴

[2]: تدریب الراوی جلد۔ ۱ ص۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جن کو آپ کی طرف منسوب کر دیا جائے اور حدیث نبوی کا نام دیا جا سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تعلیمات کا ذکر کرتے وقت صریح طور پر انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب فرماتے تھے۔ گویا آپؐ کے پیشِ نظر یہ مقصد تھا کہ یہ تعلیمات آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کر رہے ہیں اور ان میں آپ کا اندازِ کلام بھی قرآنی اسلوب سے جداگانہ نوعیت کا تھا۔ لیکن اس کلام پر تقدس کا ہالہ ہوتا ہے اور اس میں عالم الغیب کے نور کی جھلک نظر آتی ہے یہ کلام حدیث قدسیہ یا احادیث الٰہیہ و ربانیہ کہلاتی ہیں۔

حدیث قدسی کی مثال صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ روایت کرتے ہوئے فرمایا:۔

اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر اس کو حرام ٹھہرایا ہے کہ میں ظلم کروں اور تمہارے لیے بھی ظلم کرنا ممنوع قرار دیا ہے اس لیے تم ظلم نہ کرو اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر وہ کہ جسے میں ہدایت دوں۔ لہٰذا مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت دُوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے جسے میں فراہم کروں۔ اس لیے صرف مجھ سے کھانا طلب کرو، میں تمہیں کھانا دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب برہنہ ہو، سوائے اس کے جسے میں لباس پہناؤں۔ اس لیے صرف مجھ سے لباس طلب کرو، میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سارے گناہ معاف کرتا ہوں۔ اس لیے تم مجھ سے معافی طلب کرو، میں تمہیں معاف کروں گا۔ اے میرے بندو! تم مجھے نہ تو نقصان پہنچا سکتے ہو اور نہ نفع پہنچا سکتے ہو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد کے انسان اور جن تم میں سے متقی ترین آدمی کی طرح بن جائیں تو میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد کے انسان اور جن تم میں سے بدترین شخص کی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بن جائیں تو میری سلطنت میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پچھلے اور بعد کے انسان اور جن کسی میدان میں کھڑے ہوکر مجھ سے طلب کریں اور میں ہر ایک کو اس کی مراد پوری کر دوں، تو میرے خزانے میں اتنی کمی نہ ہوگی جتنی ایک سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! میں تمہارے اعمال کا پورا حساب رکھتا ہوں اور پھر ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ پس جو کوئی اپنے اعمال نامے میں بھلائی دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جو کوئی اس میں برائی پائے تو اپنے آپ ہی کو مورد الزام ٹھہرائے۔[1]

اس حدیث کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیما یرویہ عن ربہ کے الفاظ فرمائے ہیں۔ علمائے سلف نے حدیث قدسی کی روایت میں انہی الفاظ کو ترجیح دی ہے۔ متاخرین نے احادیثِ قدسیہ کو قال اللہ تعالیٰ فیما رواہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کیا ہے۔ معنوی طور پر دونوں عبارات کا ایک ہی حاصل ہے۔ فرق اگر ہے تو وہ "اصطلاح" مقرر کرنے کا ہے۔

احادیث قدسیہ کے انہی الفاظ یعنی یرویہ عن ربہ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حدیثِ قدسی کے الفاظ بھی من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ حدیثِ قدسی کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

ابوالبقاء کی رائے بھی یہی ہے وہ بڑی وضاحت سے کہتے ہیں کہ:

قرآن مجید وہ ہے جس کے الفاظ و معانی وحیٔ جلی کی صورت میں اللہ کی جانب سے نازل شدہ ہوں۔ جہاں تک حدیثِ قدسی کا تعلق ہے تو اس کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں اور اسی کے معنی و مفہوم الہام یا خواب کے

---

[1]:- ریاض الصالحین از امام نووی ص ۱۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے القاء ہوتے ہیں۔" [1]

"قرآن مجید" حدیثِ قدسی اور عام حدیث کے درمیان فرق کو عبدالعزیز دباغ نے عمدہ طریقے سے واضح کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"ان تینوں قسم کے کلام میں فرق موجود ہے اگرچہ یہ تینوں ہی حضورؐ کے لبِ مبارک سے ادا ہوئے ہیں اور ان سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی جھلک پائی جاتی ہے۔ قرآن کا نور قدیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا کلام قدیم ہے۔ حدیثِ قدسی کا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی طرف سے ہے جو قرآن کی مثل نہیں ہے کیونکہ قرآن کا نور قدیم ہے اور حدیثِ قدسی کا نور قدیم نہیں ہے اور جو نور عام حدیث میں ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی جانب سے ہے۔ اس طرح یہ تینوں نور ہیں۔ جو اضافت و نسبت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ قرآن کا نور اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف سے ہے۔ حدیثِ قدسی کا نور حضورؐ کی روح مبارک کی جانب سے ہے اور عام احادیث کا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی طرف سے ہے۔" [2]

---

[1]:۔ کلیات ابی البقاء ص ۲۸۸

[2]:۔ الابریز از علامہ سید احمد بن مبارک ص ۶۶

قواعد التحدیث از علامہ جمال الدین قاسمی ص ۴۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

راوی کی شرائط

کسی راوی کی روایت قبول کرنے کے لیے اس میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ عقل، ضبط، عدالت اور اسلام۔

لیکن اگر راوی میں یہ سب یا بعض شرطیں نہ پائی جاتی ہوں تو اس کی روایت قابلِ قبول نہ ہوگی۔ نقادانِ حدیث خواہ وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے، سب کے اقوال و آرا کا یہی خلاصہ ہے۔ اگرچہ متاخرین کی اصطلاحات میں زیادہ دقتِ نظر پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے متقدمین کی آرا کا جائزہ لے کر ان میں سے جن کو بہتر سمجھا اختیار کر لیا۔ متقدمین صرف عملی تطبیق کو اس سلسلے میں کافی سمجھتے تھے جب شعبہ بن حجاج (متوفی ۱۶۰ھ) سے پوچھا گیا کہ کون سے راوی کی روایت قبول نہ کی جائے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جب کوئی راوی معروف راویانِ حدیث سے اکثر غیر معروف حدیثیں بیان کرتا ہو تو اس کی روایت ناقابلِ قبول ہوگی۔ جب وہ متہم بالحدیث ہو یا اکثر غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہو تو اس کی روایت مردود ہوگی۔ اسی طرح جب وہ کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو بالاتفاق صحیح نہ ہو تو اس کی روایت ناقابلِ قبول ہوگی۔ اس طرح کے راوی کے سوا، باقی تمام راویوں کی روایات قبول کی جائیں گی۔ [1]

مذکورہ بیان میں شعبہ بن حجاج نے ثقہ راوی کے لیے دو شرطیں عائد کی ہیں۔ ایک ضبط کی اور دوسری عدالت کی۔ کیونکہ اکثر غلطیاں ضبط کی صفت کے خلاف ہیں۔

---

[1]:۔ معرفۃ علوم الحدیث، للحاکم ص۶۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اور متہم فی الحدیث ہونا عدالت کی صفت کے خلاف ہے۔

شعبہ بن حجاج نے اسلام اور عقل کی صفات کا ذکر اس لیے نہیں کیا ہے کہ صفتِ اسلام کے بغیر صفتِ عدالت متصور نہیں ہے۔ اسی طرح صفتِ ضبط کا تصور بھی صفتِ عقل کے بغیر معدوم ہے۔

متاخرین نقادانِ حدیث نے اصطلاحات اور معیارات کے لحاظ سے زیادہ باریک بینی اور صراحت سے کام لیا ہے۔ انہوں نے راوی کے لیے ایسی شرائط بیان کی ہیں جو عقلِ عام (common sense) کے مطابق ہیں۔ انہوں نے اس فن کو اس کی جزئیات اور تفصیلات میں مدون کر دیا ہے۔

شرطِ عقل راوی کے لیے صفتِ عقل کی شرط کا مطلب محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ راوی میں تمیز و شعور ہے اور اس سے ضمنی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ راوی کے لیے اخذِ روایت اور روایتِ حدیث دونوں کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے۔ لیکن جو لڑکا تمیز و شعور رکھتا ہے وہ لڑکپن میں اخذِ حدیث تو کر سکتا ہے لیکن روایت کو دوسروں تک بیان نہیں کر سکتا۔ لہٰذا عقل کی شرط لگاتے وقت بلوغت کی شرط کو اسی میں داخل سمجھا گیا ہے۔ اس لیے لڑکا اخذِ حدیث تو کرے گا مگر دوسروں تک روایت پہنچاتے وقت اس کا بالغ ہونا ضروری ہے۔ [1]

حضرت انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے لڑکپن میں احادیث سنیں اور پھر بڑے ہونے کے بعد انہوں نے وہ حدیثیں بیان کرنی شروع کیں اور یہ سب بڑے کثیر الروایت صحابہ میں سے ہیں۔ محمود بن ربیع کو یہ بات یاد رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک لٹکے ہوئے ڈول سے پانی لے کر پہلے اپنے منہ میں ڈالا اور پھر تبرک کے طور پر ان کے چہرے پر ڈالا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال

---

[1]:- الکفایہ ص ۵۲ - باب ماجاء فی صحۃ سماع الصغیر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فرمایا اس وقت محمود کی عمر پانچ برس تھی[1]

اس مسئلے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ کس عمر کو پہنچ کر حدیث بیان کی جائے۔[2] بعض محدثین پندرہ برس اور بعض نے تیرہ برس کی عمر بیان کی ہے۔ یہی رائے خطیب بغدادی نے بھی اختیار کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: "ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے"[3]

حدیث کے سماع میں عمر کی پابندی ہمارے نزدیک مختلف شہروں اور ملکوں کے اعتبار سے لگائی گئی ہے۔ اہلِ بصرہ کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب بچہ دس برس کا ہوتا تو اُسے احادیث لکھنے اور سننے کی اجازت دے دیا کرتے تھے[4]۔ اہلِ کوفہ بیس برس کی عمر میں حدیث کو روایت کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ اس سے قبل وہ حفظِ قرآن اور عبادات سکھاتے تھے[5] اس کے برعکس اہلِ شام تیس سال سے کم عمر آدمی کو احادیث لکھنے کی اجازت نہ دیتے[6]

ضبط اصطلاحِ محدثین میں ضبط سے مُراد ہے حدیث کو سُننا، اسے اچھی طرح سمجھنا اور ایسے طریقے سے ذہن میں محفوظ رکھنا جس میں شک و شبہ نہ ہو۔ اس کے علاوہ سماع کے وقت سے لے کر روایت کرنے تک اس صورتِ حال میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا ہو[7]

---

[1]:- الکفایہ ص ۵۶

[2]:- الجامع لاخلاق الراوی جلد ۲ ص ۱۷

[3]:- الکفایہ ص ۵۴

[4]:- الکفایہ ص ۵۵

[5]:- الکفایہ ص ۵۴

[6]:- الکفایہ ص ۵۵

[7]:- کسی راوی کی جدید و قدیم روایات میں بھی محدثین نے فرق کیا ہے کیونکہ بعض اوقات بڑھاپے میں آدمی کا حافظہ صحیح نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں محدثین یوں کہتے ہیں کہ "فلاں کا حافظہ عمر کے آخری حصے میں تبدیل ہو گیا" ملاحظہ ہو سُنن ابی داؤد جلد ۲۔ ص ۵۰۵ حدیث نمبر ۲۶۹۵۔ راوی کی اس حدیث کو اس لیے قبول نہیں کیا گیا کہ اس کا حافظہ آخری ایام میں خراب ہو چکا تھا۔ اور اس نے زیادہ روایات آخری عمر ہی میں بیان کی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مختصر یہ کہ ضبط میں دو اُمور پیشِ نظر ہوتے ہیں ایک قوتِ حافظہ اور دُوسرے دقتِ نظر اور غور و فکر۔

کسی راوی کی حالتِ ضبط معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس کی روایت کا تقابل دوسرے اصحابِ حفظ و ضبط اور ثقہ راویوں کی روایات سے کیا جائے تو اس کی روایت بھی ان کے موافق ہو۔ یہ موافقت لفظی ہونی چاہیے لیکن اگر معنوی موافقت ہو جائے تو بھی راوی کو ضابط سمجھا جائے گا۔ معمولی فرق کی چنداں اہمیت نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی راوی دوسرے ضابط اور ثقہ راویوں کی مخالفت بکثرت کرتا ہو اور موافقت کے مواقع بہت کم ہوں تو اس کے ضبط کو صحیح نہیں سمجھا جائے گا اور پھر اس کی حدیث بھی قابلِ حجت نہ رہے گی[1]

حقیقت یہ ہے کہ ثقہ اور ضابط راویوں کی خلاف ورزی راہِ اعتدال سے ہٹنے اور شذوذ کی علامت ہے اس میں شک نہیں کہ جو راوی شاذ روایات اخذ یا بیان کرتا ہے وہ بڑی بھاری ذمہ داری اٹھاتا اور بُرائی کا مرتکب ہوتا ہے[2]

شعبہ بن حجاج کہتے ہیں کہ:

"شاذ حدیث وہی بیان کرتا ہے جو خود شاذ ہوتا ہے"[3]

اللہ تعالیٰ نے علمِ حدیث کی خدمت کے لیے وہ علماء پیدا کیے جنہوں نے اس معاملے میں سخت احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے اور ان کے اس تشدد میں بھی بڑی حکمت پوشیدہ ہے انہوں نے صرف صحیح احادیث ہی نقل کیں اور صحیح حدیث کی پہچان صرف روایت کرنے ہی سے نہیں ہوتی بلکہ حفظ و فہم اور سماع کی کثرت سے ہوتی ہے[4] لہٰذا عبداللہ بن مبارک

---

[1]:۔ التدریب ص۱۱۰

[2]:۔ الکفایہ ص۱۴۰

[3]:۔ الکفایہ ص۱۴۱

[4]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۵۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ ایسے جھوٹے اور بدعتی شخص کی روایت اخذ نہ کی جائے جو بدعت کی طرف بلاتا ہو اور جو حافظہ نہ ہونے کے باوجود زبانی طور پر احادیث روایت کرتا ہو۔[1]

عدالت عدالت کی تعریف یہ ہے کہ راوی دینی معاملات میں ثابت قدم ہو، وہ فسق اور غیر شرعی کاموں سے مجتنب رہے۔[2] خطیب بغدادی نے عدالت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

عادل راوی وہ ہے جو فرائض کی پابندی کرتا ہو اور معصیت سے دور رہے۔ تمام معاملات میں طالب حق ہو اور غیر شرعی امور اور غیر اخلاقی کاموں سے پرہیز کرنے والا ہو جس شخص میں یہ صفات ہوں گی وہ دین میں عادل ہے اور روایتِ حدیث میں صفتِ صدق سے متصف ہے۔[3]

محدثین نے راوی کی عدالت ثابت کرنے اور تزکیۃ الشہود میں فرق کیا ہے۔ تزکیۃ الشہود میں دو افراد کی شہادت ضروری ہے اس کے برعکس ایک ہی ناقدِ حدیث کی شہادت سے راوی کی عدالت ثابت ہو سکتی ہے خواہ تعدیل کرنے والا (راوی کو عادل ثابت کرنے والا) مرد ہو یا عورت ہو آزاد ہو یا غلام ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بذات خود پسندیدہ ہو، اور صفتِ عدالت سے متصف ہو۔[4]

---

[1]: الکفایہ ص۱۴۳

[2]: توضیح الافکار جلد ۲ ص۱۱۸

[3]: الکفایہ ص۸۰

[4]: توضیح الافکار جلد ۲ ص۱۲۱۔ الفروق للقرافی جلد ۱/۵-۲۲ مطبوعہ ٹیونس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

امام فخر الدین رازیؒ[1] اور سیف الدین آمدیؒ[2] کی رائے بھی یہی ہے۔ اس کے برعکس بعض علماء کے خیال میں شاہد اور راوی کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ایک ہی شخص اگر دونوں کا تزکیہ کر دے تو ان دونوں کا عادل ہونا ثابت ہو جائے گا[3] قاضی ابوبکرؒ[4] اسی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ دراصل تزکیۃ الشہود بھی ایک طرح کی گواہی ہے۔ لہٰذا دو گواہوں کا ہونا تمام علماء کے نزدیک ضروری ہوتا ہے لیکن راوی کا تزکیہ و تعدیل ایک اختلافی امر ہے کہ کیا اس کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کافی ہے یا دو آدمی ہونے چاہئیں؟

کسی راوی کو عادل ٹھہرانے میں محدث کو بلند حوصلے سے کام لینا چاہیے اور اسے عدالتِ راوی کے مقابلے میں انسانی اخلاق کے معیار پر پرکھنا چاہیے۔ خطیب بغدادی نے اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضورؐ نے فرمایا ہے:

جس آدمی نے لوگوں سے کوئی معاملہ کیا اور ان پر ظلم نہ کیا۔ ان سے گفتگو کی مگر جھوٹ سے

---

[1]: امام فخر الدین رازی کا نام محمد بن عمر بن حسین ہے۔ کنیت ابو عبداللہ تھی۔ معقولات و منقولات کے بڑے امام تھے۔ آپ کی تفسیر کبیر بہت معروف ہے۔ کثیر التصانیف تھے۔ مشہور کتابوں میں ... "نہایۃ العقول" "المحصول فی علم الاصول" اور کتاب الاربعین فی اصول الدین" ہیں ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

[2]: سیف الدین آمدی کا نام علی بن محمد بن سالم آمدی اور کنیت ابو الحسن ہے۔ علم الاصول کے بڑے عالم تھے۔ بیس کتابوں کے مصنف تھے جن میں منتہی السول فی الاصول، دقائق الحقائق، ابکار الافکار، علم کلام پر ان کی مشہور تصانیف تھیں۔ آمد ایک شہر کا نام ہے جو دیار بکر میں ہے اسی نسبت سے آمدی کہلاتے ہیں۔ ۶۳۱ھ میں وفات پائی۔

[3]: توضیح الافکار جلد ۲ ص ۱۲۱

[4]: ان کا پورا نام محمد بن طیب بن محمد بن جعفر ہے۔ قاضی باقلانی کے نام سے مشہور ہیں اشاعرہ کے قائدین میں سے ہیں۔ "اعجاز القرآن" آپ کی معروف کتاب ہے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اجتناب کیا - وعدہ کیا اور اس کی خلاف ورزی نہ کی تو ایسا آدمی کامل اخلاق والا ہے اور ظاہر کے لحاظ سے عادل ہے - ایسے شخص سے اخوت واجب ہے اور اس کی غیبت کرنا حرام ہے - [1]

اس معیار سے واضح ہوتا ہے کہ راویوں کے ایسے عیوب سے چشم پوشی کرنی چاہیئے جن سے کسی انسان کا دامن پاک نہیں ہوتا، ہر راوی اور عالم کی اکثر باتیں لوگوں سے مخفی ہوتی ہیں، اور کم باتیں ہی دوسروں کو معلوم ہوتی ہیں -

خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں:

"ہر شریف آدمی، ہر عالم دین اور ہر بادشاہ میں کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوگا مگر ایسے لوگ بھی ہیں جن کے عیوب کا تذکرہ نہیں ہوتا" [2]

حضرت سعید بن مسیّبؒ [3] کا قول ہے کہ:

جس شخص کے محاسن اس کے عیوب سے زیادہ ہوں گے، اس کے عیوب اس کے فضائل کی وجہ سے معاف کر دیئے جائیں گے"۔

حسن ظن کی وجہ سے بعض علماء مستور الحال راوی کی روایت کے بارے میں کچھ سہل انگاری سے کام لیتے تھے، مستور الحال سے وہ شخص مراد ہے جو صاحب علم اور محنتی ہو، اور طلب علم میں بھی معروف ہو، ایسے آدمی کو ثقہ اور معتبر سمجھا جائے گا، الّا یہ کہ اس پر جرح معلوم ہو جائے۔ [4]

---

[1] الکفایہ ص ۷۸ - [2] الکفایہ ص ۷۹ -

[3] سعید بن مسیّب سید التابعین اور مدینے کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جاری کردہ احکام کے سب سے بڑے عالم تھے، انہیں "راوئ عمرؓ" بھی کہا جاتا ہے، حدیث وفقہ کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ زیتون کے تیل کی تجارت کا شغل رکھتے تھے، آپ کی وفات ۱۰۵ھ میں ہوئی، اکثر قول یہی ہے اور امام حاکم بھی یہی کہتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱ ص ۵۶)

[4] توضیح الافکار جلد ۲ ص ۱۲۶، ۱۲۷،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

"اس علم کے حامل بعد میں آنے والے عادل لوگ ہوں گے، جو مبالغہ کرنے والوں کی مبالغہ آرائی دُور کریں گے اور غلط کاروں کی غلط کاری کو درست کر دیں گے۔"[1]

لیکن محققین اصولیین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دفع فساد کی خاطر مستور الحال راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا،[2] لہٰذا راوی کا عادل ثابت ہونا ضروری ہے۔ راوی کے عیب ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی، البتہ راوی کے باطنی احوال کو بے نقاب کرنا محدثین کے بس میں نہیں ہے، اور وہ اس بارے میں بجا طور پر معذور ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ صفتِ عدالت، صفتِ تقویٰ سے الگ چیز ہے، کسی آدمی کی عدالت اس کے اعمال و افعال اور معاملات کو پرکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ جو شخص کسی راوی کی تعدیل اور توثیق کرتا ہے، خود اس کی اپنی عدالت کی بحث و تحقیق بھی ضروری ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کسی گواہ کی عدالت جانچنے کے لیے تحقیق و جستجو ضروری ہے۔ روایت کردہ حدیث صرف اسی صورت میں معتبر ہو سکتی ہے، جب عادل ٹھہرانے والا راوی کی توثیق و تعدیل کر دے، اس سلسلے میں درج ذیل واقعہ نہایت قابلِ غور ہے۔

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے گواہی دی، آپ نے فرمایا: "میں تمہیں نہیں جانتا ہوں، کسی ایسے شخص کو لاؤ جو تجھے جانتا پہچانتا ہو۔" حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا: میں اسے پہچانتا ہوں، آپؓ نے فرمایا: یہ کس کردار کا آدمی ہے؟ اس نے جواب دیا: "یہ شخص امانتدار اور عادل ہے۔" آپؓ نے فرمایا: کیا یہ تمہارا

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۱ ص ۱۵۔

[2] تدریب الراوی ص ۱۱۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

قریبی ہمسایہ ہے؟ جس کے شب و روز سے تم واقف ہو اور اس کی آمد و رفت سے باخبر ہو؟ اس نے جواب دیا، نہیں، آپؐ نے فرمایا: کیا اس نے کبھی تمہارے ساتھ کچھ لین دین کا معاملہ کیا ہے، جس سے آدمی کی دینداری معلوم ہو جاتی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں" آپؐ نے فرمایا کیا یہ شخص کبھی تمہارا ہم سفر رہا ہے کہ تمہیں اس کے اخلاق کی خبر ہو؟ اس نے کہا، "نہیں"، آپؐ نے فرمایا پھر تو تم اسے نہیں پہچانتے! اور اس آدمی سے کہدیا، کسی ایسے شخص کو لاؤ جو تمہیں جانتا پہچانتا ہو[1]

اس ایک واقعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محدثین کی طرف سے اہل بدعت[2] کی روایات کو قبول نہ کرنا ایک قابلِ فہم امر ہے اور اس میں تعجب کا کوئی پہلو نہیں ہے، اور اسی طرح بدکردار اور بے دین لوگوں کی روایات بھی ناقابلِ قبول ہوتی ہیں، لیکن مشاہیر کی روایات بغیر کسی نقد و جرح کے قبول کی جاتی ہیں، محدثین میں سے جو شخص معروف ہو اور سب لوگوں کی پسندیدہ شخصیت ہو تو وہ تعدیل سے بالا ہو جاتا ہے — مثال کے طور پر امام مالک بن انسؒ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری[4]، امام اوزاعی[5]، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد[6]، شعبہ بن حجاج، عبداللہ

---

[1] الکفایہ ص ۸۴ [2] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۱ ص ۱۸، [3] الکفایہ ص ۱۵۶۔

[4] یہ شیخ الاسلام، سید الحفاظ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری ہیں، ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ میں وفات پائی، (الرسالۃ المستطرفہ ص ۳۱)

[5] یہ شیخ الاسلام حافظ عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد ہیں، اوزاعی کے نام سے مشہور ہیں، ولید بن مزید نے آپ کے بارے میں کہا ہے کہ:

"تم ان اپنی اولاد کو وہ آداب نہیں سکھاتے جو امام اوزاعی نے خود ہی سیکھ لیے تھے" آپ ۱۵۷ھ میں فوت ہوئے، (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۸، ۱۸۳۔

[6] مصر کے شیخ محترم لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن الفہمی ابوالحارث جو کہ امام حافظ اور فقیہ تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بن مبارک، وکیع بن الجراح، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین وغیرہم۔

امام احمد بن حنبلؒ سے جب اسحاق بن راہویہ[1] کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا: اسحاق جیسے آدمی کے بارے میں مجھ سے پوچھا جا رہا ہے"!

اور محدث یحییٰ بن معین سے جب ابو عبید کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ:

مجھ جیسے آدمی سے ابو عبید کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے، لوگ تو ابو عبید سے دوسروں کے بارے میں معلوم کرتے ہیں[2]

محدثین کا طرز جرح و نقد و جرح کے بارے میں رکھتے ہیں وہ تعدیل سے زیادہ سخت ہے صحیح اور مشہور مذہب یہ ہے کہ محدثین تعدیل کو اس کا سبب بیان کیے بغیر قبول کرتے ہیں لیکن جرح بلا وجہ قبول نہیں کی جاتی[3] اس کا سبب یہ ہے کہ کسی کو ساقط العدالت یا فاسق قرار دینے میں لوگوں کے درمیان ——— بہت اختلاف ہوتا ہے۔ ویسے بھی نقد و جرح کا معاملہ بہت دشوار اور دقیق ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محدثین کسی راوی میں کوئی معمولی عیب دیکھتے ہیں اور اس کی روایت نہیں لیتے۔ حالانکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ عیب اس طرح کا نہیں ہوتا کہ اس سے راوی کی روایت کو رد کر دیا جائے یا اسے ساقط العدالت ٹھہرایا جائے[4]

---

[1]: یہ امام حافظ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ہیں۔ ابن راہویہ کے نام سے مشہور تھے۔ کنیت ابو یعقوب ہے۔ آپ کو ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ آپ نے ایک بہت بڑی مسند مرتب کی تھی۔ وفات ۲۳۸ھ میں ہوئی (الرسالۃ المستطرفۃ ص۴۹)

[2]: تدریب الراوی ص۱۰۹۔ [3]: امام سیوطی نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اسباب تعدیل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ بعض اوقات تعدیل کرنے والا کہتا ہے کہ اس نے فلاں فلاں گناہ کے کام نہیں کیے ہیں لیکن پھر ایسے تمام برے افعال کا تذکرہ کر دیتا ہے جو فسق سے متعلق ہیں۔ اس لیے یہ بڑا کٹھن کام ہے۔ (التدریب ص۱۱۱)

[4]: الکفایہ ص۱۰۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس سلسلے میں یہ امر ملحوظ رہے کہ جو شخص مباحات کا مرتکب رہا ہو اس کی روایت کے بارے میں محدثین نے انتہا پسندی سے کام لیا ہے، جیسے سڑکوں پر سیر و تفریح کرنا، بازاروں میں کھاتے پھرنا، زیادہ ہنسی مذاق کرنا[1] وغیرہ، شطرنج یا آلاتِ موسیقی سے تفریح کرنے کی بات تو اور بھی شدید ہے۔

اس ضمن میں شعبہ بن حجاج کہتے ہیں کہ:

"میں نے ناجیہ سے ملا جس سے ابو اسحاق نے احادیث روایت کی تھیں، میں نے اسے شطرنج کھیلتے دیکھا، اس پر میں نے ان سے روایت کرنا چھوڑ دی اور ایک آدمی کے واسطے سے ان سے احادیث روایت کرنا شروع کر دیں"۔

شعبہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"میں منہال بن عمرو کے ہاں آیا تو اس کے گھر میں طنبور کی آواز سنی اور واپس چلا گیا، افسوس! میں نے یہ خیال نہ کیا کہ شاید اسے اس کا علم ہی نہ ہو"[2]

جرح و تعدیل کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے مرتبین بالعموم اسبابِ جرح و نقد کا ذکر نہیں کرتے، وہ صرف یوں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں "ضعیف" ہے، "فلاں کچھ نہیں"، "فلاں متروک الحدیث" ہے وغیرہ۔ اور لوگ ان آراء پر اعتماد کرتے ہوئے ایسے افراد کی روایات قبول نہیں کرتے۔

لیکن انہی کتابوں کے تحقیقی مطالعے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ راوی پر جرح و نقد کا مقصد یہ نہ تھا کہ جرح پر اعتماد کر کے اس کی روایت کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ ناقد و جارح کا نقطۂ نظر صرف راوی کو مشتبہ قرار دینا اور اس کی روایت میں توقف کرنا تھا، چنانچہ ایسے شخص کی روایت اس وقت قبول کر لی جائے گی جب وہ شبہ دور ہو جائے اور راوی کو قابلِ اعتماد قرار دے دیا جائے گا[3]۔

---

[1] الکفایہ ص ۱۱۱

[2] الکفایہ ص ۱۱۱، ۱۱۲

[3] التدریب ص ۱۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بہر حال جو کچھ بھی ہے، قبولیتِ حدیث میں محدثین کی انتہا پسندی، دقتِ نظر اور تقویٰ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حدیثِ نبوی کے صرافوں کی نگاہ میں اس کی کیا قدر و قیمت اور اہمیت تھی، کیونکہ حدیث کوئی فضول کلام یا شعر و شاعری یا افسانہ نویسی نہ تھی، بلاشبہ حدیث دین ہے اور اس میں ناقل کا امین ہونا اور سماع کا صحیح ہونا شرط ہے۔

محمد بن سیرین کہتے ہیں:

"روایتِ حدیث دراصل دین کا معاملہ ہے، پہلے یہ دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔"[1]

اس سلسلے میں بعض علماء نے ایک مرفوع حدیث بھی پیش کی ہے:

"حضرت ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا: "اے عمرؓ کے بیٹے! دین کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو، یہ تمہارا گوشت اور خون ہے (گوشت پوست اور خون کی طرح تم میں رچا بسا ہے) اس لیے یہ دیکھو کہ تم کس سے یہ دین حاصل کر رہے ہو، ان لوگوں سے اسے حاصل کرو جو ثابت قدم ہیں، اور ان سے حاصل نہ کرو جو راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں۔"[2]

انہی ہدایات کے پیشِ نظر، جب اساتذۂ حدیث کے اخلاق و فضائل میں تفاوت ہوتا، تو حدیث کے طالب صرف انہی شیوخ سے سماع کرتے تھے، جو سیرت و کردار میں سب سے بہتر ہوتے تھے[3] وہ اصحابِ امانت و دیانت سے احادیث سنتے اور ضعفاء کی روایات کو چھوڑ دیتے تھے[4] وہ سندِ عالی کو ترجیح دیتے تھے، کیونکہ رسول اللہ

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی جلد ۱ ص ۱۵۔

[2] الکفایہ ص ۱۲۱۔

[3] الجامع جلد ۱ ص ۱۴۔

[4] الکفایہ ص ۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اسی میں پایا جاتا ہے اور اسنادی قرب ہی تقرب الی اللہ کا ثبوت ہے[1] ــــ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی قریبی سند میسر نہ آتی تو صحابہ و تابعین یا ائمہ عظام تک پہنچنے والی قریبی اسناد تلاش کی جاتی تھیں۔

محدثین اس حقیقت کو بھی جانتے تھے کہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں علم تر و تازہ تھا، ہر شخص اپنے آپ کو علم کے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا۔ علم کے محرکات اور دواعی عام تھے، اور اس کا بے پناہ ذوق و شوق تھا[2] سند عالی کے حصول کی خاطر ان کی جدوجہد اس لیے نہ تھی کہ اس میں کوئی خاص خوبی تھی، بلکہ اس لیے کہ اس کے ذریعے الفاظ اور متن کی صحت یقینی ہو جاتی ہے۔ جب کسی حدیث کے راویوں میں ذرا بھی شک و شبہ ہوتا تو اس کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دی جاتی، لہٰذا ضعفِ رجال کا قدرتی نتیجہ ضعفِ حدیث ہے۔ یہی سبب ہے کہ محدثین کے ہاں، جس حدیث کے راوی ثقہ ہوں مگر اس کی سند نازل ہو، اس حدیث کے مقابلے میں ترجیح رکھتی ہے جو اگرچہ عالی ہو مگر اس کے راوی ثقہ نہ ہوں[3]

اس سلسلے میں ابو بکر بن الانباری[4] کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

عِلْمُ النُّزولِ اکتبوہ فھو ینفعکم
دَعُوکُمْ کَتْبَہٗ ضَرْبٌ من الْعَنَتِ

---

[1] الجامع جلد ۱ ص ۱۳ پر محمد بن اسلم طوسی کے حوالے سے امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ سند عالی کی تلاش و جستجو سنت ہے، ہم آگے چل کر سند عالی و نازل کی تفصیل بیان کریں گے

[2] الجامع جلد ۱ ص ۱۱۔

[3] الجامع جلد ۱ ص ۱۴۔

[4] محمد بن محمد بن بشار المعروف ابو بکر بن الانباری بہت بڑے نحوی اور ماہر حدیث تھے، کثیر التصانیف تھے، ۳۲۸ھ میں، بغداد میں وفات پائی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

إِنَّ النُّزول اذا مَا كان عَنْ ثبتٍ
اعلىٰ لكم من علوٍّ غيرِ ذِي ثبتٍ [1]

(نازل حدیث لکھ لو وہ تمہیں فائدہ دے گی، اور اس کو معرض تحریر میں نہ لانا ایک طرح کی ہٹ دھرمی ہے، جب کوئی حدیث نازل ثقہ راویوں سے مروی ہو تو وہ اس عالی سند سے افضل ہے جس کے راوی ثقہ نہ ہوں)

بعض نقادانِ حدیث کی رائے میں سندِ نازل میں ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو سندِ عالی میں موجود نہیں ہوتی، لہٰذا ان کے نزدیک سندِ نازل کا سماع افضل ہے، اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جس قدر راوی اس سند میں آئیں گے، حدیث کی روایت کرنے والا ان سب کی چھان پھٹک اور جرح و تعدیل کرے گا اور اس طرح اسے سندِ نازل میں زیادہ کاوش کرنی پڑے گی، اس لیے اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ [2]

محدثین کے نقد و جرح کی دقتِ نظر کا عالم یہ تھا کہ وہ معاصرت (ایک ہی زمانے میں ہونا) کو تنقید کے لیے ایک رکاوٹ قرار دیتے تھے۔ ان کا تنقیدی معیار انتہائی کمال پر تھا، حد یہ ہے کہ جو لوگ ہم عصر تھے، وہ ان سے روایت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ [3] ان کے خیال میں معاصرین سے ربط و تعلق اور دوستانہ مراسم کی بنیاد حسنِ ظن پر ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف معاصرانہ چشمک سے بدظنی بھی پیدا ہو سکتی ہے، لہٰذا معاصرین کی جرح و تعدیل کو کسی حال میں بھی حقیقت پسندانہ اور منصفانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

---

[1] الجامع جلد ۱ ص ۱۴۔ ان اشعار میں علم النزول سے سندِ نازل کا علم مراد ہے، سندِ نازل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ائمہ حدیث سے زیادہ دور ہوتی ہے، کیونکہ اس میں درمیانی واسطوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔

[2] الجامع جلد ۱ ص ۱۱۔

[3] الکفایہ ص ۱۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ :

"میں ابھی بچہ تھا، کہ امام شافعیؒ سے ایک حدیث کا ذکر آگیا، تو انہوں نے پوچھا، یہ حدیث آپ نے کس سے سُنی ہے؟ میں نے کہا آپ سے، فرمایا: میں جو حدیث بھی آپ کو سُناؤں وہ ٹھیک ہے مگر زندہ لوگوں سے روایت نہ کیا کرو۔"[1]

ابن عون کہتے ہیں کہ :

میں نے شعبی سے عرض کیا "کیا میں آپ کو حدیث سُناؤں"؟ فرمایا: کیا تم زندوں سے روایت کرو گے، یا جو فوت ہو چکے ہیں اُن سے؟ میں نے کہا زندوں سے۔ شعبی نے فرمایا: "مجھے ان کی حدیثیں نہ سُناؤ جو زندہ ہیں"[2]

حدیث کے ان ماہرین نے نقد و جرح اور تعدیل کی کئی اصطلاحات وضع کیں۔ ان اصطلاحات کے تنوّع سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حدیث کے تمام راوی ضعف و ثقاہت میں یکساں نہیں ہوتے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بالترتیب ۱۲ اصطلاحات مقرر کی ہیں[3] جو درج ذیل ہیں :

۱۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم۔

۲۔ جس راوی کا ذکر "افعل التفضیل" سے کیا جائے جیسے "اَوْثَقُ النَّاسِ" (تمام لوگوں میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اور ثقہ آدمی۔

یا جس راوی کی صفت دوبارہ لائی جائے، جیسے "ثِقَةٌ، ثِقَةٌ"

---

[1] الکفایہ ص ۱۴۰۔

[2] الکفایہ ص ۱۳۹۔

[3] ملاحظہ ہو خلیہ تقریب التہذیب، ہم نے مختصر طور پر بیان کر دیا ہے، اس کے علاوہ ملاحظہ ہو الباعث الحثیث ص ۱۱۸، ۱۱۹ ۔ توضیح الافکار جلد ۲ ص ۲۶۱، ۲۷۱۔ مقدمہ کتاب الجرح والتعدیل از ابن ابی حاتم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یا جُدا جُدا دو صفتیں ہوں، جیسے ثِقَۃٌ حَافِظٌ۔

۳۔ جس راوی کی ایک ہی صفت بیان ہوئی ہے، جیسے ثِقَۃٌ، یا ثَبَتٌ یا مُتْقِنٌ۔

۴۔ جس کے درج ذیل قسم کے صفات ہوں، جیسے صدوق، لَا بَأْسَ فِیْہِ، یا لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ وغیرہ۔

۵۔ جو مذکورہ بالا راویوں کی اقسام سے کمتر درجے کے ہوں، اس کے لیے یُوں کہہ دیتے ہیں، جیسے صَدُوْقٌ سَیِّئُ الْحِفْظِ، صَدُوْقٌ یُھِمُ، لَہٗ اَوْھَامٌ، یُخْطِئُ، تَغَیَّرَ بِاٰخِرَۃٍ۔

بدعتی رُواۃِ حدیث بھی اسی قسم میں داخل ہیں۔

۶۔ جس راوی سے بہت کم حدیثیں مروی ہیں اور اس میں کوئی ایسی بات موجود نہ ہو، جس کی وجہ سے اس کی روایت چھوڑی جا سکے۔ اسے لَیِّنُ الْحَدِیْث کہا جاتا ہے۔

۷۔ ایسا راوی جس سے ایک سے زیادہ افراد نے روایت کی ہو، مگر اس کی توثیق و تعدیل نہ کی گئی ہو۔ اسے مستور یا مجہول الحال کہا جاتا ہے۔

۸۔ جس راوی کی توثیق و تعدیل کسی نے نہ کی ہو اور اسے وجہ بتائے بغیر ضعیف کہا گیا ہو، تو اصطلاح میں اسے "ضعیف" کہا جاتا ہے۔

۹۔ جس راوی سے صرف ایک ہی شخص نے روایت لی ہو اور اس کی توثیق و تعدیل نہ کی گئی ہو، ایسے راوی کو مجہول کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ وہ راوی جس کی توثیق و تعدیل نہ کی گئی ہو اور سبب قادح بیان کر کے اسے ضعیف کہا گیا ہو، ایسے راوی کو "متروک"، یا "متروک الحدیث" یا "واہی حدیث" یا ساقط کہا جاتا ہے۔

۱۱۔ جس پر جھوٹ کا الزام ہو، اسے مُتَّھَمٌ یا مُتَّھَمٌ بِالْکِذْبِ کہا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۱۲ - اس آخری قسم میں وہ راوی شامل ہیں، جن کو کذب یا وضع کا مرتکب قرار دیا گیا ہو۔ ان لوگوں کو کذاب یا وضاع کہا جاتا ہے، کبھی یضع الحدیث بھی کہتے ہیں اور کبھی صاکذبہ اور اس طرح کے دیگر الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

نقادانِ حدیث کی مقرر کردہ اصطلاحات کے پیشِ نظر راویانِ حدیث کی شرائط میں مزید باریک بینی اور حزم و احتیاط کا تسلسل تیسری صدی ہجری کے آخر تک بڑی سختی کے ساتھ جاری رہا۔ اس عرصے میں سماعِ حدیث کے لیے بہت آسانیاں میسر آگئی تھیں یہ اصلاحات بالعموم شیوخ اور تلامذہ سب کی زبانوں پر جاری ہوگئی تھیں تیسری صدی ہجری کے بعد راویانِ حدیث نے ان شرطوں میں کچھ کمی اختیار کرنی شروع کر دی۔ اب وہ کسی راوی کی تعدیل کے لیے صرف عقل، بلوغ، اسلام، حفظ و ضبط اور عدمِ فسق کو کافی سمجھنے لگے۔ اس تمام تر عرصے میں شیوخِ حدیث سے روایت بالمشافہ سُن کر نہیں بلکہ کتابوں سے دیکھ کر کی جاتی تھی[1]

راویانِ حدیث میں اسلام کی شرط تشریح کی محتاج نہیں ہے اور اس شرط کی غرض و غایت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ راوی ایسی احادیث بیان کرتا ہے جو دین کے احکام اور مصالح سے متعلق ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں احتیاط کا یہ تقاضہ ہے کہ ان کی روایت کرنے والا بھی ایسا شخص ہو جو یہ جانتا ہو کہ ان احکام کو لوگوں تک پہنچانا اور سمجھانا کتنا ضروری ہے لیکن اسلام کی شرط کا کسی راوی میں پایا جانا روایت کے پہچاننے کے وقت تو ضروری ہے۔ مگر شیخ سے روایت اخذ کرتے وقت ضروری نہیں ہے۔[2]

جُبَیر بن مُطعِم رضی اللہ عنہ کی وہ روایت قبول کی گئی ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سُورۃ طُور کی قرارت کرتے سُنا تھا جب کہ وہ اس وقت

---

[1]:- اختصار علوم الحدیث ص ۱۱۹

[2]:- الکفایہ ص ۷۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بدر کے قیدیوں میں سے ایک قیدی تھے۔ اور جنگِ بدر کے موقع سے پہلے تک اسلام نہیں لائے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جُبیرؓ نے خود فرمایا تھا کہ "وہ پہلا موقع تھا جب میرے دل میں ایمان کا احساس بیدار ہوا تھا"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

اَقسامِ حدیث

حدیث کی دو اقسام ہیں : ایک مقبول اور دوسری مَردود

۱۔ مَقبُول صحیح حدیث کو مقبول کہا جاتا ہے۔

۲۔ مَردُود ضعیف حدیث کو مَردُود کہا جاتا ہے۔

حدیث کی طبعی تقسیم یہی ہے اور اس کے تحت بہت سے قسمیں آتی ہیں اور ان سب کے درجات و مراتب میں صحت و ضعف، راویوں کے احوال اور متونِ حدیث کے لحاظ سے بہت زیادہ فرق موجود ہوتا ہے۔

لیکن محدثین نے حدیث کی سہ گونہ تقسیم بھی کردی ہے جسے وہ پہلی تقسیم کے مقابلے میں زیادہ بہتر خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ کوئی حدیث ایسی نہیں جو ان تینوں قسموں میں داخل نہ ہو۔

وہ تین قسمیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ صحیح

۲۔ حسن

۳۔ ضعیف[1]

اب ظاہر ہے کہ حدیثِ حسن پہلے قول کے اعتبار سے پہلی دونوں قسموں (صحیح ضعیف) میں سے کسی ایک میں ضرور شامل ہوتی ہے لہٰذا جیسا کہ امام ذہبی نے امام بخاری

---

[1] : التدریب ص۱۳۔ توضیح الافکار جلد ۱ ص۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اور امام مسلم کے حوالے سے بیان کیا ہے[1] اور تینوں حضرات نے حدیث حسن کو بھی حدیث صحیح کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس امام احمد بن حنبل نے حدیث حسن کو حدیث ضعیف قرار دیا ہے[2] مگر اس پر عمل کرنا جائز ٹھیرایا ہے اور قیاس کے مقابلے میں قابل ترجیح قرار دیا ہے۔ دوسرے رائے کے مطابق حدیث حسن حدیث کی الگ قسم ہے جو صحیح سے کمتر اور ضعیف سے افضل ہوتی ہے۔

موضوع اس حدیث کو کہتے ہیں جو خود گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کی جانب منسوب کر دی جائے، ہم نے موضوع کو حدیث کی اقسام میں شامل نہیں کیا ہے، کیونکہ یہ واقعہ میں حدیث ہی نہیں ہے، صرف اس کا وضع کرنے والا اسے حدیث کے طور پر پیش کرتا ہے[3] جس موضوع روایت کو ثابت

---

[1] امام ذہبی نے اس کے لیے یہ دلیل دی ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جن راویوں سے احادیث روایت کی ہیں ان میں کم درجے کے راوی تو ممکن ہیں لیکن ان میں سے کوئی راوی بھی متہم بالکذب نہیں، پھر کم درجہ ہونے کی صورت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے یہ شرط عائد کی کہ اس کی تائید کسی ایسی حدیث سے ہوتی ضروری ہے، جو بالکل صحیح ہو، صحیحین میں صرف صحیح احادیث ہی موجود ہیں، لہٰذا جن احادیث پر صفت حسن کا غلبہ ہے انہیں بھی صحیح احادیث میں شامل سمجھنا چاہیئے۔

[2] محدثین نے ضعیف کی دو قسمیں کی ہیں:

ایک وہ ضعیف حدیث جو متروک العمل ہوتی ہے اور اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا ہے اور کثیر الغلط ہوتا ہے۔

دوسرے وہ ضعیف حدیث جو متروک العمل نہیں ہوتی، اسے حسن کہا جاتا ہے اس کا راوی متہم بالکذب اور کثیر الغلط نہیں ہوتا، بلکہ صرف حفظ و ضبط میں کمزور ہوتا ہے۔

[3] اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کر دیا جائے کہ وہ موضوع ہے تو پھر اسے حدیث نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ثبوتِ وضع سے پہلے تحقیق کے نتیجے کے انتظار میں اسے موضوع کہا جا سکتا ہے، تحقیق کے بعد اگر ضعف ثابت ہو تو اُسے ضعیف حدیث میں شمار کیا جائے گا اور سببِ ضعف بھی بیان کیا جائے گا، یا اس کا موضوع ہونا ثابت ہو جائے گا اور اس صورت میں اُسے حدیث نہیں کہیں گے، جس وقت "حدیثِ موضوع" کے الفاظ پڑھے یا سُنے جائیں تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اب بطورِ حدیث اس کی نقل اور روایت کرنا حرام ہے۔

حدیث کی مذکورہ بالا تینوں اقسام یعنی صحیح، حسن اور ضعیف کے تحت حدیث کی بہت سی اقسام آتی ہیں، ان میں بعض خالص صحیح، حسن اور ضعیف ہیں، اور بعض صحیح و حسن میں مشترک ہوتی ہیں، اور بعض وہ بھی ہیں جو یکساں طور پر تینوں ہی میں مشترک ہوتی ہیں، پھر حدیث کی ان خالص یا مشترک قسموں کے لیے الگ الگ اصطلاحات ہیں، انہی اصطلاحات کو علوم یا انواع کہا جاتا ہے، محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ تمام قسمیں بے شمار ہیں [1]

محدث حازمیؒ[2] فرماتے ہیں کہ:

(صفحہ گذشتہ سے) [1] امام سیوطیؒ کہتے ہیں کہ۔ "ہم نے موضوع کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ وہ اصطلاح میں حدیث ہی نہیں ہوتی اگرچہ اس کا واضع اس کے حدیث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے" (التدریب ص۱۳) اس سے ہمارے اس مذکورہ قول کی تائید ہوتی ہے کہ موضوع حدیث اصل میں حدیث ہی نہیں ہوتی۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] التدریب ص ۹۔

[2] ابوبکر محمد بن موسیٰ بن حازم ہمدانی ایک بڑے امام، حافظ حدیث اور انساب کے ماہر تھے۔ بغداد میں ۵۸۴ھ میں فوت ہوئے، بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، آپ کی مشہور کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ فی الآثار" ہے، آپ کی ایک تصنیف "العجالہ" ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"علم حدیث کی ایک سو کے قریب قسمیں ہیں، ان میں سے ہر ایک مستقل علم ہے اگر کوئی طالب حدیث ان میں سے کسی ایک علم پر اپنی تمام عمر صرف کر دے، جب بھی وہ ان کے درجۂ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔[1]

جب محدث ابن الصلاح نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" تالیف کی تو انہوں نے علم حدیث کی ۶۵ قسمیں بیان کیں اور پھر یہ لکھا کہ:

"علم حدیث کی تمام قسمیں یہیں پر ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ ان کا تنوع بے حد و شمار ہے، کیونکہ راویوں کے حالات و اوصاف کو محدود نہیں کیا جا سکتا اور متن حدیث کے احوال و صفات کا احاطہ بھی ممکن نہیں ہے۔"[2]

لیکن ابن کثیرؒ نے اسی کتاب کی جو تلخیص کی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ جن قسموں کا ذکر ابن الصلاح کرتے ہیں وہ ایک دوسری میں ضم ہو سکتی ہیں، لہٰذا حدیث کی اقسام کا یہ پھیلاؤ صحیح نہیں ہے، پھر انہوں نے اپنے نقطۂ نظر سے انواع حدیث کو نئے سرے سے مرتب کیا ہے۔[3]

ہم آگے چل کر حافظ ابن کثیرؒ کی ترتیب نو پر نقد و تبصرہ کریں گے، اگرچہ ہماری اس کتاب کا سب سے بڑا ماخذ ابن کثیرؒ کی یہی کتاب ہے، لیکن ہم نے اس کے مشتملات پر ہر جگہ اتفاق نہیں کیا بلکہ بعض جگہ اختلاف بھی کیا ہے۔

ہماری رائے میں علامہ جمال الدین قاسمی[4] نے "قواعد التحدیث" میں حدیثوں کی جو قسمیں بیان کی ہیں، وہی عقل و منطق سے زیادہ قریب ہیں، انہوں نے حدیث کے بعض ایسے انقلاب کا ذکر کیا ہے، جس میں صحیح اور حسن، سب

---

[1] التدریب ص ۹

[2] اختصار علوم الحدیث ص ۱۹، ۲۰،

[3] اختصار علوم الحدیث ص ۲۰،

[4] شام کے مشہور علامہ جمال الدین قاسمی جو کئی کتابوں کے مصنف تھے ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

شامل ہیں[1] حدیث کی بعض اقسام ایسی ہیں، جن میں صحیح حسن اور ضعیف سب شریک ہیں[2] بعض اقسام ضعیف کے ساتھ مخصوص ہیں، یہی تقسیم ہمیں پسند ہے، اور ہماری یہ کتاب بہت بڑی حد تک "قواعد التحدیث" سے مستفاد ہے، البتہ قاری کو یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ ہم ہر جگہ اصطلاحات اور اقسام میں علامہ شام جمال الدین قاسمی سے متفق نہیں ہو سکے ہیں، بلکہ کئی مقامات پر اختلاف بھی کرتے ہیں، اور متقدمین کا فیصلہ یہ ہے کہ:

لَا مُشَاحَّةَ فِي الْاِصْطِلَاحِ[3] اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

ہم نے اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہے کہ وہ ہمیں نہایت واضح انداز میں حدیث کی اصطلاحات پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اس تقسیم میں کسی قسم کا التباس و ابہام نہ رہے، اور نہ ہی حدیث کی بعض اقسام دوسری سے مشتبہ ہوں۔

یہاں ہم صرف اہم مسائل و مباحث ہی بیان کریں گے، اور خواہ مخواہ کی لفظی بحث اور جھگڑے میں اُلجھنے سے بچنے کی کوشش کریں گے،

---

[1] قواعد التحدیث ص ۸۸۔

[2] قواعد التحدیث ص ۱۰۴۔

[3] قواعد التحدیث ص ۱۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

صحیح حدیث کی تعریف

۱۔ صحیح حدیث صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے :

اَلْحَدِیْثُ الْمُسْنَدُ الَّذِیْ یَتَّصِلُ	صحیح وہ مُسند حدیث ہے جسے صاحبِ
اِسْنَادُہٗ بِنَقْلِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ	عدالت اور ضابط راوی دوسرے عادل اور ضابط
عَنِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ حَتّٰی یَنْتَہِیَ	راوی سے روایت کرے، یہاں تک کہ وہ
اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم	اسناد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا
اَوْ اِلٰی مُنْتَہَاہُ مِنْ صَحَابِیٍّ اَوْ مَنْ	صحابی و تابعی تک پہنچ جائے اور وہ
دُوْنَہٗ وَلَا یَکُوْنُ شَاذًّا وَّلَا مُعَلَّلًا[1]	شاذ یا معلّل بھی نہ ہو۔

مذکورہ بالا تعریف میں چند اُمور قابلِ توجہ ہیں :

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ صحیح حدیث وہ ہے جو مُسنَد ہو[2] مُسند وہ حدیث ہے جو اپنے راوی سے لے کر آخر تک مربوط اور متصل ہو، مُسند کو موصول یا متّصل بھی کہا جاتا ہے

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۲۱۔

[2] محدثین کبھی مسند اور متصل میں بھی فرق کرتے ہیں کہ مسند لازمی طور پر مرفوع حدیث ہوتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس متصل وہ حدیث ہے جس کی تمام کڑیاں ملی ہوئی ہوتی ہیں، گویا ہر راوی نے پہلے راوی سے خود سُنا ہو، اگرچہ وہ مرفوع حدیث ہو یا موقوف جو کہ صحابی تک پہنچتی ہے اور خواہ منقطوع ہو جو کہ تابعی تک پہنچتی ہے۔ (التدریب ص ۶۰)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس لیے وہ حدیثِ مرسل جس میں صحابی کا نام موجود نہ ہو وہ متصل نہیں ہے، بلکہ راجح مذہب کے لحاظ سے وہ ضعیف کہلائے گی، صحیح نہ ہوگی، کیونکہ اس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہوتا ہے یا اس کی سند میں کسی مبہم شخص کا ذکر ہوتا ہے، ابہام و سقوط میں معنوی طور پر کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا وہ حدیثِ معضل جس کی سند میں دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوتے ہیں، حدیثِ صحیح نہیں ہوتی،

(۲) دوسری بات یہ کہ صحیح حدیث شاذ نہیں ہوتی، شاذ وہ روایت ہے جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہو، یہ آگے چل کر ہم شذوذ کی بحث میں تفصیلی طور پر بیان کریں گے۔

(۳) صحیح حدیث معلّل بھی نہیں ہوتی، معلّل وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی علّتِ قادحہ یا خامی پائی جاتی ہو جس سے حدیث کی صحت متاثر ہوتی ہو، اگرچہ ظاہری طور پر اس میں کوئی نقص موجود نہ ہو۔

(۴) صحیح حدیث کی سند کے تمام راوی صاحبِ عدالت و ضبط ہوتے ہیں۔ اگر کسی ایک راوی میں بھی ضبط و عدالت مفقود ہو تو وہ حدیث صحیح نہ ہوگی ضبط و عدالت کی بحث ہم نے راوی کی شرائط کے باب میں تفصیل سے بیان کر دی ہے۔

حدیثِ صحیح کی دو اقسام

۱۔ صحیح لذاتہ: جس میں اعلیٰ درجے کی صفاتِ قبول پائی جاتی ہوں۔

۲۔ صحیح لغیرہ:۔ وہ حدیث جس میں اعلیٰ درجے کی صفات موجود نہ ہوں لیکن کسی اور وصف کی وجہ سے اسے صحیح قرار دیا گیا ہو جیسے حدیثِ حسن جب کئی طرق سے مروی ہو تو وہ حسن کے درجے سے ترقی کر کے صحیح حدیث کے درجے کو پہنچ جاتی ہے[1]

---

[1]:۔ قواعد التحدیث ص ۵۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جس طرح حدیث حسن کو مُسند و متّصل کہا جاتا ہے۔ اسی طرح متواتر آحاد، مشہور اور غریب بھی کہتے ہیں۔ آئندہ ہم دیکھیں گے کہ حدیث کے بہت سے اوصاف ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں صحیح اور حسن دونوں مشترک ہیں۔ اور کچھ اصطلاحات ایسی ہیں جو صحیح، حسن اور ضعیف تینوں اقسام کو شامل ہوتی ہیں۔

متواتر حدیث متواتر وہ حدیث ہے جسے ایک ایسی جماعت نے روایت کیا ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً و عادۃً محال ہو۔ اور جس دوسری جماعت سے روایت کی گئی ہو وہ بھی اسی طرح سے ہو اور یہ وصف سند کے آغاز میں اس کے وسط میں اور آخر میں بھی برقرار رہے[1]

ہم نے متواتر کی تعریف میں "عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال سمجھتی ہو" کی قید اس لیے لگائی ہے کہ ان مخالف نظریات سے بچ جائیں جو ایسی جماعت کی تعداد کے تعیّن میں بغیر دلیل کے پیش کیے جاتے ہیں۔ مثلاً بعض علماء نے قرآن کی اس آیت سے کہ:

لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ[2] کیوں نہیں لائے وہ اس پر چار گواہ۔

جو شہادت زنا کے بارے میں ہے، یہ استدلال کیا ہے کہ کم سے کم چار راویوں کی روایت متواتر کہلاتی ہے ـــــ پھر بعض علماء نے آیت لعان[3] کے حوالے سے پانچ راویوں کو کافی سمجھا۔

---

[1] شرح نخبہ ص ۳، [2] سورۂ نور آیت نمبر ۱۳

[3] یہ آیت سورۂ نور میں اس طرح ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

(آیات ۶ تا ۹)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بعض نے دس راویوں کو کافی قرار دیا، کیونکہ دس سے کم پر جمع کا صحیح اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو "آحاد" کہا جاتا ہے۔

پھر بعض نے قرآن کی آیت

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا [1]

سے استنباط کیا ہے کہ راویوں کی تعداد ۱۲ ہو تو متواتر حدیث ہو گی

پھر بعض نے متواتر کے راویوں کی کم سے کم تعداد ۲۰ سمجھی اور دلیل یہ دی کہ:

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ [2]

بعض نے ۴۰ کہا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ [3]

کیونکہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کی تعداد ۴۰ ہو چکی تھی۔

پھر بعض نے یہ تعداد ۷۰ مقرر کی اور دلیل کے لیے یہ آیت پیش کی۔

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِمِيقَاتِنَا [4]

اور بعض نے ۳۱۳ مرد اور ۲ عورتیں کہا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ بدری صحابہؓ کی تعداد یہی تھی۔

یہ دلائل اگرچہ قرآن مجید سے ماخوذ ہیں مگر ان میں سے کوئی دلیل بھی اپنے مقصد کے لیے صریح نہیں ہے، کیونکہ ان تمام آیتوں میں جس تعداد کا ذکر ہے اس کا تعلق کسی خاص واقع سے ہے۔ لہٰذا متواتر حدیث کی تعریف میں راجح قول یہ ہے کہ جماعت کی تعداد مقرر کرنے کی بجا یہ کہہ دیا جائے کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال قرار دیتی ہے۔

---

[1] المائدہ آیت نمبر ۱۱

[2] انفال آیت نمبر ۶۵

[3] انفال آیت نمبر ۶۴

[4] الاعراف آیت نمبر ۱۵۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں :

"صحیح قول کے مطابق تعداد مقرر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"[۱]

متواتر حدیث کی دو قسمیں ہیں، متواتر لفظی اور متواتر معنوی۔

متواتر لفظی

متواتر لفظی وہ حدیث ہے جسے مذکورہ جماعت سند کے آغاز، وسط اور آخر میں ایک ہی طرح کے الفاظ کے ساتھ روایت کرے، جیسا کہ محدث ابن الصلاح کہتے ہیں :

"متواتر لفظی نادر الوجود بلکہ معدوم ہے، اس کی مثال تلاش و جستجو کے بعد بھی نہیں مل سکتی۔"[۲]

بیشتر علماء کا کہنا ہے کہ اگر متواتر میں لفظی مطابقت و مماثلت کی قید لگائی جائے، تو پھر قرآن مجید کے سوا اس کی دوسری کوئی مثال موجود نہیں ہے، اس کے برعکس، بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بہت سی احادیث متواتر لفظی ہیں، مثلاً درج ذیل احادیث کو متواتر کہا جاتا ہے :

۱۔ وہ حدیث جس میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا ذکر ہے۔

۲۔ حدیث: "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا" .....

۳۔ حدیث: "مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا"

۴۔ حدیث شفاعت

۵۔ وہ حدیث جس میں کھجور کے اس تنے کے رونے کا واقعہ ہے جس کے ساتھ سہارا لگا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

---

[۱] شرح نخبہ ص ۳

[۲] لیکن ابن الصلاح نے "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا" والی حدیث کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ۶۲ صحابہؓ سے مروی ہے۔ (التدریب ص ۱۹۰)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۶ ۔ موزوں پر مسح کے بارے میں حدیث

۷ ۔ واقعۂ معراج

۸ ۔ وہ حدیث، جس میں یہ واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا اور سارا لشکر سیراب ہوا۔

۹ ۔ قتادہ کی آنکھ واپس دلانے کے واقع کی حدیث۔

۱۰ ۔ تھوڑی سی خوراک سے سارے لشکر کا سیر ہونا۔[1]

امام سیوطیؒ[2] نے "الازہار المتناثرہ فی اخبار المتواترہ"[3] میں، اور قاضی عیاضؒ نے الشفاء میں یہی راستہ ظاہر کی ہے، ایسا لگتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، وہ شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:

"اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی، کہ متواتر حدیثیں بکثرت موجود ہیں، بات یہ ہے کہ جو مشہور کتب حدیث بالعموم مشرق و مغرب میں لوگوں کے ہاں متداول ہیں اور جن کے بارے میں ان کے جامعین کی نسبت بالکل قطعی ہے، جب یہ تمام کتب کسی حدیث کو متفقہ طور پر بیان کردیں اور اس حدیث کے کئی طرق و اسانید ہوں جن کے بارے میں عقل عادۃً انہیں کذب پر جمع ہونے کو محال قرار دیتی ہو، تو ایسی تمام حدیثیں یقینی علم کا فائدہ دیتی ہیں، اور ان کی نسبت ان کے قائلین کی طرف بالکل صحیح ہوگی۔"[4]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حدیث:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا ..... کو ہم سے زیادہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔

---

[1] التدریب ص ۱۹۰

[2] علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) کثیر التصانیف تھے، آپ نے تفسیر، حدیث اور لغت پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں، حدیث میں آپ کی کتاب "الفیہ" اور .... "تدریب الراوی" نہایت مشہور ہیں

[3] التدریب الراوی ص ۱۹۰ ، [4] شرح نخبہ ص ۴، ۵ ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں [1]

متواتر معنوی

متواتر معنوی میں الفاظِ احادیث کا یکساں ہونا شرط نہیں، صرف مفہوم یکساں ہونا چاہیئے اگرچہ روایات مختلف ہی کیوں نہ ہوں، متواتر معنوی کے لیے بھی ایسی جماعت راوی ہونی چاہیئے جس کا جھوٹ پر جمع ہونا عقلاً محال ہو، متواتر معنوی احادیث کافی تعداد میں موجود ہیں اور کسی کو ان سے انکار کی مجال نہیں ہے، مثلاً: دُعا کرتے وقت ہاتھ اُٹھانے کی حدیث رفع یدین فی الدعاء کے بارے میں تقریباً ایک سو حدیثیں موجود ہیں، گو اُن کے مواقع مختلف ہیں، امام سیوطیؒ نے ان حدیثوں کو ایک رسالے میں جمع کر دیا ہے، یہ صحیح ہے کہ ان میں سے جو حدیث جس موقع پر وارد ہوئی وہ موقع بذاتِ خود متواتر کا حکم نہیں رکھتا، مگر ان سب کی قدرِ مشترک ـــــ رفع الیدین فی الدعاء ـــــ مجموعی طور پر متواتر ہے [2]

بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ جن احادیث سے علماء نے متواتر لفظی ہونے کا استدلال کیا ہے وہ دراصل متواتر معنوی ہیں، لیکن ان کے معنیٰ و مفہوم کی شہرت نے ان کے لفظی اختلاف کو ختم کر دیا ہے اور علماء انہیں متواتر لفظی کہنے لگے۔

---

[1] عشرہ مبشرہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:
حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ عامر بن الجراح، رضی اللہ عنہم۔
بعض علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ۱۰۰ سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہے، امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اسے ۲۰۰ راویوں نے روایت کیا ہے، حافظ عراقی کہتے ہیں، یہ تمام روایات یکساں الفاظ کی حامل نہیں ہیں، البتہ یہ سب جھوٹ کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اگرچہ صرف ان الفاظ کی روایت کرنے والے ۷۰ سے زیادہ صحابہ کرام ہیں، جن میں عشرہ مبشرہ شامل ہیں، امام سیوطیؒ نے "تدریب" میں ان سب کے اسماء بیان کیے ہیں۔ (تدریب ۱۹۰)

[2] التدریب ص ۱۹۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بعض محدثین اسے جائز سمجھتے ہیں کہ متواتر معنوی ابتدائی دور میں خبر واحد ہو[1]، اور آگے چل کر اسے شہرت حاصل ہو جائے، لہٰذا انہوں نے حدیث "انما الاعمال بالنیات" کو متواتر معنوی قرار دیا ہے، جبکہ اس کے صرف ایک ہی راوی ہیں، اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے صرف علقمہ نے روایت کی ہے اور علقمہ سے روایت کرنے والے بھی صرف محمد بن ابراہیم تیمی ہیں۔ اور ان سے بھی صرف یحییٰ انصاری نے روایت کی ہے البتہ یحییٰ انصاری سے روایت کرنے والوں کی کافی تعداد ہے۔ یوں یحییٰ انصاری کے زمانے میں اس حدیث کو شہرت حاصل ہو گئی[2]

محدثین متواتر روایت کا ذکر اس کا الگ نام لے کر نہیں کرتے بلکہ اس سلسلے میں وہ فقہاء اور اصولیین کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ تواتر کا اسناد کے مباحث سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اسناد کے علم میں حدیث کی صحت و ضعف سے اس لیے بحث کی جاتی ہے تاکہ حدیث صحیح ہونے کی صورت میں اس پر عمل کیا جائے۔ اور ضعیف حدیث کی صورت میں اس پر عمل نہ کیا جائے۔ لیکن متواتر کے رواۃ و رجال پر نقد و جرح نہیں کی جاتی بلکہ بغیر کسی اختلاف کے اس پر عمل کیا جاتا ہے[3]

خبر واحد سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے

اس بارے میں محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حدیث متواتر لفظی ہو یا معنوی، دونوں ہی سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا صحیح خبر واحد سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے یا یقینی؟

امام نوویؒ نے تقریب میں لکھا ہے کہ چونکہ خبر واحد ظنی الثبوت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے علم بھی ظنی حاصل ہوتا ہے۔ بیشتر محدثین کی رائے یہ ہے کہ خبر واحد اگر صحیحین

---

[1] خبر واحد اصطلاحاً وہ حدیث ہے جو شروطِ تواتر کی حامل نہ ہو، اگر اس کا راوی صرف ایک ہو تو تو اس کو غریب کہتے ہیں، دو راوی ہوں تو وہ حدیث عزیز کہلاتی ہے، اگر دو سے زیادہ ہوں تو اس کو مشہور کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد کا راوی ایک ہی نہیں ہوتا۔ (شرح نخبہ ص۔)

[2] :- التدریب ص۔ ۔ توضیح الافکار جلد ۱ ص۔ [3] :- شرح نخبہ ص۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کی روایت کردہ ہو تو اس سے علمِ قطعی حاصل ہوتا ہے۔ بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ خبرِ واحد اگر صحیح ہو تو اسے کسی نے بھی روایت کیا ہو وہ حدیث متواتر کی طرح علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

امام ابن حزمؒ[1] کہتے ہیں کہ:

"ایک صاحب العدالت راوی جب دوسرے اصحاب العدالت سے روایت کرے تو ایسی حدیث واجب العلم والعمل ہوتی ہے"[2]

امام ابن حزمؒ کی رائے ہی لائقِ اتباع ہے۔ کیونکہ صرف شیخین کی احادیث کو افادۂ یقین سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب دوسری کتبِ حدیث میں موجود روایات کی صحت ثابت ہو جائے تو ان کا مرتبہ اور حکم بھی وہی ہونا چاہیے جو صحیحین کی احادیث کا ہے۔ صحیحین کو اہلِ اسلام کے ہاں جو قدر و مرتبہ حاصل ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسری کتابوں کی صحیح حدیثوں کا مرتبہ و مقام گھٹایا جائے پھر یہ بات بھی عقل و منطق کے خلاف ہے کہ جب آحاد روایات کی صحت ثابت ہو جائے تو پھر بھی ان سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اثباتِ صحت کے لیے جو شرطیں ہیں جب وہ موجود ہوں تو پھر ایسی حدیث بھی یقینی علم کا فائدہ دیتی ہیں[3]

---

[1]: علی بن احمد بن سعید بن حزم زہری اپنے زمانے میں اندلس کے بہت بڑے امام اور محدث تھے آپ کی مشہور تصانیف میں "المحلی" اور "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" ہیں ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے۔

[2]: الاحکام فی اصول الاحکام جلد ۱ ص ۱۱۹، ۱۳۷ اغاثۃ اللہفان از ابن قیم ص ۱۶۰ مطبوعہ قاہرہ۔

[3]: الباعث الحثیث ص ۲۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حدیث غریب جب ایک ہی ثقہ راوی کوئی روایت بیان کرے تو اس کی روایت کردہ حدیثِ صحیح کو غریب کہا جاتا ہے۔ یہ غرابت کبھی حدیث کے متن میں اور کبھی سند میں ہوتی ہے[1]

حدیث مشہور جب رواۃِ حدیث کی ایک جماعت ثقہ راوی سے روایت کرنے میں شریک ہو جائے تو ان کی روایت کردہ حدیث کو مشہور کہا جاتا ہے[2]

ایک عجیب بات یہ ہے کہ بعض محدثین یہ شرط لگاتے ہیں کہ حدیثِ صحیح عزیز ہو[3] امام حاکم نے "علوم الحدیث" میں اس طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ اسے روایت کرنے والا صحابی گمنام نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ دو تابعی اس سے روایت کریں، اس کے بعد رُواۃِ حدیث عام طور پر اسے دورِ حاضر تک روایت کرتے چلے جائیں، جیسے گواہ کے حق میں شہادت دینے سے اس کی مزید تائید ہو جاتی ہے[4]

ظاہر بات ہے کہ اس خاص اصطلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ راوی کی تعدیل اور گواہ کی صفائی پیش کرنے کے درمیان بہت تفاوت ہے۔

امام بخاریؒ پہلے محدث ہیں جنہوں نے مرسل، منقطع اور بلاغات کے بغیر خالص صحیح

---

[1] حدیثِ غریب کا تفصیلی بیان آئندہ آئے گا۔

[2] حدیثِ مشہور کے بارے میں ہم آگے چل کر مزید تفصیلات بیان کریں گے۔

[3] عزیز وہ حدیث ہے جسے کم سے کم دو راوی دو راویوں سے روایت کریں، ایسی حدیث کو یا تو نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے عزیز کہا جاتا ہے یا اس لیے کہ ایک کی بجائے دو راوی ہونے کی بنا پر وہ عزیز یعنی قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ (شرح نخبہ ص ۵)

[4] معرفۃ علوم الحدیث ص ۶۲، شرح نخبہ ص ۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

احادیث کو جمع و مرتب کیا، انہوں نے صحیح بخاری میں جو تعلیقات نقل کی ہیں وہ مقصودِ اصلی نہیں ہیں بلکہ صرف استشہاد اور دوسری حدیثوں کی تائید کے لیے ان کو لایا گیا ہے، لہٰذا تعلیقات کی موجودگی سے صحیح بخاری کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ خالص احادیث صحیحہ پر مشتمل مجموعۂ احادیث نہیں ہے۔[۱]

امام مالکؒ کو احادیث صحیحہ کا اوّلین جامع اور مرتب نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ انہوں نے صرف احادیثِ صحیحہ کو مرتب کرنے کا اہتمام نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے اپنی کتاب ۔ مؤطا ۔ میں مرسل اور مقطوع روایات اور بلاغات کو بھی شامل کر دیا ہے۔ امام بخاریؒ کے بعد ان کے شاگردِ خاص امام مسلمؒ نے ان کے تتبع میں احادیثِ صحیحہ مرتب کیں، اس کے بعد پھر تدوینِ حدیث کا باقاعدہ سلسلہ جاری ہو گیا، جس کی تفصیلات ہم آگے چل کر "اہم کتب الروایۃ" کے عنوان سے بیان کریں گے۔

پھر جن احادیث کو صحیح کہا جاتا ہے خود ان کے مرتبۂ صحت میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ جن کتابوں میں صحیح احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے اس سے بھی یہ مراد نہیں ہے کہ ان میں درج احادیث صحت کے لحاظ سے مساوی درجے کی ہیں، اس کے برعکس محدثین کے نزدیک بعض حدیثیں "صحیح" اور بعض "اصح" (زیادہ صحیح) ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح بعض احادیث "ضعیف" اور بعض "اضعف" (زیادہ ضعیف) کہلاتی ہیں۔

محدثین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس طرح صحتِ حدیث کے لیے اوصاف میں قوت و ضعف کی درجہ بندی ہوتی ہے، اسی طرح صحیح حدیث کے درجوں میں بھی ان کے اوصاف کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے۔[۲]

درجوں کے اسی فرق کے پیشِ نظر امام نووی نے صحیح حدیث کی سات اقسام بیان

---

[۱] التدریب ص ۲۴، ۲۵،

[۲] التدریب ص ۲۵۔

[۳] شرح نخبہ، ص ۹،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کی ہیں :

۱ - وہ متفق علیہ حدیث جو بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہو۔

۲ - وہ حدیث جو صرف صحیح بخاری میں ہو۔

۳ - وہ حدیث جو صرف صحیح مسلم میں ہو۔

۴ - وہ حدیث جو بخاری و مسلم میں نہ ہو لیکن کسی محدث نے اسے ان دونوں کی شرائط کے مطابق روایت کیا ہو۔

۵ - وہ حدیث جو صرف بخاری کی شرط پر روایت ہو۔

۶ - وہ حدیث جو صرف مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔

۷ - وہ حدیث جسے بخاری و مسلم کے سوا دوسرے ائمہ حدیث نے صحیح قرار دیا ہو[1]

صحیح حدیث کے مراتب و درجات میں فرق کی ایک وجہ وہ شہر اور علاقے بھی ہیں، جہاں کے راویوں نے وہ احادیث روایت کی ہیں، اکثر علماء نے بڑے وثوق سے کہا ہے، کہ اہل مدینہ کی روایات سب سے بڑھ کر صحیح ہوتی ہیں، کیونکہ مدینہ طیبہ دراصل حدیث و سنت کا گھر تھا، امام ابن تیمیہؒ[2] کا قول ہے۔

"محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ صحیح ترین حدیثیں وہ ہیں جنہیں اہل مدینہ نے روایت کیا ہے، اس کے بعد اہل بصرہ کا نمبر ہے، پھر اہل شام کا۔"

خطیب بغدادی لکھتے ہیں :

"صحیح ترین حدیثیں وہ ہیں جنہیں اہل حرمین (مکہ اور مدینہ والوں) نے روایت کیا ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں تدلیس بہت کم ہے، دروغ اور وضع، حدیث ... ان کے ہاں نہیں

---

[1] قواعد التحدیث ص ۵۹ ، التدریب ص ۳۷ ۔

[2] امام مجدد، شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ حرانی دمشقی، بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، ۷۲۸ھ میں فوت ہوئے، فرانسیسی مستشرق ہنری لاوست نے آپ کے حالات زندگی اور افکار پر ایک اچھی کتاب لکھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہے، اہل یمن کی روایات نہایت صحیح ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے، حجاز احادیث کا مرکز ہے، اہل بصرہ نے واضح اسانید کے ساتھ بہت سی صحیح حدیثیں بیان کی ہیں اور ان کی بکثرت مرویات ہیں، اہل کوفہ کی روایات بھی بڑی تعداد میں ہیں، مگر ان کے ہاں دروغ گوئی بہت ہے، لہٰذا ان کی بہت کم روایات علل سے پاک ہوتی ہیں۔ اہل شام کی روایات میں مرسل اور مقطوع کی بہتات ہے، البتہ ثقات کی متصل روایات قابل حجت ہیں اور وہ زیادہ تر پند و نصیحت سے متعلق ہیں۔[1]

کونسی سند اصح الاسانید ہے؟ اس بارے میں محدثین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے، ہر ایک نے اپنا الگ قول بیان کیا ہے، ہر صحابی سے تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے، اور پھر تابعین سے تبع تابعین روایت کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر راوی ثقہ ہیں، لہٰذا کسی خاص صحابی کی روایت کے بارے میں اصح الاسانید کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔[2]

ایسا بھی ہوتا ہے کہ محدثین "حدیث صحیح" کی بجائے "صحیح الاسناد" کہہ دیتے ہیں، اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سند اگرچہ صحیح ہے مگر متن کا حال معلوم نہیں ہے، اس لیے ممکن ہے کہ متن حدیث میں کوئی علت یا شذوذ پایا جاتا ہو، وہ جب سند اور متن دونوں کو صحیح کہنا چاہتے ہیں تو پھر اسے علی الاطلاق "ھٰذا حدیث صحیح" کہتے ہیں اور یہ عبارت "صحیح الاسناد" کہنے سے بہتر ہے۔

امام سیوطیؒ "الفیہ" میں کہتے ہیں:

---

[1] قواعد التحدیث ص ۵۸۔

[2] معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۴، ۵۵۔ توضیح الافکار جلد ۱ ص ۳۳۔
علامہ احمد شاکر نے ایسی چند اسانید جمع کی ہیں جنہیں اصح الاسانید کہا جاتا ہے۔
(الباعث الحثیث، ص ۲۲، ۲۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

والحکم بالصحۃ للاسناد والحسن دون المتن للنقاد
لعلۃ او شذوذ و احکم للمتن ان اطلق ذو حفظ نُمی[1]

جب محدثین کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اصحّ شیئٌ فی الباب" تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ ایسی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں، اکثر اوقات یہ الفاظ ضعیف حدیث پر بھی کہے جاتے ہیں، اس عبارت سے محدثین کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ فلاں مسئلے میں جتنی احادیث موجود ہیں یہ ان میں سب سے بڑھ کر راجح ہے، یا اس میں دوسری روایات کے مقابلے میں کم ضعف پایا جاتا ہے۔[2]

---

[1] الفیہ از امام سیوطی رح ص ۱۰۴، ۱۰۵

[2] قواعد التحدیث (بحوالہ نووی) ص ۵۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

۲ - حدیث حسن

حدیثِ حسن کی تعریف درج ذیل ہے :

هُوَمَا اتَّصَلَ سَنَدُهٗ بِنَقْلِ	حدیثِ حسن اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند
عَدْلٍ خَفِيْفِ الضَّبْطِ وَسَلِمَ	متصل ہو، جس کا راوی عادل ہو، مگر قلیل الضبط
مِنَ الشُّذُوْذِ وَالْعِلَّةِ ۔	ہو اور اس میں کوئی شذوذ اور علت نہ ہو۔

حدیثِ حسن اور حدیثِ صحیح کے درمیان جو فرق ہے وہ حدیث کے راوی میں ضبط کی کمی ہوتی ہے، اس کے برعکس حدیثِ صحیح کا راوی کامل الضبط ہوتا ہے لیکن صحیح اور حسن دونوں قسم کی حدیثوں میں شذوذ و علت کا وجود نہیں پایا جاتا، حدیث کی یہ دونوں اقسام قابلِ احتجاج ہوتی ہیں۔

حدیث حسن کی دو اقسام ہیں : حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ

جب مطلق طور پر حدیثِ حسن کہا جائے تو اس سے حسن لذاتہ مراد ہوتی ہے، لہٰذا اس کی الگ تعریف لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، حسن لذاتہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں جو خوبی پائی جاتی ہے وہ اس کی ذاتی اور اپنی ہے، کسی بیرونی سبب کی وجہ سے نہیں ہے[۱]، اس میں صحیح حدیث کی تمام شرطیں موجود ہوتی ہیں، لیکن اس کے رُواۃ و رجال میں ضبط کی کمی ہوتی ہے۔

حدیث حسن لغیرہ وہ ہے جس کی سند میں ایسا مستور راوی ہو جس کی صلاحیت اور عدم صلاحیت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا، اگرچہ وہ غفلت شعار، کثیر الخطاء اور

---

[۱] شرح نخبہ ص ۱۱ ، حاشیہ الفیہ سیوطیؒ ص ۴۲

[۲] شرح نخبہ ص ۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

متہم بالکذب نہیں ہوتا اور اس قسم کی حدیث کی تائید کسی اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ تائید کرنے والی جماعت کو متابع یا شاہد[1] کہا جاتا ہے، حسن کی ان دونوں اقسام میں بحث و نظر کی کافی گنجائش ہے، لیکن ہم ان غیر مفید مباحث سے تعرض نہیں کرتے[2]

حدیثِ حسن کی پہچان کے لیے جامع ترمذی[3] بنیادی ماخذ ہے جس میں سب سے پہلے اس قسم کا ذکر آیا ہے[4]۔ اگرچہ علماء نے اس کی تعریف پر بھی اعتراض کیے ہیں۔ امام ترمذی پہلے محدث ہیں جنہوں نے حدیثِ حسن کو شہرتِ عام دی اور سب سے پہلے حدیث کی تین اقسام ـــــ صحیح، حسن اور ضعیف ـــــ بیان کیں۔ محدثین کے ہاں ضعیف حدیث کی دو اقسام ہیں۔

(۱) وہ ضعیف حدیث جس پر عمل کرنا جائز ہے۔ یہ امام ترمذی کی اصطلاح حدیثِ حسن سے ملتی جلتی ہے۔

(۲) وہ ضعیف حدیث جس پر عمل کرنا ناجائز ہے۔ اسے واہی، (فضول) بھی کہتے ہیں[5]۔

جامع ترمذی کی دو اصطلاحیں ہیں جن کو سمجھنا بہت ضروری ہے ورنہ قاری کے لیے التباس و ابہام میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔

---

[1]:۔ توضیح الافکار جلد ۱ ص۱۸۸۔ آگے چل کر ہم متابع اور شاہد کی بحث کریں گے فی الحال یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ حسن لغیرہ کی تائید بھی کسی اور حدیث سے ہوتی ہے جو لفظ و معنی میں اس کے مطابق ہوتی ہے۔

[2]:۔ اس اختلافی بحث میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حسن کی منطقی تعریف کیا ہے؟ اور اس پر علماء نے کیا کیا اعتراضات کیے ہیں۔ پھر حسن کی جو تعریف امام ترمذیؒ کرتے ہیں اس پر نقد و جرح کا معاملہ ہے اور پھر دونوں تعریفوں میں جمع و تطبیق کا مسئلہ ہے۔ (التدریب ص۷۹ ۔ ص۵۲)

[3]:۔ جامع ترمذی کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

[4]:۔ اختصار علوم الحدیث و شرحہ ص۴۳

[5]:۔ یہ امام ابن تیمیہؒ کا دیا ہوا نام ہے (قواعد التحدیث ص۸۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

پہلی اصطلاح ہے "حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ" اور دوسری "حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ"۔ پہلی اصطلاح کا مفہوم یہ ہے کہ جس روایت کو حسن کہا گیا ہے وہ دوسری سند کے لحاظ سے صحیح ہے اور اس میں صحت کی تمام شرطیں موجود ہیں۔ لہٰذا امام ترمذی جس سند کے بارے میں حَسَنٌ صَحِیْحٌ کہتے ہیں، وہ ان کے نزدیک اعلیٰ اور صحیح سے کم درجے کی، ہوتی ہے[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ:

"امام ترمذیؒ کا قول اس طرح سے ہے، جس طرح ایک نقادِ حدیث کسی راوی کے بارے میں کہتا ہے کہ "صُدُوْقٌ" اور کسی کے بارے میں صُدُوْقٌ ضَابِطٌ کہتا ہے اب ظاہر ہے کہ پہلا وصف حدیث صحیح کے رُواۃ و رجال کے مقابلے میں کم درجے کا اور دوسرا ان کے مساوی ہے، لہٰذا جس طرح ان دونوں اوصاف کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بالکل اسی طرح صحیح اور حسن کا اطلاق بھی کسی ایک ہی حدیث پر ہو سکتا ہے"[2]

پھر حدیث حسن کو غریب کہنے سے مراد یہ ہے کہ صحیح حدیث کبھی ایک ہی سند سے مروی ہونے کی وجہ سے غریب ہوتی ہے، لہٰذا حسن جو کہ صحیح سے کم درجے کی ہے وہ بدرجہ اولیٰ غریب ہو سکتی ہے۔

حافظ ابن حجر اس کی دوسری توجیہ بھی کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے حسن مطلق (جس میں کوئی قید یا شرط نہ ہو) کی تعریف بیان نہیں کی، بلکہ حسن کی ایک قسم کی تعریف بیان کی ہے، جس کا ذکر ان کی کتاب میں موجود ہے اور وہ حسن، (اسم معرفہ) وہ ہے جہاں اس کے ساتھ کوئی دوسرا وصف مذکور نہیں ہے۔

اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ امام ترمذیؒ نے بعض احادیث کو "حسن" بعض کو "صحیح" اور بعض کو "غریب" کہا ہے، پھر بعض احادیث کو انہوں نے "حسن صحیح"

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۴۷۔

[2] التدریب ص ۵۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بعض کو "حسن غریب" اور بعض کو "حسن صحیح غریب" کہا ہے۔ لہٰذا انہوں نے جس حدیث کی تعریف 'حسن' سے کی ہے اس سے وہ "حسن" مراد ہے جس کے ساتھ کوئی وصف مذکور نہیں ہے، پھر ان کی عبارت سے اسی حقیقت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ خود امام ترمذیؒ اپنی کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں :

"جس حدیث کے بارے میں ہم اپنی کتاب میں "حدیث حسن" بیان کرتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی سند ہمارے نزدیک "حسن" کی ہے۔ جس حدیث کا راوی "متہم بالکذب" نہ ہو۔ وہ کسی اور سند سے بھی مروی ہو اور شاذ بھی نہ ہو تو ہمارے نزدیک وہ حدیث حسن ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ امام صاحب نے اس حسن کی تعریف کی ہے جس کے ساتھ کوئی اور وصف مذکور نہیں۔ جس حدیث کو وہ "حَسَنٌ صَحِیحٌ" یا "حَسَنٌ غَرِیبٌ" یا "صَحِیحٌ غَرِیبٌ" کہتے ہیں۔ اس کی وہ تعریف نہیں کرتے۔ بعینہٖ جہاں وہ صرف "صَحِیحٌ" یا "غَرِیبٌ" کہتے ہیں اسے بھی شہرتِ عام کی وجہ سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ صرف حسن کی تعریف کی ہے کیونکہ یہ دقیق ہے یا پھر ایک جدید اصطلاح ہے، اس لیے اسے عِنْدَنَا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ محدث خطابیؒ[1] کی طرح اسے دوسرے محدثین کی طرف منسوب[2] نہیں کیا۔

---

[1] :۔ محدث خطابی کا اصل نام حمد ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے کہ میں نے خطابی سے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا نام حمد ہے۔ جب لوگوں نے ان کو احمد کہنا شروع کیا تو میں نے یہی نام رہنے دیا۔ خطابی بہت بڑے ادیب، فقیہ اور محدث تھے آپ کی تالیف "معالم السنن" شرح ابی داؤد طبع ہو چکی ہے۔ اعلام السنن کے نام سے صحیح بخاری کی شرح بھی آپ نے لکھی ہے۔ آپ نے ۳۸۸ھ میں بُست کے مقام پر وفات پائی جس کی وجہ سے آپ کو بُستی بھی کہتے ہیں۔

[2] :۔ شرح نخبہ ص ۱۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جب حدیث حسن لذاتہ کسی اور سند سے بھی مَروی ہو تو وہ حسن سے بڑھ کر صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں سندوں کی موجودگی میں وہ پہلے سے قوی تر ہو جاتی ہے چونکہ حدیث حسن کے راوی میں حفظ و ضبط کی کمی اصل وجہ ہوتی ہے۔ گو وہ صداقت کے اور عیبوں کے مخفی ہونے میں مشہور ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کی روایت کردہ حدیث کسی اور سند سے بھی مَروی ہوگی تو اس تائید کی وجہ سے اس میں قوت آجائے گی۔ اس طرح راوی میں حفظ و ضبط کی جو کمی پائی جاتی تھی وہ رفع ہو جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حدیثِ حسن سے بلند ہو کر صحیح کے مرتبے میں پہنچ جائے گی اس کی مثال یہ حدیث ہے:

لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ	اگر مجھے اپنی امت پر دشواری محسوس نہ ہوتی تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا

اس حدیث کو محمد بن عمر نے ابوسلمہ سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، محمد بن عمرو حفظ و ضبط میں متہم ہے، اگرچہ بہت سے محدثین نے اس کو اس عیب سے بَری قرار دیا ہے، اس لیے یہ حدیث حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہے، کیونکہ یہی حدیث محمد بن عمرو کے شیخ اور ان کے شیخ الشیخ سے ایک اور طریقے پر بھی منقول ہوئی ہے، اس کے علاوہ بہت سے لوگوں نے اسے ابوہریرہ سے بھی روایت کیا ہے جس میں اَعرج بن ہُرمز اور سعید مقبری کے نام بھی شامل ہیں۔

امام ترمذی پہلے محدث ہیں جنہوں نے حدیثِ حسن کو شہرت بخشی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے پہلے محدثین کا جو طبقہ موجود تھا، جن میں امام بخاری اور امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی کے شیوخ کے ہاں بہت سی ایسی احادیث ملتی ہیں، جن پر حدیثِ حسن کے اوصاف غالب تھے[۲] اور وہ حدیثِ صحیح سے کم تر اور ضعیف سے بلند تر درجے کی تھیں۔

---

[۱] التدریب ص ۵۷ [۲] اختصار علوم الحدیث وشرحہ ص ۴۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جب ہم امام ذہبی کی یہ تصریح بیان کر چکے ہیں کہ حدیثِ حسن صحیح کی ایک قسم ہے تو پھر ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ حسن کی صفات رکھنے والی حدیثیں نہ صرف مسند احمد بلکہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں۔

محدّث ابن الصلاح کہتے ہیں کہ حسن احادیث سنن ابی داؤد میں بھی پائی جاتی ہیں امام ابوداؤد کے بارے میں ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

"میں نے صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ وہ حدیثیں بھی اس کتاب میں درج کی ہیں جو ان سے مشابہت رکھتی ہیں، اور جن میں زیادہ ضعف موجود تھا، ان کی تصریح کر دی ہے، جس حدیث پر میں نے کوئی جرح نہیں کی وہ قابلِ احتجاج ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ میری کتاب میں بعض حدیثیں بعض کی نسبت صحیح تر ہیں"[1]

محدّث ابن الصلاح نے مذکورہ بالا عبارت پر یہ تبصرہ کیا ہے:

"جو حدیث ہم ابوداؤد میں دیکھیں اور وہ صحیحین میں موجود نہ ہو اور نہ ہی کسی اور نے اسے صحیح قرار دیا ہو تو ایسی حدیث ابوداؤد کے نزدیک حدیثِ حسن شمار ہوگی"[2]

ابن الصلاح کا یہ تبصرہ اس اساس پر ہے کہ جب کوئی حدیث صحیحین میں موجود نہ ہو اور محدّثین میں سے کسی سے بھی اس کی صحت ثابت نہ ہو، تو متاخرین ایسی حدیث کو صحیح قرار نہیں دے سکتے، لہٰذا ابن الصلاح کی رائے میں محدّث حاکم نے جن حدیثوں کی صحت ثابت کی ہے اور دوسرے محدّثین سے ان کے بارے میں تصحیح یا تضعیف منقول نہیں ہے تو ہم ایسی حدیثوں کو حسن ہی قرار دیں گے، اور اگر ان میں کوئی علّتِ قادحہ موجود ہوگی تو وہ ضعیف کہلائیں گی۔

---

[1] التدریب ص ۵۵۔
توضیح الافکار جلد ۱ ص ۱۹۶

[2] اختصار علوم الحدیث ص ۴۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

لیکن اس سلسلے میں حافظ عراقیؒ[1] کا نقطۂ نظر زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے وہ کہتے ہیں:
"جو شخص اسانید اور علل میں مہارت رکھتا ہو وہ کسی بھی حدیث کی صحت یا ضعف کے بارے میں حکم لگا سکتا ہے"[2]

امام نوویؒ[3] اپنی کتاب "مصابیح السُّنۃ" میں صحیح اور حسن حدیثوں میں فرق پیدا کرنے کے لیے ایک خاص اصطلاح وضع کرتے ہیں، وہ بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کی روایت کردہ حدیث کو صحیح کہتے ہیں، اس کے علاوہ جس حدیث کو ترمذی ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہو اسے حسن کہتے ہیں، اس پر اکثر علماء نے اعتراض کیا ہے، اور ان کی رائے میں اس اصطلاح کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے اس کا سبب یہ ہے کہ بقول امام نوویؒ خود مصابیح السُّنۃ میں منکر روایات بھی منقول ہیں، جن کی روایت ایسے راویوں نے کی ہے جو عادل و ضابط نہیں ہیں اور مزید یہ کہ وہ منفرد بھی ہیں[4]

---

[1] آپ علامہ حافظ عبدالرحیم بن حسین زین الدین بغدادی عراقی ہیں، بہت بڑے امام قاری، اُصولی اور فقیہ تھے، شافعی المسلک تھے، علوم الحدیث پر کئی کتابیں لکھی ہیں، آپ کا الفیہ بہت مشہور ہے۔
آپ کی وفات ۸۰۶ھ میں ہوئی۔

[2] الباحث الحثیث ص ۲۹

[3] حافظ ابو محمد، حسین بن مسعود الفراء البغوی (متوفی ۵۱۶ھ)

[4] التدریب ص ۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حدیث کے وہ القاب جن میں صحیح اور حسن سب شامل ہیں

جب محدثین کسی حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہیں تو اس کے علاوہ اور القابات سے بھی حدیث کو یاد کرتے ہیں، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فلاں حدیث قابلِ احتجاج ہے مثال کے طور پر وہ مقبول حدیث کو درج ذیل القاب بھی دیتے ہیں:

جَیِّدٌ، مُجَوَّدٌ، قَوِیٌّ، ثَابِتٌ، مَحْفُوْظٌ، مَعْرُوْفٌ، صَالِحٌ مُسْتَحْسَنٌ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان القابات میں محدثین نے اصطلاح سے زیادہ ان کے لغوی مفہوم کا اہتمام کیا ہے، پہلے چاروں ناموں میں تعبیر و بیان کا تنوع موجود ہے جس کی تائید امام احمد بن حنبلؒ کے قول سے بھی ہو جاتی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"زہری کی سالم اور سالم کی اپنے والد سے روایت اجود الاسانید ہے۔"

اس قول میں امام صاحبؒ نے عام لفظ "اصح الاسانید" کی بجائے "اجود الاسانید" فرمایا ہے[1]، اور اس قول کو ابن الصلاح اور امام حاکم نے امام احمد کے حوالے سے نقل کیا ہے

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۴، ان القابات کے لیے لغوی مفہوم کے غلبہ کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ محدثین اپنی پسندیدہ روایات کے لیے "جیاد لاحادیث وعیونہا" کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں (الجامع جلد ۲، ص ۱۲۷) بعض محدثین نے کہا ہے کہ لا حدیث اجود من ھذا (الجامع جلد ۲ ص ۱۳۴) پھر بعض محدثین اپنی پسندیدہ آراء کے بارے میں کہا کرتے تھے "ھٰذَا جَیِّدٌ حَسَنٌ" (توضیح الافکار جلد ۱ ص ۳۲۷)

حالانکہ تدلیس کا شمار ضعفِ حدیث میں ہوتا ہے لیکن محدثین اس میں بھی جید وغیرہ الفاظ استعمال کرتے تھے، اس طرح جب کوئی راوی ضعیف راویوں کو ساقط کرتا تو وہ کہتے جَوَّدَ السَّنَدَ، (توضیح الافکار)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بعض علماء اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ابن الصلاح نے "جیّد" اور "صحیح" میں کوئی فرق نہیں کیا ہے بلکہ ان کو مساوی قرار دیا ہے[1]

امام ترمذی نے بھی کئی جگہ اپنے معروف الفاظ " حَسَنٌ صَحِیْحٌ " کی بجائے "هٰذَا حَدِیْثٌ جَیِّدٌ حَسَنٌ" لکھا ہے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حدیث امام ترمذیؒ کے نزدیک حسن لذاتہ سے بلند تر درجے کی ہے لیکن انہیں اس معاملے میں شبہ ہوتا ہے کہ کیا وہ حدیث درجۂ صحیح پر فائز ہوتی ہے یا کہ نہیں، اس طرح گویا ایسی حدیث حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے، لہٰذا جیّد کا لفظ حسن اور صحیح دونوں کے لیے جامع ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام سیوطیؒ نے اپنی درج ذیل عبارت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ:

علماء کبار جب حدیث صحیح کی بجائے "جیّد" کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ بے سبب نہیں ہوتا بلکہ خاص معنویت رکھتا ہے، اور وہ یہ کہ ایسی حدیث، محدث کے ہاں حسن لذاتہ سے بلند تر درجے کی ہوتی ہے، مگر اس کا صحیح کے مرتبے میں ہونا مشکوک ہوتا ہے اس لیے جیّد کا مرتبہ صحیح سے بہرحال کم ہوتا ہے، "قوی" کی اصطلاح کا معاملہ بھی یہی ہے[2]۔

مذکورہ عبارت میں ہم نے " قوی" کا لفظ نقل کیا ہے جس سے اس بات کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ امام سیوطیؒ نے جودت (عمدگی) اور قوت (قوی ہونا) میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، لہٰذا ہم تجوید وجودت اور ثبوت اور قوت میں بھی کوئی فرق روا نہیں رکھیں گے، کیونکہ یہ سارے اوصاف حدیثِ صحیح ہی کے ہیں۔ چاہے وہ حدیث صحیح ہو یا حسن ہو۔

حدیث صحیح وحسن کی تعریف میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ دونوں شذوذ سے پاک ہوتی ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی بھی منکر یا شاذ نہیں ہوتی بلکہ انہیں محفوظ اور معروف

---

[1] التدریب ص ۵۸۔
[2] التدریب ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کہتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حدیث صحیح و حسن کے راوی کی زیادت بھی مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ کسی ثقہ راوی کی روایت کے خلاف نہ ہو۔ لیکن اگر وہ ارجح روایت کے خلاف ہو تو پھر راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہا جائے گا۔ اور اگر ایک ضعیف حدیث کسی دوسری ضعیف حدیث کے خلاف ہو تو راجح کو معروف اور مرجوح کو منکر کہتے ہیں۔"[1]

جب حدیثِ صحیح و حسن کو صالح کہا جاتا ہے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ روایت اپنی "صلاحیت" کے اعتبار سے قابلِ احتجاج ہے۔ جیسا کہ محدثین نے سُنن ابی داؤد کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی روایات "صالح" ہیں کیونکہ ان میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی روایات موجود ہیں[2]

محدثین جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث "مستحسن" (پسندیدہ)[3] ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اصطلاحاً حدیثِ حسن ہے بلکہ اس میں صحیح اور حسن دونوں ہی کا احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ حسن بجودت (عمدگی) کو کہتے ہیں اور استحسان (پسندیدگی) استجادہ (کسی چیز میں عمدگی اور خوبصورتی کا پہلو تلاش کرنا) ہی کا مفہوم رکھتا ہے۔ محدثین کی تعبیر کا انداز بہت دقیق اور لطیف ہوتا ہے۔ یہ چیز عوام الناس میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ محدث علی بن مدینی لکھتے ہیں کہ:

ہم سفیان بن عُیینہ کی مجلس میں شریک تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی۔ ایک آدمی بولا یہ حدیث کتنی خوبصورت ہے! سفیان نے فرمایا، "تم نے کیوں یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث موتی، ہیرے اور یاقوت

---

[1]: شرح نخبہ ص۱۲، ص۱۴۔ الفیہ سیوطی برحاشیہ ص۹۳

[2]: بعض اوقات صالح کا اطلاق ایسی ضعیف حدیث پر بھی ہوتا ہے جو کسی حد تک قابلِ قبول ہو (التدریب ص۸۵)

[3]: الجامع جلد ۷، ص۱۳۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بلکہ ساری دنیا سے بڑھ کر خوبصورت ہے"۔[1]

صحیح اور حسن حدیث میں جو مشترک اُمور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ہم کسی سند پر صحیح یا حسن ہونے کا حکم لگائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کا متن بھی اسی صفت سے متّصف ہے۔ اس کے برعکس یہ ممکن ہے کہ اس کا متن شاذ یا معلّل ہو اور یہ بات حدیثِ صحیح کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ اسے یہاں دہرانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس حقیقت سے آگاہ رہیں کہ صحیح اور حسن حدیث میں کس قدر ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

اب ہم محدثین کا وہ معیار اور کسوٹی پیش کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ منڈی میں جانے سے پیشتر جواہرات کی جانچ پرکھ کر لی جائے اور باطنی اوصاف دیکھنے سے پہلے ظاہری شکل وصورت دیکھ لی جائے۔

اس بارے میں محدثین کا قول یہ ہے کہ:

"جو حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہو، ضروری نہیں کہ اس کا متن بھی صفتِ صحت سے متّصف ہو"۔[2]

---

[1]:- الجامع جلد ۲، ص۱۳۵

[2]:- توضیح الافکار جلد ۱ ص۱۹۳۔ اختصار علوم الحدیث ص۴۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

۳ ضعیف حدیث

حدیث کی تیسری قسم ضعیف حدیث ہے اس کی بہتر بن تعریف درج ذیل ہے۔

مَالَمْ يَجْتَمِعْ فِيْهِ صِفَاتُ الصَّحِيْحِ وَلَا صِفَاتُ الْحَسَنِ[1] ضعیف حدیث وہ ہے جس میں صحیح اور حسن حدیث کی صفات موجود نہ ہوں۔

بعض محدثین کہتے ہیں کہ صحیح اور حسن حدیث کی صفات موجود نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف حدیث کی صورتیں عقلی اعتبار سے ۳۸۱ ہو سکتی ہیں لیکن ان میں سے اکثر صورتوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اور وہ غیر واقعی ہیں پھر محدثین کے ہاں حدیث ضعیف کی اقسام کے لیے ان کے اصطلاحی نام معین نہیں ہیں[2]۔

محدث ابن الصلاح کی رائے میں ضعیف حدیث کی واقعی اقسام ۴۲ سے زیادہ نہیں ہیں۔ انہوں نے ان سب کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ اور ان کی تخریج کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ حافظ عراقی اسی کو ہی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف انہی قسموں کی تفصیل بیان کریں گے جن کا کوئی نام معین ہے۔ ضعیف حدیث کی جس صورت کا کوئی الگ سے نام موجود نہیں ہے ہم اس کی طرف مجمل اشارہ کریں گے۔

---

[1]: التدریب ص۵۹

[2]: حافظ ابن حجر نے اس تقسیم کے بارے میں کہا ہے کہ: تَعَبٌ لَيْسَ وَرَاءَهُ اَدَبٌ۔ (یہ ایک مشقت ہے جو بے سود ہے)
الفیہ سیوطیؒ حاشیہ ص۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ضعیف حدیث کی قسمیں

۱۔ مرسل مرسل حدیث کی مشہور تعریف درج ذیل ہے۔

"حدیثِ مرسل وہ ہے جس میں کسی صحابی کا نام ساقط ہوگیا ہو"، مثال کے طور پر نافع نے کہا ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا، او فعل کذا او فعل بحضرتہ کذا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، یا اس طرح کیا، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایسا کیا گیا۔ اور معلوم ہوا کہ نافع صحابی نہیں ہیں بلکہ تابعی ہیں۔ اس طرح ایسی حدیث میں صحابی کا نام مذکور نہیں ہوتا۔

اس لحاظ سے مرسل حدیث مرفوع تابعی ہوتی ہے۔ چاہے تابعی کم عمر ہو یا پختہ عمر کا ہو[۲]

مرسل حدیث کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں اتصال نہیں پایا جاتا اسے مرسل کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں حدیث کا راوی اسے مطلق (بغیر قید کے) چھوڑ دیتا ہے اور اس صحابی کا اس میں ذکر نہیں کرتا جس نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہوتا[۳]

مرسل حدیث حجت نہیں ہوتی مرسل حدیث دین میں حجت نہیں ہے محدثین کی یہی فیصلہ کن اور حتمی رائے ہے جسے انہوں نے اپنی کتابوں میں جا بجا لکھا ہے[۴] چنانچہ امام مسلم نے مقدمۂ صحیح مسلم میں

۱: قواعد التحدیث ص ۱۱۴

۲: شرح نخبہ ص ۱۷

۳: توضیح الافکار جلد ۱ ص ۲۸۴

۴: اختصار علوم الحدیث ص ۵۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

لکھا ہے کہ :

"مُرسل حدیث ہمارے اور محدثین کے قول کے مطابق حجت نہیں ہے"۔

لیکن بہت سے علماء نے مراسیل صحابہ کو ضعیف قرار نہیں دیا ہے بلکہ وہ ان سے احتجاج کرتے ہیں کیونکہ جو صحابی راوی ہوتا ہے اس نے وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نہیں سُنی ہوتی بلکہ کسی اور صحابی سے سُنی ہوتی ہے اور وہ صحابی براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکا ہے ہے۔ لہٰذا سند میں صحابی کے ساقط ہو جانے سے حدیث کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ بالکل اسی طرح جس طرح مجہول الحال صحابی کے باوصف کسی حدیث کی صحت قائم رہتی ہے کیونکہ صحابی ہونے کے لحاظ سے جو مقام و عظمت اسے حاصل ہے وہ اس کے عادل ہونے کے لیے کافی ہے۔

امام سیوطی نے تدریب الراوی میں تحریر کیا ہے کہ :

"صحیحین میں بے شمار مراسیل صحابہ موجود ہیں کیونکہ اکثر روایات صحابہ کرام سے منقول ہیں۔ اور صحابہ کے بارے میں یہ اصول ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں لیکن صحابہ کرام کے علاوہ دوسروں کی مرویات بہت کم ہیں جب وہ صحابہ کرام کے سوا کسی اور کی روایت درج کرتے ہیں تو اس کا ذکر کر دیتے ہیں کہ فلاں حدیث دوسروں سے مروی ہے صحابہ کرام نے تابعین سے جو روایات کی ہیں وہ مرفوع حدیثیں نہیں ہیں بلکہ وہ اسرائیلیات وغیرہ ہیں یا پھر موقوف روایتیں ہیں[1]

---

[1] :۔ التدریب ص۷۱، شرح التبصرۃ للعراقی ص۱۶۴ مطبع الجزیرہ ۱۳۰۶ھ قاہرہ۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے مرسل روایات بیان کر دیتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ درحقیقت صحابہ کی اکثر روایات ایسی ہوتی ہیں مگر ساری روایات ایسی نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو توضیح الافکار جلد ا ص۳۱۷۔ بعض علماء نے مراسیل صحابہ کے ضمن میں تشدد سے کام لیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس تعبیر و بیان میں مجاز سے کام لیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں سرے سے صحابہ کی کوئی روایت بھی مُرسل نہیں ہے۔ (توضیح الافکار، جلد ا ص۲۹۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

در اصل مراسیل صحابہ کا انکار بہت دشوار امر ہے۔ مثلاً حضرت ابن عباسؓ کی اکثر روایتیں مرسل ہوتی ہیں کیونکہ عہدِ نبوی میں وہ کم عمر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ابن عباسؓ کی عمر ۱۳ برس سے زیادہ نہ تھی[1]

مرسل حدیث کے مختلف درجے اور مراتب ہیں، سب سے اعلیٰ درجے کی مرسل حدیث وہ ہے جسے کوئی ایسا صحابی بیان کرے جس کا سماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، پھر ایسے صحابی کی مرسل حدیث کا مرتبہ ہے، جس نے حضورؐ کو دیکھا ہو مگر اس کا سماع ثابت نہ ہو، اس کے بعد مُخَضْرَمُ (وہ صحابی جس نے کفر اور اسلام کے دونوں زمانے پائے ہوں) صحابی کی مرسل روایات کا درجہ ہے، پھر ثقہ تابعین کی مرسل روایات کا مقام ہے، جیسے حضرت سعید بن مُسیّب کی روایات ہیں، اس کے بعد ایسے راویوں کی روایات کا درجہ ہے جو ان میں سے شیوخ و اساتذہ کا انتخاب بڑی احتیاط سے کرتے ہیں، جیسے شعبی اور مجاہد، پھر ان راویوں کی مرسل روایات کا مقام ہے جو ہر ایک سے روایت لے لیتے ہیں، جیسے حسن بصریؒ، پھر کم عمر تابعین مثلاً قتادہؒ، زہری اور حُمید الطویل، وغیرہم، یہ اکثر و بیشتر تابعین سے روایت بیان کرتے ہیں[2]

جب کوئی مرسل حدیث ثقہ راویوں سے سند کے ساتھ منقول ہو تو وہ قوی ہو جاتی اور اس کی صحت بھی واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں دو حالتیں جمع ہو جاتی ہیں، ایک حالتِ ارسال، دوسری حالتِ اسناد، اور جب کوئی دوسری حدیث مُسند ان دونوں سے متصادم ہوگی تو ان کو راجح قرار دیں گے، کیونکہ مرسل ایسی مُسند سے مل کر

---

[1] توضیح جلد ۱ ص ۲۹۱، بعض علماء مرسل انگاری سے کام لیتے ہیں اور وہ معتبر ائمہ حدیث کی مراسیل بھی قبول کر لیتے ہیں، (توضیح جلد ۱ ص ۲۸۷۔)

[2] قواعد التحدیث ص ۱۲۵، ۱۲۶، بحوالہ فتح المغیث للسخاوی، برحاشیہ الفیہ عراقی، طبع دہلی۔ امام زہری کو تابعین صغار میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ ۱۳ صحابہ کرام سے ملاقات کر چکے تھے، ابن خلکان کا قول ہے کہ "زہری نے ۱۰ صحابہ کو دیکھا تھا، (التوضیح جلد ۱ ص ۲۸۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

قوی ہو جاتی ہے جو اپنے نقطۂ انتہا تک پہنچی ہوئی ہے [۱]

۲۔ منقطع

حدیث منقطع کی مشہور تعریف یہ ہے کہ :

اَلْحَدِیْثُ الَّذِیْ سَقَطَ مِنْ اِسْنَادِہٖ رَجُلٌ اَوْ ذُکِرَ فِیْہِ رَجُلٌ مُّبْہَمٌ [۲]

منقطع حدیث وہ ہے جس کی سند میں کوئی راوی ساقط ہو یا اس میں کسی مبہم راوی کا ذکر ہو۔

حدیث منقطع کے ضعیف ہونے کا سبب اس کی سند کا غیر متصل ہونا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ بھی مرسل حدیث سے مشابہت رکھتی ہے۔

راوی کے ساقط ہونے کی مثال وہ حدیث ہے، جسے عبدالرزاق نے ثوری سے، انہوں نے ابواسحاق سے، انہوں نے زید سے، اور انہوں نے حذیفہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اگر تم ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا دو گے تو وہ قوی بھی ہے اور امین بھی"

مذکورہ حدیث کی اسناد میں ثوری اور ابواسحاق کے درمیان ایک راوی جس کا نام شریک ہے، وہ ساقط ہو گیا ہے، کیونکہ ثوری نے ابواسحاق سے براہِ راست نہیں سُنا، بلکہ شریک سے سُنا، اور شریک نے ابواسحاق سے یہ حدیث سُنی ہے۔

کسی حدیث میں مبہم راوی موجود ہونے کی مثال یہ حدیث ہے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ۔

اے اللہ! میں تجھ سے ہر معاملے میں ثابت قدمی کا سوال کرتا ہوں۔

اس حدیث کو ابو العلاء بن عبداللہ نے دو آدمیوں سے روایت کیا ہے اور انہوں نے شداد بن اوس سے [۳]۔

---

[۱] :۔ التوضیح جلد ۱ ص ۲۸۹

[۲] :۔ اختصار علوم الحدیث ص ۵۳

[۳] :۔ اختصار علوم الحدیث ص ۵۴ معرفت علوم الحدیث للحاکم ص ۲۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس حدیث میں دو آدمی کون سے مراد ہیں؟ بظاہر یہ دونوں ہی مبہم آدمی ہیں اور محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں دونوں آدمی مبہم ہیں کبھی کسی روایت میں صرف ایک ہی راوی مبہم ہوتا ہے مقصود یہ بتانا ہے کہ سند میں کہیں پر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی مبہم ہوتا ہے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث میں کوئی ایک راوی مذکور نہیں ہوتا اور وہ منقطع حدیث بھی نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر یہ حدیث کہ:

حَدَّثَنَا شَيْخٌ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ہمیں ابوہریرہ سے ایک شیخ نے حدیث سنائی۔

یہاں پر شیخ، کسی آدمی کا نام نہیں ہے۔ مضمونِ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ عجز و تقصیر کا اعتراف کرے، یا پھر گناہ کا ارتکاب کرے، تو جس کی زندگی میں یہ زمانہ آئے وہ عجز و تقصیر کو اختیار کرے اور گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔"

اس حدیث میں جسے شیخ کہا گیا اسے ایک اور روایت میں ابو عمرو جدلی کہا گیا ہے۔

منقطع حدیث کی اس قسم کو پہچاننا ایک دشوار امر ہے، صرف حافظ حدیث یا متبحر عالم حدیث ہی اسے پہچان سکتا ہے۔

منقطع اور مرسل حدیث اپنے سببِ ضعف کے لحاظ سے آپس میں مشابہ ہیں۔ دونوں میں ضعف کی وجہ عدمِ اتصال ہے، خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب "الکفایہ فی علم الروایۃ" میں لکھا ہے کہ:

حدیثِ منقطع دراصل مرسل کی طرح ہوتی ہے، لیکن یہ اصطلاح وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں تابعی سے نچلے درجے کا راوی صحابیؓ سے روایت کرے، مثلاً امام مالک روایت کریں عبداللہ بن عمرؓ سے، یا سفیان ثوریؒ روایت کریں جابر بن عبداللہ سے یا شعبہ بن حجاج روایت کریں انس بن مالکؓ سے، وغیرہم[2]

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۸، [2] الکفایہ ص ۸۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

خطیب بغدادیؒ نے جس غالب استعمال کی طرف اشارہ کیا ہے وہ منقطع کی اس تعریف کے مطابق نہیں ہے جسے ہم بیان بیان کر چکے ہیں، ہم نے جو تعریف بیان کی ہے، وہ ایک خاص اصطلاح ہے، جس میں ایک ایسا وصف بیان کیا ہے جو اکثر منقطع روایات میں پایا جاتا ہے۔

۳۔ مُعْضَل

معضل وہ حدیث ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل طور پر ساقط ہوں[1]۔ اس کی پہچان منقطع حدیث سے بھی زیادہ مشکل ہے، اس لیے کہ منقطع کے مقابلے میں اس میں زیادہ ابہام اور اخفاء پایا جاتا ہے، لہٰذا اسے مُعْضَل (دشوار) کہا جاتا ہے[2]۔

در اصل حدیثِ مُعْضَل کو منقطع کی ایک خاص قسم قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ ہر مُعْضَل حدیث منقطع ہی ہوتی ہے، لیکن ہر منقطع حدیث مرسل نہیں ہوتی[3]۔ ضعف کا سبب یہاں بھی اتصال کا فقدان ہے۔

معضل حدیث کی ایک قسم یہ ہے کہ تبع تابعین میں سے کوئی شخص مرسلاً روایت کرے۔ مثلاً اعمش نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"آدمی سے قیامت کے روز کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں کام کیئے؟ وہ جواب دے گا، "نہیں" پھر اس کے منہ پر مُہر لگا دی جائے گی،

اس روایت کو معضل اس لیے کہا گیا ہے، کیونکہ شعبی نے انسؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اس طرح اعمش نے انس اور رسول اللہ

---

[1] التدریب ص ۷۳، اگر راوی مسلسل طور پر ساقط نہ ہوں تو اسے منقطع کہا جاتا ہے اور یہ صورت ہم نے اس سے پہلے دو مبہم راویوں کے بارے میں روایت شداد بن اوس میں دیکھ لی ہے (شرح نخبہ ص ۱۸)

[2] توضیح الافکار جلد ۱ ص ۳۲۷۔

[3] توضیح الافکار جلد ۱ ص ۳۲۴۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کو سند سے ساقط کر کے اس حدیث کو مُعضل بنا دیا ہے۔[1]

مُعضل حدیث کا معاملہ منقطع سے زیادہ ابتر ہے، کیونکہ منقطع کا درجہ مُرسل سے کم تر ہوتا ہے اور مرسل کو قابلِ احتجاج بھی نہیں سمجھا جاتا، لیکن مُعضل حدیث ایسی صورت میں منقطع سے کم تر ہوتی ہے، جب انقطاع سند کے صرف ایک حصے میں ہو، لیکن جب سند میں دو یا دو سے زیادہ مقامات پر انقطاع واقع ہو تو وہ حدیث معضل کے برابر ہو جاتی ہے۔[2]

۴۔ مُدلّس

مُدلّس حدیث کی دو اقسام ہیں۔[3]

(۱) **مُدلّس الاسناد**: یہ وہ حدیث ہوتی ہے جس میں راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہو اور اس کی ملاقات ثابت ہو مگر اس کا سماع ثابت نہ ہو، یا پھر وہ ایسے ہم عصر سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت ہو مگر وہ یہ ظاہر کرے کہ گویا اس نے اپنے ہم عصر سے سُن کر روایت بیان کی ہے، اس کی مثال علی بن خشرم کا قول ہے کہ:

"ہم سفیان بن عُیینہ کے پاس بیٹھے تھے، سفیان نے کہا" زہری نے یوں کہا ہے"۔ سفیان سے پوچھا گیا" کیا آپ نے زہری سے سُنا ہے؟" سفیان نے کہا" مجھے عبدالرزاق نے بتایا، اس نے معمر سے اور معمر نے زہری سے سُنا ہے"۔[4]

اس اسناد میں سفیان زہری کے ہم عصر ہیں اور ان سے ملاقات بھی ثابت ہے مگر

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۵۵۔

[2] التوضیح جلد ۱ ص ۳۲۹۔

[3] التوضیح جلد ۱ ص ۳۵۰۔

[4] اختصار علوم الحدیث ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

انہوں نے زہری سے کوئی روایت نہیں سنی ہے، اس کے برعکس سفیان نے یہی روایت عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے، انہوں نے زہری سے اخذ کی ہے، لہٰذا اس سند میں تدلیس یوں ہے کہ سفیان نے عبدالرزاق اور معمر دونوں کا نام چھوڑ دیا اور جن الفاظ سے روایت کی ہے اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود یہ حدیث براہِ راست زہری سے سنی ہے۔

تدلیس کی یہ قسم بہت بُری ہے اور صریح طور پر کذب بیانی ہے شعبہ کہتے ہیں کہ:

"میں تدلیس کا ارتکاب کرنے کی بجائے زنا کے ارتکاب کو ترجیح دیتا ہوں"[1]

نیز فرماتے ہیں کہ: "تدلیس جھوٹ کا بھائی ہوتا ہے"[2]

امام شافعیؒ ایسے راوی کی روایت کو رد کر دیتے ہیں، جو ایک مرتبہ بھی تدلیس کا ارتکاب کرے لیکن اکثر علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو راوی مدلّس سمجھا جائے، وہ اگر اپنی کسی روایت میں سماع کی تصریح کرے تو اس کی وہ روایت قبول کی جائے گی مگر جو روایت مبہم ہو اسے رد کر دینا چاہیے[3]

امام حاکم نے ان علاقوں اور شہروں کا جائزہ لیا ہے جہاں کے لوگ تدلیس کے بالعموم مرتکب ہوتے تھے، ان کی رائے میں حجاز، حرمین، مصر، عوالی، خراسان، اصفہان، بلادِ فارس، خوزستان اور ماوراء النہر کے باشندوں میں کوئی بھی مدلّس نہیں ہے۔ مدلّسین کا مرکز کوفہ تھا، جس آدمی نے سب سے پہلے تدلیس کو رواج دیا، وہ باغندی ہے[4]۔

---

[1] التوضیح جلد ۱ ص ۳۶۶

[2] الباعث الحثیث ص ۵۸

[3] اختصار علوم الحدیث ص ۵۸

[4] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۱، ۱۱۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۲۔ تدلیس شیوخ تدلیس شیوخ کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کے القاب بڑھا چڑھا کر بیان کرے یا بغیر کنیت کے اس کا نام اور مقصد یہ ہے کہ اس طرح پہچان باقی نہ رہے، مثال کے طور پر وہ اس طرح کہے:

"مجھے یہ حدیث فلاں علامہ، امام ضابط اور حافظ نے سنائی ہے۔"

اس قسم کی مثال وہ حدیث ہے، جسے ابوبکر بن مجاہد المقری نے ابوبکر بن ابی داؤد سے روایت کیا ہے، اس نے کہا کہ مجھے یہ حدیث عبداللہ بن ابی عبداللہ نے سنائی ہے، اس نے ابوبکر محمد بن حسن نقاش مفسر سے اور اس نے کہا ہمیں محمد بن سند نے بتائی ہے۔

اس سلسلۂ اسناد میں راوی کے باپ کی بجائے اس کی نسبت اس کے دادا کی طرف کی گئی ہے جبکہ باپ زیادہ مشہور تھا بہ نسبت دادا کے۔[1]

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ خطیب بغدادی کی کتابوں میں تدلیس کی یہی دوسری قسم موجود ہے۔[2]

ابن الصلاح نے اس کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں، جیسا کہ خطیب بغدادی اپنی کتابوں میں ابوالقاسم ازہری سے روایت لیتے ہیں، اس کے علاوہ وہ عبیداللہ بن ابی الفتح الفارسی اور عبیداللہ بن احمد بن عثمان الصیرفی سے بھی احادیث روایت کیا کرتے ہیں، جبکہ یہ ایک ہی آدمی کے تینوں نام ہیں اور تین الگ الگ افراد کے نام نہیں ہیں۔

اسی طرح خطیب نے حسن بن محمد خلال اور حسن بن ابی طالب اور ابو محمد خلال سے روایات لی ہیں، لیکن یہ تینوں نام بھی ایک ہی شخص کے ہیں۔

اسی طرح خطیب نے ابوالقاسم التنوخی اور علی بن محسن اور قاضی ابوالقاسم علی بن محسن التنوخی اور علی بن ابی علی المعدل سے روایات کی ہیں، جبکہ یہ چاروں نام ایک ہی آدمی کے ہیں۔

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۵۹

[2] التوضیح جلد ۱ ص ۳۶۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

لیکن ہم سمجھتے کہ خطیب بغدادی کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ اپنے شیخ کی شخصیت کو چھپانا چاہتے ہوں، لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے وہ نام کیوں نہیں لیے جن سے ان کے شیخ کی شخصیت کا اظہار پوری طرح نہیں ہوتا، جبکہ یہ ایک ہی شخص کے نام ہیں اور محدث مذکور اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ بھی ہیں کہ یہ سارے نام ایک ہی آدمی کے ہیں یا یہ کہ متعدد شخصیات مراد ہیں،

تدلیسِ عطف بعض علماء نے تدلیس کی کئی قسمیں بیان کی ہیں، جن میں سے ایک تدلیسِ عطف ہے، جیسے راوی یہ کہے کہ حَدَّثَنَا فُلَانٌ وَفُلَانٌ لیکن اس نے اس سے کچھ بھی نہ سنا ہو جس کا ذکر وہ، واؤ عطف کے بعد معطوف کی صورت میں کر رہا ہوتا ہے۔[1]

تدلیسِ سکوت تدلیس سکوت سے مراد یہ ہے کہ راوی سَمِعْتُ یا حَدَّثَنَا یا حَدَّثَنِیْ کہے اور پھر کچھ دیر خاموش رہ کر کہے اَلْاَعْمَشُ، اس سے سننے والا یہ سمجھے گا کہ اس نے اعمش سے سنا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔

تدلیسِ تسویہ تدلیس تسویہ یہ ہے کہ کسی راوی کے شیخ کا نام اس لیے نہ لیا جائے کہ وہ ضعیف یا کم عمر ہے، اور اس کی بجائے یوں ظاہر کیا جائے، کہ حدیث صرف ثقہ راویوں سے مروی ہے تاکہ اس کو صحیح اور مقبول سمجھا جائے، تدلیس کی یہ بدترین قسم ہے، اس لیے کہ اس میں بڑا دھوکا ہے۔

ولید بن مسلم اسی قسم کی تدلیس میں مشہور تھا، وہ اوزاعی کے ضعیف شیوخ کو حذف کرتا اور صرف ثقہ راویوں کا ذکر کرتا تھا، جب ولید سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا:

"اوزاعی کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ ایسے ضعیف راویوں سے روایت کرے"

اور جب ولید سے یہ کہا گیا کہ "جب اوزاعی ان ضعیف راویوں سے منکر روایات

---

[1] الباحث الحثیث ص ۶۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

لیں تو آپ ان کو حذف کر کے ان کی جگہ ثقہ راویوں کے نام ذکر کریں تو پھر اوزاعی کو ضعیف راوی قرار دیا جانا چاہیے"، یہ سُن کر ولید چپ ہو گیا۔

مُدلّسین کے الفاظ بھی ان کے خبثِ باطنی کو ظاہر کرتے ہیں، جیسا کہ بعض مُدلّسین اپنے شیخ کے احترام میں ایک مبہم اور متشابہ لفظ بول دیتے ہیں، کبھی کسی شہر یا قبیلے کی عظمت کے پردے میں شیخ کی عظمت جتاتے ہیں، جیسے کوئی مصری آدمی یہ کہے کہ حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ بِالْاُنْدُلُسِ (مجھے اندلس میں فلاں آدمی نے حدیث سُنائی) لیکن اندلس سے مراد وہ جگہ ہو جو "القرافہ" میں ہے، یا وہ "زقاق حلب" کا ذکر کرے اور قاہرہ کا ایک مقام مراد لے، یا کوئی بغدادی یہ کہے کہ حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ بِمَا وَرَاءَ النَّھْرِ (مجھے ماوراء النہر میں ایک شخص نے حدیث سُنائی) اور اس سے وہ یہ مراد لے کہ دریائے دجلہ[1] کے پار اسے حدیث سُنائی گئی، یا اس طرح کہے کہ "رَقَّہ" میں مجھے حدیث سُنائی گئی، اور رَقَّہ (ایک شہر کا نام ہے) سے دریائے دجلہ کے کنارے پر کوئی باغ مراد لے، یا دمشقی یوں کہے کہ مجھے فلاں شخص نے کَرک میں حدیث سُنائی ہے، اور کَرک سے کَرکِ نوح مراد لے رہا ہو، جو دمشق کے قریب ایک بستی ہے۔

ان الفاظ سے سننے والا اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ شخص طلبِ حدیث میں بہت سفر کر چکا ہے، ابن حجر عسقلانی نے ایسی تدلیس کو "تدلیس البلاد" کہا ہے۔ اور اسے تدلیس شیوخ سے ملتی جلتی اصطلاح قرار دیا ہے[2]

بعض تدلیس پیشہ لوگ کاروبارِ تدلیس میں خاص لطف محسوس کرتے تھے۔ مذاق کا طریقہ بھی ان کو پسند تھا، وہ سہل انگاری سے کوئی مبہم روایت بیان کر کے اس پر ندامت کا اظہار کر لیتے تھے۔

---

[1] ماوراء النہر کے بارے میں سمعانی کا واقعہ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

[2] التوضیح جلد ۱ ص ۳۷۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہشیم بن بشیر[1] سے پوچھا گیا، تم تدلیس کیوں کرتے ہو، جواب دیا "تدلیس کرنے میں لذت ہے"[2]

ایک دفعہ ہشیم کے شاگردوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ اس کی تدلیس قبول نہیں کریں گے۔ ہشیم کو معلوم ہوا تو اس نے ہر حدیث کو روایت کرنے میں یہ سند بیان کرنی شروع کی کہ "مجھے حُصَین اور مُغیرہ نے ابراہیم سے روایت سُنائی"۔ اور جب وہ فارغ ہوا تو اس نے پوچھا "کیا میں نے آج تدلیس سے کام لیا ہے یا نہیں؟ وہ بولے نہیں، ہشیم بولا میں نے جو حدیثیں بیان کیں ہیں ان میں سے کوئی بھی مغیرہ سے نہیں سُنی ہے۔ میں نے بغیر سماع مغیرہ کا نام لے لیا تھا"[3]

اس واقعے سے ظاہر ہے کہ ہشیم یہ محسوس کرتا تھا کہ تدلیس کے مذاق میں بھی کچھ حدود ہیں۔ اس لیے اس نے یہ اعتراف کر لیا کہ اس نے یہ روایات مغیرہ سے نہیں سنی تھیں۔ مدلسین بالعموم تدلیس کا اعتراف کر لیتے تھے۔ خاص طور پر اس وقت جب کوئی آدمی ان کے اس عیب کو جان لیتا تھا[4] لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے تدلیس کرنے

---

[1]:۔ ہشیم بن بشیر حافظ حدیث تھے۔ انہوں نے امام زہری، عمرو بن دینار، منصور بن زاذان، حصین بن عبدالرحمٰن ابو بشیر ایوب سختیانی اور دوسرے بزرگوں سے احادیث سُنیں۔ امام ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ: "ہشیم کے حافظ ہونے میں شک نہیں، لیکن اس میں تدلیس کا عیب تھا بعض ایسے لوگوں سے اس نے روایت کیا ہے جن سے اس کا سماع ثابت نہیں ہے"۔ ہشیم کی وفات ۱۸۳ھ میں ہوئی (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۴۸)۔

[2]:۔ الکفایہ صفحہ ۳۶۱۔

[3]:۔ معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۱۰۵۔ التدریب صفحہ ۷۹۔ تدلیس کی یہ قسم بھی تدلیس عطف کہلاتی ہے ہشیم نے اس عبارت میں حَدَّثَنِی حُصَیْنٌ وَمُغِیْرَۃُ کہا۔ جب کہ اس نے مغیرہ سے کچھ نہیں سُنا۔ اگرچہ حُصین نے مغیرہ سے بہت احادیث سُنی ہیں۔ حُصین سے یہاں پر حُصین بن عبدالرحمٰن ہے۔ سیوطیؒ نے التدریب میں اس کا تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

[4]:۔ معرفت علوم الحدیث صفحہ ۱۰۴۔ التدریب صفحہ ۷۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

والے راویانِ حدیث اپنی مبہم عبارتوں سے رجوع کر لیتے تھے اور اپنے درست سماع کی تصریح صاف الفاظ میں کر دیتے تھے۔ اور مزید یہ کہ وہ دوسرے لوگوں کو مدلّس احادیث روایت کرنے سے منع کر دیتے تھے۔ علی بن خشرم کا قول ہے کہ "ہم ابن عیینہ[1] کے ہاں تھے کہ انہوں نے زہری سے ایک حدیث بیان کی۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ "کیا زہری سے آپ نے خود حدیث سنی تھی؟ وہ جواب میں خاموش رہے پھر انہوں نے زہری سے حدیث روایت کی۔ پوچھا گیا "کیا آپ نے خود یہ حدیث ان سے سُنی ہے؟ جواب میں بولے "میں نے زہری سے نہیں سُنی اور نہ اس سے جس نے زہری سے سنی ہے مجھے تو یہ حدیث عبدالرزاق نے معمر سے اور انہوں نے زہری سے سُن کر بتائی تھی[2]"۔

تعجب ہوتا ہے کہ ابن عیینہ اور ہشیم جیسے محدثین بھی تدلیس کے مرتکب رہے جب کہ ان کو بڑے حافظ و ضابط اور امین سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں جب کہ ایسے بہت کم لوگ ہیں جو تدلیس سے محفوظ رہے ہوں[3]۔

---

[1]: علامہ حافظ سفیان بن عیینہ بن میمون ابو محمد ہلالی کوفی مشہور محدث ہیں انہوں نے عمرو بن دینار زہری زیاد بن علاقہ، ابو اسحاق، اسود بن قیس، زید بن اسلم، عبداللہ بن دینار، منصور بن معتمر اور عبدالرحمٰن بن قاسم سے احادیث سنی ہیں۔ تمام آئمہ حدیث ان کی روایات کو قابلِ احتجاج قرار دینے میں متفق ہیں۔ مگر وہ ثقہ راویوں کی روایات میں تدلیس کرتے تھے ان کی وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۶۲)

[2]: التوضیح جلد ۱ ص ۲۵۱۔ التدریب ص ۸۰۔ اسے تدلیس قطع کہا جاتا ہے۔ کیونکہ راوی الفاظِ روایت قطع و برید کرتا ہے۔ وہ اپنے شیخ کو صرف فلاں کہتا ہے جیسا کہ ابن عیینہ کی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔ اس قسم کی تدلیس میں راوی یہ کرتا ہے کہ شیخ کا نام صراحت سے نہیں لیتا۔ مذکورہ روایت میں ابن عیینہ نے یہ نہیں بتایا ہے کہ زہری نے ان کو یہ حدیث سنائی تھی یا نہیں؟ ہم نے اس سے پہلے تدلیسِ اسناد میں اس کو بیان کر دیا ہے۔ یہاں ایک دوسرے استنباط کے لیے اسے دہرایا ہے۔

[3]: امام ابن عبدالبر کا قول ہے کہ:

"لہٰذا کوئی آدمی بھی تدلیس کے عیب سے نہیں بچا، خواہ وہ امام مالک ہوں یا کوئی اور شخص ہو"۔ (التدریب ص ۸۰)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

یہاں تک کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی تدلیس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم حدیثیں سُنی تھیں۔ حتیٰ کہ بعض علماء کے قول کے مطابق صرف چار حدیثیں سُنی تھیں۔ اور باقی حدیثیں انہوں نے صحابہ کرام سے سُنی تھیں لیکن ابن عباس رضؓ کسی صحابی کا نام نہیں لیتے اور صاف طور پر کہہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے"۔[1]

ابن عیینہ اور ہشیم کی فضیلت اور عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ دونوں صحیحین کے رواۃ و رجال میں سے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بڑی فضیلت ہے جس کا تقاضا تھا کہ ان حضرات پر اور صحیحین کے دوسرے راویوں پر مثلاً اعمش[2]، قتادہ[3]

---

[1]:- التوضیح جلد ۱ ص ۲۴۷۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ اسے تدلیس کی بجائے مراسیل صحابہ سے تعبیر کرنا چاہیے۔ اور مراسیل صحابہ سے احتجاج کیا جاتا ہے۔ محدثین نے مرسل اور مدلس روایات میں بھی فرق کیا ہے جس کی وضاحت ہم آگے چل کر کریں گے۔ بلاشبہ حضرت ابن عباس کی اکثر روایات مرسل ہوتی ہیں۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں ایسا اشتباہ پایا جاتا ہے جو تدلیس کے قریب پہنچ جاتا ہے لہذا ہم یہی کہیں گے کہ "تدلیس سے بہت کم لوگ بچ سکے ہیں"۔

[2]:- اعمش کا نام سلیمان بن مہران کرخی ہے۔ رے کے باشندے تھے۔ اعمش نے حضرت انس کو دیکھا تھا اور ان سے احادیث یاد کی تھیں آپ کا شمار تابعین صغار میں ہوتا ہے ان میں تدلیس کا عیب پایا جاتا ہے (المیزان) ذہبی نے کہا ہے کہ "بعض اوقات اعمش ضعیف راویوں کی روایت میں بھی تدلیس کر جاتے ہیں اس وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس سے روایت کر رہے ہیں۔ اعمش جب حدثنا کہتے ہیں تو اس وقت تدلیس کا احتمال نہیں ہوتا لیکن جب وہ عن سے روایت کرتے ہیں تو اس وقت تدلیس کا ڈر ہوتا ہے۔ آپ کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی۔

[3]:- قتادہ بن دعامہ بن عزیز دوسی بصری نابینا تھے مگر بڑے حافظ، علامہ اور ثقہ راوی تھے انہوں نے عبداللہ بن سرجس، انس بن مالک، سعید بن مسیب اور ابوطفیل سے روایات اخذ کی ہیں قتادہ مشہور مدلس راوی ہیں اور ابن معین کا قول ہے کہ "قتادہ کا سماع سعید بن جبیر اور مجاہد سے ثابت نہیں ہے" شعبہ کا قول ہے کہ "قتادہ کا سماع ابوالطفیل سے بھی ثابت نہیں ہے" آپ کی وفات واسط کے شہر میں طاعون کی وجہ سے ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ۱۱۷ھ میں وفات ہوئی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حسن بصری[1]، عبدالرزاق[2] اور ولید بن مسلم[3] پر تدلیس کا جو الزام ہے اس کا دفاع محدثین کر دیتے ہیں محدثین نے ایک خاص عذر کی وجہ سے ابن عیینہ کی تدلیس قبول کی ہے[4] جو یہ ہے کہ وہ تدلیس کے معاملے میں ابن جریج[5] اور معمر[6] کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ محدث

---

[1]:۔ حسن بن ابی الحسن یسار بصری کبار تابعین میں سے ہیں۔ مشہور عابد و زاہد عالم تھے۔ المیزان میں ہے کہ حسن بصری ثقہ راوی تھے لیکن ابو ہریرہؓ سے تدلیس کے ساتھ روایت کرتے تھے۔ جب حَدَّثَنَا کہہ کر روایت کرتے ہیں تو پھر تدلیس کا احتمال نہیں ہوتا۔ آپ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

[2]:۔ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی بڑے ثقہ راوی تھے مگر تدلیس کا عیب ان میں موجود ہے۔ (المیزان) آپ کی وفات ۲۱۱ھ میں ہوئی۔

[3]:۔ ولید بن مسلم ابوالعباس دمشقی ثقہ راوی تھے۔ شام کے بڑے علماء میں سے ہیں (المیزان) لیکن ابومسہر کہتے ہیں کہ ولید مدلس تھے اور بعض اوقات جھوٹے راویوں سے تدلیس کے ذریعے احادیث بیان کرتے تھے۔ جب ولید ابن جریج اور اوزاعی سے "عن" کے حوالے سے روایت کریں تو وہ قابل اعتماد نہیں ہیں کیونکہ وہ جھوٹے راویوں سے تدلیس کیا کرتے ہیں۔ مگر جب وہ "حَدَّثَنَا" کہہ کر روایت کریں تو وہ حجت ہوا کرتی ہے ۱۹۵ھ میں وفات ہوئی (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۳۰۲)

[4]:۔ یہ تمام لوگ بخاری اور مسلم کے رجال و رواۃ میں سے ہیں۔ لیکن اس کے باوصف ان میں تدلیس کا عیب موجود ہے۔ صاحب توضیح نے اس جانب اشارہ کر دیا ہے۔ (توضیح الافکار جلد ۱، ص۳۵۳، ص۳۵۴۔ التدریب ص۸۰)

[5]:۔ ابن جریج مکہ کے بڑے فقیہ تھے۔ پورا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج رومی تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی کتابوں میں احادیث جمع کی ہیں۔ ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۶۹، ص۱۷۰)

[6]:۔ معمر امام اور حافظ حدیث ہیں پورا نام معمر بن راشد ہے کنیت ابوعروہ ہے اور نسبت ازدی ہے۔ آپ ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۹۰، ص۱۹۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ابن حبان[1] نے ابن عیینہ کی تدلیس کا سبب ترجیح یہ بیان کیا ہے۔

یہ وصف صرف سفیان میں پایا جاتا ہے کہ وہ ثقہ اور صاحبِ حفظ و ضبط راویوں سے تدلیس کے ذریعے روایت کرتے تھے۔ سفیان کی کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس میں انہوں نے تدلیس کی ہو اور اس کے ساتھ ہی اپنا سماع کسی ثقہ راوی سے بیان نہ کر دیا ہو۔"[2]

بخاری اور مسلم کے جو راوی تدلیس میں مشہور ہیں ان کے بارے میں عام طور پر محدثین نے یہ عذر بیان کیا ہے کہ ان کی تدلیس کذب نہیں ہے بلکہ اس میں ایک طرح کا ابہام پایا جاتا ہے اور ان کی روایات میں یک گونہ سماع پایا جاتا ہے۔ مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ سَمِعْتُ، حَدَّثَنَا، اَخْبَرَنَا وغیرہ۔[3]

یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے مدلسین راویوں کے سماع پر اعتماد نہ کیا ہو بلکہ ان کے ہاں کوئی دوسری روایت موجود ہو جس سے اس حدیث کی صحت ثابت ہوتی ہو۔ شیخین نے تدلیس کرنے والے راویوں کی روایت کو اس لیے لیا ہے کہ اس کی امانت و دیانت مسلم ہے لہٰذا اس کی حدیث کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ پھر یہ کہ تائید اور متابعت کرنے والوں میں کوئی راوی ایسا موجود نہ تھا جو تدلیس کرنے والوں کے مرتبہ و مقام کا بھی راوی ہوتا یا ان کی طرح شہرت و فضیلت کا حامل ہوتا[4] اس لیے

---

[1]:- ابن حبان حافظ حدیث اور مشہور مصنف ہیں۔ آپ کا پورا نام محمد بن حبان بن احمد بن معاذ یمنی دارمی اور بستی ہے۔ کنیت ابو حاتم تھی "التقاسیم والانواع" کے نام سے ایک کتاب پانچ جلدوں میں لکھی تھی۔ اس کتاب کی ترتیب بڑی انوکھی ہے آپ نے ۳۵۴ھ میں وفات پائی۔

[2]:- التدریب ص ۷۹

[3]:- التدریب ص ۸۰

[4]:- التوضیح جلد ۱ ص ۲۵۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انہوں نے متابعت کرنے والوں کی بجائے تدلیس کرنے والے راوی کی روایت کو ترجیح دی ہے۔)

بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ بخاری و مسلم کے بعض راویوں پر تدلیس کا جو الزام ہے اسے "مُرسل خفی" کا نام دیا جانا چاہیے۔ ان محدثین کے نزدیک مدلّس اور مُرسل خفی میں باریک سا فرق ہے۔

تدلیس اور مُرسل خفی تدلیس کی اصطلاح اس راوی کے لیے مخصوص ہے جو ایسے آدمی سے روایت کرتا ہے جس کے ساتھ اس کی ملاقات عام طور پر معروف ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ شخص اس کا ہم عصر ہو تو لیکن اس کی ملاقات اس سے ثابت نہ ہو تو پھر اسے "مُرسل خفی" کہا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"جو آدمی تدلیس کی اصطلاح میں محض معاصرت بغیر ملاقات کو کافی قرار دیتا ہے اس کے ہاں تدلیس اور مُرسل خفی ایک ہی چیز ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔"[1]

تدلیس کے ثبوت میں معاصرت کے ساتھ ملاقات کے ضروری ہونے کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ تمام محدثین کے ہاں مخضرمین مثلاً ابو عثمان نہدی[2] اور قیس بن ابی حازم[3] کی رسول اللہ

---

[1]:۔ شرح نخبہ ص۱۸

[2]:۔ ابو عثمان نہدی کا نام عبدالرحمٰن بصری ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ مدینے آیا اور صحابہ کی ایک جماعت سے اس نے احادیث سنی ہیں اس نے ۱۰۰ھ میں یا کچھ بعد وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ، جلد ا ص۶۵)

[3]:۔ قیس بن ابی حازم ابو عبداللہ احمسی کوفہ کے مشہور محدث ہو گذرے ہیں۔ کوفہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے ارادے سے نکلے راستے ہی میں تھے کہ فوت ہو گئے قیس نے خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام سے احادیث سُنیں۔ ان کی روایتوں کو حجت قرار دیا جاتا ہے ان کی وفات ۹۷ھ یا ۹۸ھ میں ہوئی (تذکرۃ الحفاظ، جلد ا ص۶۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنا ارسال کی قسم ہے مگر یہ تدلیس کی قسم نہیں ہے۔ اگر تدلیس کے لیے صرف ہم عصر ہونا کافی سمجھا جاتا تو ایسے لوگوں کی روایت بھی تدلیس ہونی چاہیے تھی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سب ہم عصر تھے۔ لیکن معلوم نہیں ان کی ملاقات حضورؐ سے ہوئی تھی یا نہیں[1]

اس سلسلے میں خطیب بغدادی نے مدلّس اور مُرسل کے مابین فرق کی وضاحت میں فیصلہ کن بات یہ کہی ہے کہ:

"اگر راوی یہ بیان کرے کہ جس شیخ کا نام اس نے لیا ہے اس سے اس نے حدیث نہیں سُنی تو اس وضاحت کے بعد وہ ارسال کرنے والا تو ہوگا مگر مدلّس نہیں ہوگا۔ کیونکہ ارسال کرنے والا سامع کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا کہ اس نے سُنا ہے جب کہ اس نے سُنا بھی نہیں ہوتا۔ لیکن جس تدلیس کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ بہرحال ارسال ہوتی ہے کیونکہ مدلّس تو اس شخص کا نام لینا نہیں چاہتا جس سے وہ تدلیس کر رہا ہوتا ہے۔ مدلس اور مُرسل کے درمیان یہی فرق ہے کہ مدلّس اپنے سامع کو اس بات کا تاثر دینا چاہتا ہے کہ اس نے خود سُنا ہے جب کہ اس نے خود سُنا نہیں ہوتا کیونکہ ایسی تدلیس ارسال کو بھی متضمن ہے لیکن ارسال تدلیس کو شامل نہیں ہے اس لیے کہ ارسال میں سامع کو اس وہم میں مبتلا نہیں کیا جاتا کہ اس نے سُنا ہے جب کہ سُنا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ علماء نے ارسال کرنے والے کی مذمت نہیں کی لیکن وہ مدلّس کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"[2]

مدلّس حدیث کی تمام قسموں کے ضعیف ہونے کی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں ثقاہت کی شرط کا فقدان ہوتا ہے۔ ابن المبارک نے خوب کہا ہے ؎

دَلَّسَ لِلنَّاسِ اَحَادِیْثَہٗ واللّٰہ لَا یَقْبَلُ تَدْلِیْسَا[3]

(اس نے احادیث میں تدلیس کا عیب پیدا کیا لیکن اللہ تدلیس (فریب دہی) کو ناپسند کرتا ہے)

---

[1]: شرح نخبہ ص ۱۹

[2]: الکفایہ ص ۳۵۷

[3]: معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۵۔ مُعلّل[1] معلّل وہ حدیث ہے جس میں کوئی علّت موجود ہو جس سے حدیث میں قدح وارد ہوتی ہے۔ اگرچہ ظاہری طور پر وہ حدیث علت سے محفوظ[2] نظر آئی ہو۔ کسی حدیث میں علت معلوم کرنے کے لیے وسیع علم، قوت حافظہ اور بڑی ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ علت ایک پوشیدہ امر ہے جس کا پتہ چلانا بعض اوقات ماہرینِ حدیث کے لیے بھی ممکن نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

"یہ حدیث کا نہایت دقیق اور مشکل علم ہے اور علّت کی پہچان صرف وہی ماہر کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ذہانت قوت حافظہ، رواۃ کے مراتب کی پہچان اور اسانید و متون میں کامل مہارت سے بہرہ ور کیا ہو۔"[3]

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ذہین اور علم حدیث کا ماہر شخص القاءِ ربانی اور شرح صدر سے بھی حدیث کی کسی مخفی علّت سے باخبر ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ تعجب ہونا چاہیے کیونکہ علم حدیث کسی کے پڑھانے سے نہیں بلکہ الہام خداوندی سے حاصل ہوتا ہے[4]۔ عبدالرحمٰن بن مہدی[5] کا قول ہے کہ:

---

[1]:۔ اسے معلول بھی کہا جاتا ہے۔ بخاری، ترمذی اور امام حاکم نے معلول ہی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ لغوی لحاظ سے معلّل (ایک لام ہے) صحیح ہے کیونکہ یہ اَعَلَّ ماضی سے اسم مفعول بنا ہے جیسے کہ مُعَلَّلٌ عَلَّلَ فعل ماضی سے اسم مفعول بنتا ہے اور علّل کے معنی کسی چیز کے ساتھ مشغول رکھنے کے ہیں اور یہ فعل محدثین کے ہاں استعمال نہیں ہوتا ہے۔

[2]:۔ التدریب ص۸۹

[3]:۔ شرح نخبہ ص۲۱ ۔ التوضیح جلد۲ ص۲۹

[4]:۔ الجامع جلد۲ ص۱۷۷

[5]:۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان ابو سعید بصری بڑے حافظ حدیث تھے جن کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ:

"وہ یحییٰ القطان سے بڑے فقیہ اور وکیع سے زیادہ ثقہ راوی ہیں"۔

آپ کی وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی (تذکرۃ الحفاظ، جلد۱ ص۳۲۹)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"حدیث کی پہچان ایک طرح کا الہام ہے۔ اگر تم کسی علّل حدیث کے ماہر سے پوچھو کہ فلاں علت کی دلیل کیا ہے؟ تو وہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔"[1]

عبدالرحمٰن بن مہدی سے پوچھا گیا۔ "تم کسی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں اور کسی کو ضعیف۔ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے"؟ جواب دیا "اگر تم کسی صراف کو اپنے درہم دکھاؤ اور وہ کہے کہ یہ کھرے ہیں اور وہ کھوٹے، تو تم اس کی بات مان لوگے یا اس سے دلیل مانگو گے"؟ سوال کرنے والے نے کہا "میں اس کی بات کو تسلیم کر لوں گا"۔ عبدالرحمٰن نے کہا "تو حدیث کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔ اس میں بھی طویل صحبت، مناظرہ اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے"۔[2]

خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ:

"علم حدیث کے طالب کو صراف کی طرح کھوٹے اور کھرے میں امتیاز کرنے والا ہونا چاہیے درہم جس طرح کھوٹے بھی ہوتے ہیں اور کھرے بھی۔ اسی طرح حدیث کا معاملہ بھی ہے"۔[3]

علل حدیث کا فن نہایت دقیق اور مشکل ہے اور اس میں بڑی ریاضت کی ضرورت ہے۔ اس لیے اس موضوع پر بہت کم تصانیف موجود ہیں[4] اس موضوع پر سب سے عمدہ کتاب امام بخاری کے استاد علی بن مدینی نے "کتاب العلل" کے نام سے لکھی ہے[5]۔ اسی موضوع پر ایک کتاب خلال[6] نے اور ایک ابن ابی حاتم[7] نے بھی تحریر کی ہے۔ ابن ابی حاتم کی کتاب

---

[1]: معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۳ [2] التدریب ص۸۹۔ الباعث الحثیث ص۷۱ عبدالرحمٰن بن مہدی نے یہ بھی کہا تھا کہ "اگر مجھے کسی حدیث کی علت کے بارے میں معلوم ہو جائے تو یہ بات مجھے ۲۰ نئی احادیث سے بڑھ کر عزیز ہے (الجامع جلد ۱ ص۱۹۱۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۲) [3] الجامع جلد ۹ ص۱۷۷

[4]: شرح نخبہ ص۲۱

[5]: التدریب ص۹۱

[6]: پورا نام احمد بن محمد بن ہارون بغدادی حنبلی ہے کنیت ابو بکر ہے مگر خلال کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی کتاب کئی ضخیم جلدوں میں ہے (الرسالۃ المستطرفہ ص۱۱۱)

[7]: الرسالۃ المستطرفہ ص۱۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مصر میں دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے اس سلسلے میں جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں ان میں سنن ترمذی کے آخر میں امام ترمذی کی کتاب العلل بھی ہے جو بہت مختصر ہے لیکن ابن رجب[1] نے اسی کتاب کی شرح لکھی ہے۔ امام احمد بن حنبل[2] بھی علل پر ایک کتاب تحریر کی تھی مگر وہ ابھی تک نہیں چھپی بلکہ مخطوطے کی شکل میں موجود ہے[3]۔

لیکن ابوالحسن دار قطنی[4] نے اس فن پر اتنی جامع کتاب لکھ دی ہے کہ اس سے بہتر کتاب لکھنا اب ممکن نہیں ہے[5] اسی کتاب کی جمع و تالیف کا کام ان کے شاگرد حافظ ابوبکر برقانی[6] نے کیا ہے۔ اسی طرح امام بخاری، یعقوب بن ابی شیبہ[7]، السّاجی[8]، ابن الجوزی[9] اور ابن حجر[10] کی طرف بھی علل الحدیث پر کتابیں منسوب ہیں۔

---

[1]:۔ پورا نام حافظ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد بن حسین بن محمد بغدادی دمشقی حنبلی ہے۔ ابن رجب کے نام سے مشہور ہیں آپ کی وفات ۷۹۵ھ میں ہوئی۔ (الرسالۃ المستطرفہ ص۱۱۱)

[2]:۔ ملاحظہ ہو مخطوط الظاہریہ مجموعہ ۴۰۔ یہ چھوٹے سائز کے ۲۳ صفحات کا ہے اور اس میں چند اور رسائل بھی یکجا مجلد ہیں جو ۳۲۵ صفحات تک ہے۔ ان رسائل کا اسلوب تحریر الگ الگ ہے۔

[3]:۔ دار قطنی کا پورا نام علی بن عمر بن احمد بن مہدی ہے کنیت ابوالحسن ہے اور دار قطنی کے نام سے معروف ہیں۔ دار قطن بغداد میں ایک محلہ تھا۔ آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے سنن دار قطنی آپ نے مرتب کی ہے۔ ۳۸۵ھ میں فوت ہوئے (الرسالۃ المستطرفہ ص۱۹)

[4]:۔ اختصار علوم الحدیث ص۵۰ [5] الرسالۃ المستطرفہ ص۱۱۱ [6] شرح نخبہ ص۲۱۔

[7]:۔ پورا نام ابویحییٰ زکریا بن یحییٰ بصری ہے۔ بصرے کے بڑے محدث تھے ۳۰۷ھ میں فوت ہوئے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ "ساجی نے علل الحدیث پر مفید کتاب لکھی ہے جس سے ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے (الرسالۃ المستطرفہ ص۱۱۱)

[8]:۔ اس موضوع پر ابن الجوزی کی کتاب کا نام "العلل المتناہیہ فی الحدیث الواہیہ" ہے۔ (الرسالۃ المستطرفہ ص۱۱۱)

[9]:۔ اس فن پر ابن حجر کی کتاب کا نام ہے "النزہۃ المطلول فی الخبر المعلول" (التدریب ص۹۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

زیادہ تر اس سند میں علت پائی جاتی ہے جو بظاہر شروطِ صحت کی حامل ہو۔ ایسی صورت میں علت کی پہچان راوی کے تفرد سے ہوتی ہے۔ یا پھر اس سے کہ دوسرا کوئی راوی اس کی مخالفت کر رہا ہو۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ کچھ اور قرائن بھی ہوتے ہیں جس سے ایک ناقدِ حدیث معلوم کر لیتا ہے کہ فلاں حدیث میں وہم ہے یا موصول کو مرسلاً یا موقوف کو مرفوعاً روایت کیا گیا ہے یا کوئی حدیث دوسری حدیث میں داخل ہوئی ہے جس سے ظنِ غالب یہ ہو کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے یا راوی شک کی وجہ سے روایت کرنے میں توقف کرتا ہے[1]۔

پھر اسناد میں چونکہ بکثرت علل کے واقع ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لیے راوی کو چاہیے کہ وہ ممکن حد تک اس کی علت بیان کر دے[2]۔ اس طرح راوی جب کوئی معلول حدیث روایت کر رہا ہو تو اسے چاہیے کہ اس کی علت بھی واضح طور پر بیان کر دے[3]۔

حدیثِ معلّل کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے تمام طُرق و اسانید کو جمع کیا جائے اور راویوں کے اختلاف اور ضبط و اتقان کو دیکھ لیا جائے۔ محدث علی بن مدینی کا قول ہے کہ:

"جب تک کسی حدیث کے تمام طرق و اسانید یکجا نہ ہوں اس کی علت کا پتہ نہیں چل سکتا"[4]

حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب "معرفت علوم الحدیث" میں علل کی دس اقسام بیان کی ہیں۔ ہر قسم کی مثال دی ہے[5]۔ اور اس وضاحت کے بعد لکھا ہے کہ:

علل کی چند اقسام اور بھی ہیں جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ ہم نے اکثر احادیثِ معلولہ کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ اس فن کا ماہر ان میں بصیرت حاصل کرے اس میں شک نہیں کہ

---

[1]:۔ التدریب ص۸۹۔ التوضیح جلد ۲ ص۲۷، ص۲۸

[2]:۔ الجامع جلد ۱۰ ص۱۹۱

[3]:۔ الجامع جلد ۷، ص۱۲۷

[4]:۔ التدریب ص۸۹

[5]:۔ معرفۃ علوم الحدیث میں ص۱۱۲ تا ص۱۱۹ پر ان دس اقسام کا ذکر ہے۔ امام سیوطی نے التدریب میں امام حاکم سے نقل کر کے یہ تمام قسمیں مع مثالوں کے بیان کر دی ہیں۔ ملاحظہ ہو التدریب ص۹۱ تا ص۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

علل الحدیث کی پہچان کا فن علوم الحدیث میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔"[1]

لیکن یاد رہے کہ علل حدیث کی اقسام صرف ان دس تک محدود نہیں ہے جن کا ذکر امام حاکم نے کیا ہے۔ لہٰذا ہم حدیثِ نبوی پر قدح وارد کرنے والے ان مخفی اسباب کی وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) مثال کے طور پر ایک حدیث کسی خاص صحابی کی روایت سے صحیح اور محفوظ ہوتی ہے مگر یہی حدیث ایک اور راوی سے روایت ہو جس کا شہر پہلے راوی یا راویوں سے مختلف ہو تو یہ حدیث معلول ہوگی۔ مثلاً موسیٰ بن عقبہ نے ابو اسحاق سے، انہوں نے ابو بردہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے مرفوعاً یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں روزانہ ۱۰۰ مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں"۔

بظاہر اس حدیث کی سند کو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ یہ صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔ لیکن اس کی سند میں ایک مدنی راوی دوسرے کوفی راوی سے روایت کر رہا ہے اور یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اہل مدینہ جب اہل کوفہ سے روایت کرتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں۔[2]

(۲) یہ بھی معلول کی قسم سے ہے کہ کسی شخص سے اس کے شیخ کے نام میں اختلاف ہو جائے یا اسے مجہول (بغیر نام کے) ذکر کر دیا جائے۔ مثال کے طور پر ابو شہاب سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں، وہ حجاج سے اور وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے، اور وہ ابو سلمہ سے اور ابو سلمہ نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن سادہ دل اور سخی ہوتا ہے اور کافر دھوکے باز اور کنجوس ہوتا ہے"۔

محدث حاکم کا کہنا ہے کہ اس روایت میں علت اس وقت پیدا ہوگی جب اس کی سند یوں بیان ہو کہ:

"ابن کثیر نے کہا میرے پاس سفیان ثوری نے حجاج سے سن کر روایت کیا اور

---

[1]: معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹

[2]: معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حجاج نے ایک "شخص" سے سُنا اور اس نے ابو سلمہ سے"[1]۔

(۳) حدیثِ معلول کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص جس سے روایت کرے اس سے ملے اور اس سے احادیث سُنے۔ لیکن خاص زیرِ بحث حدیث کا سماع اس سے ثابت نہ ہو اور جب ایسی حدیث وہ اس شخص سے براہِ راست روایت کرے گا تو ان میں یہ علت پیدا ہو گی کہ ان احادیث کا سماع ہی اس سے ثابت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت حضرت انسؓ سے اور انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ہاں روزہ افطار کیا کرتے تو فرمایا کرتے:

"روزہ داروں نے تمہارے ہاں روزہ افطار کیا"[2]۔ (حدیث نبوی)

لیکن امام حاکم نے اس حدیث پر محاکمہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"کسی طرق سے یہ بات ہمارے ہاں ثابت ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت انس بن مالک سے درست ہوتی ہے لیکن یحییٰ نے مذکورہ حدیث حضرت انس سے نہیں سُنی ہے۔ پھر حاکم نے سنداً یحییٰ سے ذکر کیا ہے کہ "مجھے یہ حدیث کسی نے ان سے بتائی تھی میں نے خود ان سے نہیں سُنی"[3]۔

(۴) حدیثِ معلول کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حدیث کی سند بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں کوئی ایسا راوی بھی ہو سکتا ہے جس کا سماع اپنے شیخ سے معروف نہیں ہوتا مثال کے طور پر موسیٰ بن عقبہ نے سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے، وہ ابو ہریرہؓ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

"جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھا ہو جہاں بہت شور و غل رہا ہو تو مجلس برخاست ہونے

---

[1]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۷ علامہ احمد شاکر کہتے ہیں کہ حاکم کی بیان کردہ روایت درست نہیں ہے کیونکہ اس سند کے دیگر شواہد اور متابعات بھی ہیں (الباعث الحثیث ص۶۶)

[2]:۔ حدیث کا باقی حصہ یہ ہے کہ:

"نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا ہے اور فرشتوں نے تمہارے لیے دعا کی ہے"۔

[3]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۷، ص۱۱۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سے پہلے وہ یہ کلمات پڑھ لے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

"تو اس مجلس میں جو گناہ اس سے صادر ہوں وہ سب معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔

منقول ہے کہ جب امام مسلم نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا تھا:

یہ بڑی عمدہ حدیث ہے اور ساری دنیا میں اس مضمون کی یہ ایک ہی حدیث ہے مگر یہ معلول حدیث ہے۔ اس حدیث کو ہم نے موسیٰ بن اسماعیل سے انہوں نے وہیب سے انہوں نے سہیل سے اور انہوں نے عون بن عبداللہ سے سُنی ہے۔ لیکن موسیٰ بن عقبہ کا سہیل بن ابی صالح سے سماع معروف نہیں ہے۔[1]

(۵) طالب حدیث کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ یہ عبارت دیکھے کہ "فلاں حدیث فلاں وجہ سے معلول ہے"۔ تو وہ جلدی سے یہ فیصلہ نہ کر لے کہ اس میں کوئی اصطلاحی علت قادحہ موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض علماء نے علت کا اطلاق اصطلاحی معنی و مفہوم کے علاوہ دوسرے معانی پر بھی کیا ہے[2]۔ ان کی رائے میں علت ایک مخفی عیب ہے لیکن وہ ضعفِ حافظہ یا کذب بیانی نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ علت سے حدیث کا ظاہری عیب و نقص مراد لے لیتے ہیں جس کی وجہ سے حدیث کی صحت مجروح نہیں ہو جاتی ظاہر ہے کہ ضعفِ حدیث کی کسی ظاہری وجہ کی بنیاد پر کسی حدیث کو معلل نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ علت ایک مخفی اور پوشیدہ عیب ہے جس کی وضاحت ہم نے مثالوں سے کر دی ہے۔ البتہ بعض محققین کا خیال ہے کہ علت میں مخفی ہونے کی شرط غالب اکثریت کے قاعدے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ حدیث میں ایسی عِلَل بھی ہو سکتی ہیں جو بالکل واضح ہوں[3]۔

---

[1]۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۳، ص ۱۱۴

[2]۔ الباعث الحثیث ص ۷۰، [3]۔ التوضیح جلد ۲ ص ۲۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

محدث ابو یعلیٰ خلیلی اپنی کتاب "الارشاد" میں علت کا اطلاق حدیث کے ایسے عیوب پر بھی کرتے ہیں جن سے صحتِ حدیث متاثر نہیں ہوتی جیسے کوئی شخص ایسی روایت کو مرسلاً بیان کرے جسے کسی ثقہ اور ضابط راوی نے بھی موصولاً روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ خلیلی کہتے ہیں:

"حدیث صحیح کے اقسام میں صحیح معلول بھی ہے بعض محدثین نے شاذ کو بھی صحیح حدیث میں شمار کیا ہے اور اس ضمن میں وہ اصطلاح کے دائرے کے اندر محدود نہیں رہتے"۔

اس کے لیے وہ مؤطا امام مالک کی اس روایت کی مثال دیتے ہیں جس میں ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"خادم کو لباس اور خوراک مہیا کی جائے"

خود امام مالکؒ نے اس روایت کو معضلاً بیان کیا ہے۔ ابراہیم بن طہمان اور نعمان بن عبد السلام نے مالک سے، انہوں نے محمد بن عجلان سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ اب اسناد کے بعد یہ حدیث صحیح ٹھہرتی ہے اور معضل نہیں رہتی۔ بعض محدثین کی یہ رائے بھی ہے کہ "یہ حدیث معلول کے برعکس معاملہ ہے۔ کیونکہ بظاہر معلول میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ لیکن تحقیق و تفحص سے اس کے عیب کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے برعکس اس حدیث میں بظاہر علت اس کا اعضال ہونا ہے لیکن تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث موصول ہے[1]۔

لیکن یاد رہے کہ ہر معلول حدیث مردود نہیں ہوتی۔ منقطع حدیث بھی معلول نہیں ہے۔ اسی طرح جس حدیث میں مجہول رواۃ ہوں یا ضعیف حدیث ہو تو یہ معلول نہیں ہو جاتیں کسی حدیث کو معلول اس وقت کہیں گے جب نتیجے کے

---

[1]: الباعث الحثیث ص۷۷، ص۷۸۔ التوضیح جلد ۲ ص۲۳، ص۲۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

www.kitabosunnat.com

اعتبار سے ایسا ثابت ہو جائے[1]

امام حاکم کہتے ہیں کہ:

کسی حدیث کو کبھی ایسے اسباب کی بنا پر معلول کہا جاتا ہے۔ جب بظاہر اس میں نقد و جرح کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر راوی مجروح ہو تو اس کی حدیث کو ساقط اور ضعیف کہیں گے (مگر معلل قرار نہیں دیں گے) البتہ جہاں تک علت کا معاملہ ہے تو وہ ثقہ رواۃ کی روایات میں بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر انہیں علت کی موجودگی کا پتہ نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسی حدیث معلول قرار پاتی ہے۔ ہمارے نزدیک کسی حدیث کی صحت کی دلیل اس کے راویوں کا فہم، قوتِ حافظہ اور ان کی معرفت ہے"[2]

۶۔ مضطرب حدیث مضطرب[3] وہ ہے جس کی روایات متعدد ہوں اور ان میں ایسی مساوات پائی جائے کہ کسی ایک روایت کو دوسری پر ترجیح نہ دی جا سکے۔ اس میں کبھی ایک ہی راوی اس حدیث کو دو یا زیادہ مرتبہ روایت کرتا ہے یا پھر دو یا دو سے زیادہ راوی اسی ایک حدیث کو روایت کر رہے ہوتے ہیں[4]

مضطرب حدیث میں ضعف کا سبب اس کے راویوں کا وہ اختلاف ہے جو ان

---

[1]:۔ التوضیح جلد ۲ صـ ۲۷

[2]:۔ معرفۃ علوم الحدیث صـ ۱۱۲، صـ ۱۱۳

[3]:۔ اضطراب کے معنی ہیں "خلل واقع ہونا"، "نظام بگڑ جانا" لغت میں اضطراب کے معنی ہیں، موجوں کا آپس میں ٹکرانا۔ اگر مضطرب پڑھا جائے تو یہ اسم مکان ہے اضطراب سے۔ اور پھر اس میں اصطلاحی معنی و مفہوم زیادہ نمایاں ہوگا۔ لہٰذا مضطرب کے معنی ہیں وہ حدیث جہاں راوی یا راویوں کا اختلاف کھل کر نمایاں ہوتا ہے (الفیہ سیوطی حاشیہ صـ ۱۱۸)

[4]:۔ التدریب صـ ۹۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کے حفظ وضبط میں ہے[1]۔ اس اختلاف کو صرف ایک ہی صورت میں دور کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ کسی ایک راوی کی روایت کو اس کے حفظ وضبط یا طوالتِ سماع کی وجہ سے دوسری روایت پر ترجیح دی جائے اور راجح قرار دیا جائے۔ یہی سبب ہے کہ ایک ایک روایت یا کئی روایات کے ترجیح پانے اور راجح قرار دیئے جانے کے بعد حدیث کو مضطرب نہیں کہا جائے گا[2]۔

اضطراب عام طور پر اسناد میں ہوتا ہے لیکن بعض اوقات حدیث کے متن میں بھی موجود ہوتا ہے۔ البتہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ صرف حدیث کے متن میں اختلاف کی وجہ سے اسے مضطرب کہا جائے[3]۔

اسناد میں اضطراب کی مثال حضرت ابوبکر کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے کہا "اے اللہ کے رسول! آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں"، فرمایا "سورۃ ھود اور اس کی مثل سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے"۔

دار قطنی کا قول ہے کہ درج بالا حدیث مضطرب ہے۔ اور یہ صرف ابو اسحاق کے طریق پر روایت ہوئی ہے اور ابو اسحاق سے روایت کرنے والے اسے دس مختلف

---

[1]: التوضیح ص۴۷۔ مضطرب حدیث میں رجال و رواۃ کا ضابط نہ ہونا ایک واضح امر ہے۔ چاہے اس کا ایک ہی راوی ہو یا زیادہ ہوں۔ کیونکہ جب راوی کسی حدیث کو کسی طرق سے روایت کرتا ہے تو اس میں حفظ وضبط کا اہتمام مشکل ہو جاتا ہے اس لیے کہ روایت کا تعدد بھی ایک طرح کا تناقض ہی ہے۔ جب مضطرب حدیث کے راوی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ بھی عدم ضبط میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور عدم ضبط کو صرف ایک ہی صورت میں زائل کیا جا سکتا ہے کہ جب کسی ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینے کے واضح امکانات ہوں۔

[2]: التدریب ص۹۳

[3]: شرح نخبہ ص۲۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

طُرق سے بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابو اسحاق کے بعض شاگرد اس روایت کو مُرسلاً بیان کرتے ہیں۔ بعض نے موصولاً بیان کیا ہے اور بعض نے ابو بکر کی مسند بتایا ہے۔ پھر بعض نے سعد کی اور بعض نے اسے حضرت عائشہ کی مسند بتایا ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی کو بھی دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اور جمع و تطبیق بھی یہاں ممکن نہیں ہے[1]

جب کوئی شخص ایسی مختلف اور متباین حدیث پر غور کرتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے دس مختلف اور باہم مخالف طرق سے کیا یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث صحیح نہ ہو؟ کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ان کی ثقاہت اس حد تک مساوی ہے کہ ان کی روایات میں کسی ایک کی ترجیح ممکن نہیں۔ اور یہ رائے کسی حد تک مقبول بھی رہی ہے۔

مگر اصل بات یہ ہے کہ کسی حدیث میں تعارض ہونے کی صورت میں جو حکم لگایا جاتا ہے وہ اس کی مختلف روایات کو کئی درجوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ جن میں بعض صحیح اور بعض صحیح تر روایات ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ حدیث جس کے راوی کے شاگردوں میں اختلاف موجود نہ ہو، وہ اس حدیث کے مقابلے میں صحیح تر ہوگی کہ جس میں ایسا اختلاف موجود ہو[2]۔ لہٰذا سند میں اضطراب کو ضعف کی علامت سمجھا گیا ہے کیونکہ جب روایات کا درجہ مساوی ہو اور ان میں عدم تعارض ہو تو ان پر صحیح حدیث

---

[1]: ۔ التدریب ص۹۴

[2]: ۔ التوضیح جلد ۲ ص۴۷ میں اس رائے کو حافظ ابن حجر کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور انہوں نے حافظ علائی سے اسے اخذ کیا ہے۔ حافظ علائی کا پورا نام صلاح الدین ابو سعید خلیل دمشقی ثم مقدسی شافعی ہے۔ بیت المقدس میں ۷۶۱ھ میں فوت ہوئے آپ کی تصانیف میں "جامع التحصیل فی احکام المراسیل" اور "اختصار جامع الاصول لابن اثیر الجزری" بہت مشہور ہیں ان کے حالاتِ زندگی الرسالۃ المستطرفہ ص۶۲، ص۶۳ پر درج کیے گئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کا حکم لگانا درست نہیں ہے۔ پھر چونکہ صحیح ہونے میں ان روایات کی مساوات ہوتا گو نہ ضعیف ہونے مساوات ہونا ہے لہذا اب کوئی وجہ ترجیح موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی ایک روایت پر عمل کیا جائے اور دوسری تمام کو چھوڑ دیا جائے[1]

حدیث کے متن میں اضطراب کی مثال وہ حدیث ہے جس میں بسم اللہ کا تذکرہ ہے امام مسلم نے اپنی الصحیح میں ولید بن مسلم[2] سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اوزاعی سے

---

[1]: حافظ ابن حجر نے حافظ علائی کے حوالے سے "اضطراب فی الاسناد" کی درج ذیل ۶ قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) وصل و ارسال کا تعارض (۲) موقوف و مرفوع کا تعارض

(۳) متصل اور منقطع کا تعارض (۴) یہ کہ محدثین کی ایک جماعت کسی حدیث کو ایک شخص کے واسطے سے تابعی سے، اور وہ صحابی سے روایت کر رہا ہو اور پھر یہی شخص اسی حدیث کو کسی اور تابعی لیکن اسی صحابی سے روایت کرے۔

(۵) دونوں میں کسی ایک کی اسناد میں ایک راوی کا زیادہ ہونا۔

(۶) کسی راوی کے نام و نسب میں اختلاف ہونا جب کہ دونوں میں سے ایک راوی ثقہ ہو اور دوسرا ضعیف ہو۔

یہ تمام صورتیں توضیح جلد ۲ صـ۳۸ تا صـ۴۷ پر تحریر کی گئی ہیں۔

[2]: ولید بن مسلم، دمشق کے عالم اور حافظ و امام تھے۔ ابو العباس اموی کے آزاد کردہ غلاموں کی نسبت رکھتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ تاریخ پر بھی کتب تالیف کیں۔ علم حدیث میں خاص ملکہ حاصل کیا۔ لیث بن سعد نے ان کی روایات سنی ہیں آپ کا حفظ و علم مسلم ہے تدلیس کرتے تھے اس لیے اس وقت تک قابل احتجاج نہیں ہیں جب تک اپنے سماع کا ذکر نہ کریں۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ۳۰۲ تا صـ۳۰۴)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سُنا ہے کہ قتادہ نے ان کو تحریر کے ذریعے حضرت انس بن مالک سے سُن کر اطلاع دی کہ میں (انس) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے پیچھے نماز میں پڑھی ہیں۔ وہ قرارت کی ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے کرتے تھے اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ تو قرارت کے آغاز میں پڑھتے اور نہ اختتام پر۔

اس حدیث کے آخری الفاظ جس میں راوی نے صراحت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنے کی نفی کی ہے۔ یہ ٹکڑا اس حدیث میں مضطرب ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اسی مسئلے کے بارے میں ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں نفیاً یا اثباتاً بسم اللہ کا ذکر موجود نہیں ہے اس میں راوی صرف یہی الفاظ بیان کرتا ہے کہ "وہ قرارت کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے کیا کرتے تھے" راوی یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ قرارت کی ابتدا سورۃ فاتحہ سے کی جاتی تھی۔ لیکن اگر بات اس پر ختم ہو جاتی تو ہم اس (مسلم کی روایت) کے مقابلے میں صحیحین کی متفق علیہ روایت ہی کو ترجیح دیتے اور پھر مسلم کی روایت کو مضطرب نہ کہتے۔ لیکن حضرت انسؓ ہی سے ایک تیسری روایت بھی نقل ہوئی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ سے جب نماز کا آغاز بسم اللہ سے کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "مجھے اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ یاد نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت انسؓ کا اس ضمن میں یہ تذبذب محلِ نظر ہے۔ لہٰذا بسم اللہ کی کسی روایت کو بھی نفیاً یا اثباتاً ترجیح دینا بہت مشکل ہے۔ اس لیے عدم ترجیح ہی کی وجہ سے ہم نے پہلی حدیث کے متن کو "مضطرب" ٹھہرایا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث اس امر کی مثال بھی ہے کہ متنِ حدیث میں علت واقع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ابن الصلاح کی "علوم الحدیث" کی شرح[1] میں حافظ عراقی

---

[1]:۔ شرح کتاب ابن الصلاح ص ۹۸ تا ص ۱۰۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نے اور امام سیوطی نے اسے "التدریب"[1] میں بطور حدیث معلّل بیان کیا ہے اور اس میں تعجب کا کوئی پہلو نہیں ہے کیونکہ اضطراب بھی ایک لحاظ سے علت ہوتی ہے اور اضطراب و اعلال میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔[2]

حافظ ابن حجر نے معلّل کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہی محدث علائی سے مضطرب حدیث کے بارے میں منقول ہے۔ امام علائی لکھتے ہیں کہ:

مضطرب حدیث کی پہچان علم حدیث کے دقیق ترین مسائل میں سے ہے صرف وہی شخص اس مسئلے سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ذہانت اور وسعتِ علم سے نوازا ہو اور جو رواۃ و رجال کے مراتب کی معرفت میں بھی ماہر ہو۔[3]

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "المقترب فی بیان المضطرب"[4] مرتب کرتے وقت جس وجہ سے امام دارقطنی کی کتاب "العلل"[5] پر بہت زیادہ اعتماد کیا تھا وہ یہ ہے کہ دراصل مضطرب اور معلّل میں کوئی خاص فرق و امتیاز نہیں ہے دونوں کا موضوع تقریباً ایک ہی ہے اور ان کی مثالیں بھی ایک جیسی ہیں۔

اس کے علاوہ مذکورہ بیان سے اس امر کی نشاندہی بھی ہوتی ہے کہ محدثین نے مختلف احادیث کی تقسیم در تقسیم کس طرح کی ہے اور ہر روایت کے مخصوص اوصاف کو کس طرح الگ حیثیت سے بیان کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض ایک دوسری

---

[1]:۔ التدریب صـ۸۹، صـ۹۱۔ لیکن سیوطیؒ نے اسی حدیث کو مضطرب فی المتن کی مثال کے طور پر بھی بیان کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

"میری رائے میں مضطرب المتن حدیث کی بہترین مثال وہ حدیث ہے جس میں بسم اللہ کا ذکر ہے۔ ابن عبدالبر نے اسی حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے۔ اور بعض اوقات کوئی حدیث مضطرب بھی ہو سکتی ہے اور معلّل بھی"۔ (التدریب صـ۹۵)

[2]:۔ التوضیح جلد ۲ صـ۳۷ [3] التوضیح جلد ۲ صـ۳۶، صـ۳۷

[4]:۔ التدریب صـ۹۵ [5]:۔ التدریب صـ۹۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں مدغم ہو سکتی ہیں۔ اور اس میں کوئی تناقض بھی نہیں ہے اور وہی محدثین کرام کی باریک بینی اور کاوش کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے تو ایک ایک حدیث کو ہر پہلو سے دیکھا اور جانچا پرکھا ہے۔ جس پہلو سے وہ حدیث مضطرب قرار پائی تھی انہوں نے اسے مضطرب کہا اور جس پہلو سے وہ حدیث معلّل ٹھہرتی تھی انہوں نے اسے معلّل قرار دیا۔ البتہ یاد رہے کہ اضطراب کی بعض صورتیں حدیث صحیح اور حدیث حسن کے ساتھ جمع بھی ہو سکتی ہیں[1] اور یہ صورت اس وقت پیش آجاتی ہے جب کسی راوی کے نام و نسب اور اس کے باپ کے نام میں اختلاف واقع ہو، جب کہ وہ راوی ثقہ بھی ہو۔ ایسی صورت میں بھی حدیث کو مضطرب لکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس مضطرب کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حدیث صحیح یا حسن کے درجے کی نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ وہ اضطراب حدیث کے ضعف کا ایک سبب بن جاتا ہے اور اس کی مختلف صورتوں کی تفصیل متن اور سند کے اعتبار سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں[2]

۷۔ مقلوب مقلوب وہ حدیث ہے جس میں کسی راوی سے حدیث کے متن کا کوئی لفظ یا سند میں کسی راوی کا نام و نسب بدل گیا ہو یا مقدم کو مؤخر یا مؤخر کو مقدم کر دیا گیا ہے، یا ایک چیز کی جگہ دوسری چیز رکھ دی گئی ہو[3]

اس تعریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قلب کی حالت سند اور متن دونوں میں پائی جا سکتی ہے۔

مقلوب فی المتن کی مثال میں صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس کے اندر ان سات

---

[1]:۔ امام سیوطی نے التدریب ص۹۵ پر زرکشی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "قلب" اضطراب اور شذوذ تینوں حدیث صحیح اور حسن کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں"، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو حدیث مقلوب ہو، یا مضطرب ہو، یا شاذ ہو، وہ صحیح اور حسن کے درجے کی حدیث بھی ہو سکتی ہے۔

[2]:۔ الباعث الحثیث ص۸۵

[3]:۔ ہم نے یہ تعریف مقلوب کی تمام اقسام کو پیش نظر رکھ کر کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

آدمیوں کا ذکر ہے جو قیامت کے روز سایہ خداوندی کے نیچے ہوں گے اس حدیث میں ہے کہ:

"وہ آدمی جس نے پوشیدہ طور پر صدقہ دیا یہاں تک کہ اس کا بایاں ہاتھ جو کچھ خرچ کر رہا ہے تو اس کے دائیں ہاتھ کو اس کا پتہ نہیں چلتا"۔

لیکن صحیحین کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"اس کا دایاں ہاتھ جو کچھ خرچ کرتا ہے تو بائیں ہاتھ کو اس کا پتہ نہیں چلتا"[1] مگر راوی نے اس حدیث کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر اور "دائیں" کو پہلے اور "بائیں" کو بعد میں ذکر کیا جب کہ اصل حدیث میں اس کے برعکس الفاظ تھے۔

اس طرح مقلوب فی الاسناد کی مثال وہ تقدیم و تاخیر ہے جو اکثر طور پر راویوں کے ناموں میں واقع ہو جاتی ہے۔ جیسے مُرّہ بن کعب اور کعب بن مُرّہ ان میں سے ایک راوی کا جو نام ہے وہ دوسرے کے باپ کا نام ہے[2]

---

[1]:۔ پوری حدیث یہ ہے "سات آدمی قیامت کے دن سایۂ خداوندی کے نیچے ہوں گے جب کہ اس کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔

(۱) عادل سلطان (۲) وہ جوان جس نے عبادت گذاری کے ماحول میں جوانی بسر کی۔

(۳) وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا رہے۔

(۴) وہ دو شخص جن کی محبت صرف اللہ کے لیے ہو۔ وہ رضائے الٰہی کی خاطر محبت کریں اور اسی کی خاطر ترکِ محبت کریں۔

(۵) وہ شخص کہ جسے کسی مالدار حسین عورت نے دعوتِ گناہ دی اور اس نے جواب میں کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

(۶) وہ شخص جس نے اس طرح پوشیدہ طور پر صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو اس صدقے کا پتہ نہیں جو اس کے دائیں ہاتھ نے خرچ کیا۔

(۷) وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رویا ہو۔

(شرح نخبہ صـ۲۲ ۔ التوضیح جلد ۲ صـ۱۰۶)

[2]:۔ شرح نخبہ صـ۲۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خطیب بغدادی نے خاص اس موضوع پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "رفع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب"۔[1]

مذکورہ مثالوں میں قلب سہواً ہوا ہے نہ کہ عمداً۔ لیکن اس کے باوجود حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ قلب عمداً واقع ہوتا تو پھر اس حدیث کو موضوع کہا جاتا[2]

قلب عمداً اس طرح واقع ہوتا ہے کہ ایک کسی ایک راوی یا کسی خاص سند کی وجہ سے مشہور ہوتی ہے۔ مگر واضعین حدیث (حدیثیں گھڑنے والے) اس راوی کی جگہ کوئی ایسا راوی رکھ دیتے تھے جن کی روایات عام طور پر مقبول ہوتی ہیں[3]۔ جیسے سالم بن عبداللہ[4] سے کوئی حدیث مروی ہو تو اس کی جگہ نافع[5] رکھ دیا جائے یا کسی ایک سند کی بجائے دوسری سند بیان کر دی جائے۔

مثال کے طور پر حماد بن عمرو نصیبی کذاب[6] روایت کرتا ہے اعمش سے وہ ابو

---

[1]:۔ الباعث الحثیث صـ۹۷ بحوالہ شرح نخبہ صـ۲۲

[2]:۔ شرح نخبہ صـ۲۲

[3]:۔ التوضیح جلد ۲ صـ۹۹

[4]:۔ پورا نام سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب القرشی العدوی ہے۔ آپ مشہور تابعی عالم ہیں۔ آپ کا شمار فقہائے مدینہ میں ہوتا ہے۔ ۱۰۶ھ میں فوت ہوئے (تہذیب التہذیب جلد ۳ صـ۴۳۶)

[5]:۔ نافع کی کنیت ابو عبداللہ ہے آپ تابعین مدینہ کے امام تھے بچپن ہی میں کسی لڑائی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاتھ آ گئے۔ ان کو عمر بن عبدالعزیز نے احادیث کی تعلیم دینے کے لیے مصر بھیجا۔ بڑے ثقہ راوی اور کثیر الروایت تھے آپ ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے (تہذیب جلد ۱۰ صـ۴۱۲)

[6]:۔ امام بخاری نے نصیبی کو منکر الحدیث کہا ہے اور نسائی اسے متروک کہتے ہیں۔ جوزقانی کا قول ہے کہ وہ کذاب تھا۔ ابن حبان نے اسے واضعین حدیث میں شمار کیا ہے (المیزان۔ التوضیح جلد ۲ صـ۱۰۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صالح سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تمہاری ملاقات راستے میں مشرکین سے ہو تو ان کو پہلے سلام نہ کہو"

حماد نے اس حدیث کو بدل دیا اور اسے اعمش کی روایت کے طور پر بیان کر دیا جب کہ معروف روایت یہ ہے:

"سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ"[1]

بہت سے محدثین حدیثوں کو بدل کر راویانِ حدیث کا امتحان لیتے تھے[2] اس صورت حال کے حافظے کو جانچ سکیں کہ اسے اپنے حافظے پر کتنا اعتماد ہے اور وہ کسی کی غلط روایت قبول کرتا ہے یا نہیں[3] اس صورت حال کا مقصد احادیث وضع کرنا نہیں تھا اور نہ یہ کہ ان کی تبدیل کردہ روایت بدستور باقی رہے[4]

خطیب بغدادی نے احمد بن منصور ادبازی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس نے کہا:

"میں امام احمد اور یحییٰ بن معین کی ہمراہی میں عبدالرزاق کے پاس گیا جب ہم کوفہ پہنچے تو یحییٰ بن معین نے احمد بن حنبل سے کہا" میں ابونعیم کا امتحان لیتا ہوں" امام احمد نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ انہوں نے ابونعیم کی روایت کردہ ۳۰ حدیثیں ایک کاغذ پر لکھ لیں اور ہر دس حدیثوں پر ایک حدیث کا اضافہ کر دیا جو کہ ابونعیم کی روایت کردہ نہ تھی اس کے بعد ہم ابونعیم کے پاس آئے وہ ہماری طرف آکر اپنے

---

[1]:۔ امام مسلم اس حدیث کو اپنی "الصحیح" میں بروایت شعبہ و ثوری و جریر و ابن عبدالحمید و عبدالعزیز از سہیل بیان کرتے ہیں۔

[2]:۔ الجامع جلد ۱ ص۱۷

[3]:۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۰۲

[4]:۔ التدریب ص۱۰۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مکان کے سامنے ایک چبوترے پر بیٹھے۔ انہوں نے امام احمد کو اپنے دائیں طرف اور یحییٰ کو بائیں طرف بٹھالیا۔ میں نیچے بیٹھا رہا۔ اب یحییٰ نے ابو نعیم کو دس احادیث پڑھ کر سنائیں ابو نعیم خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر جب گیارہویں حدیث سُنا دی تو ابو نعیم نے کہا "اس حدیث تو میں نے روایت نہیں کی، آپ اسے مٹا دیں"۔ اس کے بعد دوسری دس احادیث سنائیں اور جب گیارہویں حدیث سنائی تو ابو نعیم نے کہا "اس حدیث کو بھی میں نے روایت نہیں کیا، آپ اسے مٹا دیں" اس کے بعد جب آخری دس احادیث سنائیں اور تیسری بھی پڑھی تو ابو نعیم کو سخت غصہ آیا اور امام احمد کی کلائی پکڑ کر کہا "یہ بہت متقی آدمی ہے، یہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا"، پھر (احمد بن منصور) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ عام آدمی ہے، ایسا نہیں کر سکتا"، پھر یحییٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "ارے بدکار! یہ تمہاری شرارت ہے"، پھر اس نے یحییٰ کو ٹانگوں سے دھکیلا اور چبوترے سے اتار دیا اور خود اُٹھ کر گھر کو چل دیئے۔ امام احمد نے یحییٰ بن معین سے کہا "میں نے آپ سے کہا تھا کہ ایسا نہ کریں یہ بڑا ثقہ راوی ہے" اس پر یحییٰ نے کہا "یہ دھکے مجھے پورے سفر سے زیادہ پسند ہیں"۔[1]

لیکن محققینِ حدیث نے اس طرح کی فریب دہی کو ہرگز پسند نہیں کیا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی باتوں سے منع فرمایا ہے[2]۔ یہی وجہ ہے کہ جب شعبہ نے ابان بن ابی عیاش کی روایات کو اُلٹ پلٹ کیا تھا تو محدث "حرمی" نے شعبہ پر سخت اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اس نے بُرا کیا ہے"۔[3]

مقلوب حدیث کو پہچاننے کے لیے وسعتِ علم اور اسانید و روایات میں بڑی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب قلب کے باوجود محدث نے احادیث کا پتہ چلا لیا تو گویا اس نے

---

[1] :۔ التوضیح جلد ۲ صـ۱۰۲، صـ۱۰۳

[2] :۔ التوضیح جلد ۲ صـ۱۰۲

[3] :۔ التدریب صـ۱۰۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اپنی مہارتِ حدیث کا ثبوت دے دیا۔

امام بخاریؒ کے امتحان کا واقعہ

اس سلسلے میں خطیب بغدادی نے امام بخاری کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے آپ کی جلالتِ قدر معلوم ہوتی ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ جب امام بخاری بغداد تشریف لائے تو وہاں کے علماء جمع ہوئے۔ انہوں نے ایک سو حدیثوں کے متون اور اسانید کو باہم گڈمڈ کیا ایک حدیث کا متن کسی اور حدیث کی سند کے ساتھ لگا دیا۔ اور اس طرح تمام احادیث کو بدل دیا پھر دس آدمیوں کو یہی دس دس حدیثیں دے کر کہا کہ جب امام صاحب مجلس میں موجود ہوں تو یہ حدیثیں باری باری پیش کر دی جائیں ایک وقت مقرر کر دیا گیا اور پھر اس مجلس میں دوسرے علاقوں سے مثلاً خراسان وغیرہ اور مقامی طور پر بغداد کے محدثین جمع ہوئے۔ جب مجلس آراستہ ہوئی تو ان دس آدمیوں میں سے ایک اُٹھا اور امام صاحب کی خدمت میں ایک حدیث بیان کی اور اس کے بارے میں امام بخاری سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا "مجھے یہ حدیث معلوم نہیں ہے"۔ پھر اس شخص نے دوسری حدیث کے بارے میں پوچھا تو امام صاحب نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح اس نے دس حدیثیں بیان کیں اور ہر بار اسے ایک ہی منفی جواب ملا۔ مجلس میں جو ذہین لوگ موجود تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ آدمی عقلمند ہے اور جو عامۃ الناس تھے وہ یہ سمجھے کہ امام بخاری ان حدیثوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی ایک حدیث بیان کی اور اس کے بارے میں امام صاحب سے پوچھا۔ امام بخاری نے پھر وہی جواب دیا اس شخص نے بھی اپنی پوری دس حدیثیں سنا دیں مگر امام صاحب کا ایک ہی جواب تھا۔ الغرض دس آدمیوں نے باری باری تمام حدیثیں سنا ڈالیں اور ہر بار امام بخاری کا یہی جواب تھا کہ لَا اَعْرِفُہٗ (میں اسے نہیں جانتا)۔

پھر جب امام صاحب نے محسوس کیا کہ اب کوئی آدمی دریافت کرنے والا نہیں ہے تو پہلے شخص کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ آپ کی پہلی حدیث اصل میں یوں تھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

دوسری بار اور تیسری اس طرح تھی۔ حتیٰ کہ دس حدیثیں صحیح صورت میں اسے بتا دیں۔ اور ہر حدیث کو اصل متن اور سند کے ساتھ بیان کیا۔ اور پھر باقی تمام آدمیوں کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔

یہ منظر دیکھ کر تمام لوگوں نے امام صاحب کی زبردست قوتِ حافظہ کا لوہا مانا اور سرِ تسلیم خم کر دیا۔[1]

مقلوب حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ ضبط کی کمی ہوتی ہے کیونکہ اس سے حدیث میں تقدیم و تاخیر اور تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مقلوب حدیث کو سمجھنے میں بہت دقت پیدا ہو جاتی ہے اور سامع غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔[2]

۸۔ شاذ شاذ[3] حدیث کی تعریف بڑی مشکل ہے۔ اس لیے اس ضمن میں علماء نے مستقل کتابیں تالیف نہیں کی ہیں۔[4] لیکن یہ درست ہے کہ شاذ میں بالعموم دو باتیں پیشِ نظر ہوتی ہیں، ایک انفراد، دوسری مخالفت۔

عام طور پر شاذ حدیث کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ:

"وہ حدیث جس میں کوئی ثقہ راوی دوسرے ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہو۔"

اسی تعریف کو زیادہ تحقیق و تدقیق سے یوں کہا جاتا ہے کہ:

"شاذ وہ حدیث ہے جس میں ایک مقبول راوی اپنے سے زیادہ معتبر راوی کی مخالفت کرتا ہے۔"

حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ شاذ حدیث کی اصطلاحی اور معتمد تعریف یہی ہے۔[5]

---

[1]:۔ التدریب ص۱۲۶، ص۱۷۰۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۳۴۔ الفیۂ سیوطی ص۱۳۲۔

[2]:۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۳۵

[3]:۔ ایسی حدیث کو شاذ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جمہور سے الگ تھلگ اور منفرد ہوتی ہے التوضیح جلد ۲ ص۱۳۷

[4]:۔ التدریب ص۸۱

[5]:۔ شرح نخبہ ص۱۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حافظ ابن حجر نے ان دونوں تعریفات میں دو مشہور اصطلاحوں کے درمیان فرق و امتیاز کو کچھ کم کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور ان دونوں اصطلاحات میں سے ایک امام شافعیؒ اور دوسری امام حاکم کی طرف منسوب ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ:

"شاذ حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ ثقہ راوی ایسی روایت بیان کرے جو دوسرا کوئی راوی بیان نہ کرتا ہو۔ اس کے برخلاف شاذ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ثقہ راوی کوئی ایسی روایت بیان کرے جو تمام لوگوں کی روایت کے خلاف ہو"[2]

البتہ امام شافعی کی اس تعریف میں "لوگوں" سے مراد ثقہ راوی ہیں۔ اس طرح اُن کی تعریف یہ قرار پاتی ہے کہ "شاذ وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایک راوی دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کر رہا ہو" اس سے ظاہر ہوا کہ امام شافعی نے شاذ کی تعریف میں صرف تفرد کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ انہوں نے بیک وقت تفرد اور مخالفت کو اس کے لیے ضروری ٹھہرایا ہے۔ لیکن امام شافعی نے یہ شرط نہیں لگائی کہ ثقہ راوی کسی زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے بلکہ محض ثقات کی مخالفت کی نشاندہی کی ہے۔

---

[1]: امام شافعی رحمۃ اللہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ بہت بڑے عالم، صاحبِ مذہب اور کثیر التصانیف تھے۔ پورا نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے، شافع کی نسبت سے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔ آپ قریشی، مطلبی اور مکی الاصل تھے۔ ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ آپ کی والدہ کا تعلق بنی ازد سے تھا۔ امام مالک، سفیان بن عیینہ، ... عبد المالک بن ماجشون سے آپ نے حدیث پڑھی ہے اور مسلم بن خالد زنجی سے فقہ حاصل کی۔ حدیث، تفسیر اور فقہ و ادب پر کئی کتابیں لکھیں۔ اور الرسالۃ، کتاب الأم اور المبسوط، آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ آپ کی وفات مصر میں ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ آپ نے ۵۴ برس کی عمر پائی۔

[2]: معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹، التدریب ص ۸۱، التوضیح جلد ۱ ص ۳۷۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

علماء حجاز کی اکثریت[1] اسی اصطلاح کو مانتی ہے ابن الصلاح بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے بعد ابن کثیر اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب ثقہ راوی ایسی روایت بیان کرے جو کسی اور نے بیان نہ کی ہو، اور وہ راوی حافظ و ضابط بھی ہو تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ کیونکہ اگر ایسی حدیث کو رد کیا جائے تو اس سے بہت سی احادیث کو رد کرنا پڑے گا اور کئی مسائل بغیر دلائل کے رہ جائیں گے[2]

امام ابن قیم[3] نے پُر زور الفاظ میں اسی مفہوم کو واضح کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"شاذ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک راوی دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کرے لیکن جب ایک ثقہ راوی کوئی منفرد روایت بیان کرے اور وہ دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرے تو اسے شاذ حدیث نہیں کہا جائے گا اور اگر ایسی حدیث کو شاذ کہا بھی جائے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ اس اصطلاح کی وجہ سے اسے ناقابلِ قبول قرار دیا جائے"[4]

اس سلسلے میں امام حاکم کا قول یہ ہے کہ:

"شاذ حدیث وہ ہے جس کی روایت کرنے میں ایک ثقہ راوی منفرد ہو اور اس کی تائید کسی اور حدیث سے نہ ہوتی ہو"[5]

اس تعریف میں امام حاکم نے صریح طور پر شاذ حدیث میں تفرد کی قید لگائی ہے اور وہ مخالفت کی شرط بھی عائد کرتے ہیں لیکن صراحت کے ساتھ نہیں۔

---

[1]:۔ اختصار علوم الحدیث ص ۶۱

[2]:۔ اختصار علوم الحدیث ص ۶۲، ص ۶۳

[3]:۔ یہ امام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز زرعی دمشقی ہیں جو ابن قیم جوزیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حنبلی تھے اور ۷۵۱ھ میں وفات پائی۔

[4]:۔ اغاثۃ اللہفان ص ۶۰

[5]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

دراصل جب ثقہ راوی کی روایت کی تائید میں کوئی اور حدیث موجود ہو تو ثقات کی مخالفت کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ امام حاکم نے شاذ حدیث کے لیے مؤید حدیث نہ ہونے کی شرط لگائی ہے اور اس سے گویا مخالفت کا مفہوم ضمناً معتبر سمجھا جائے گا۔ دوسری جگہ امام حاکم نے شاذ حدیث کی تعریف میں اسی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ شاذ حدیث کی تعریف جسے ہم نے امام شافعی کی بیان کردہ تعریف کے ساتھ درج کیا ہے وہ اس بارے میں پیدا ہونے والے تمام شکوک و شبہات کو رفع کر دیتی ہے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی بیان کردہ تعریف میں اور امام شافعی کی بیان کردہ تعریف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان دونوں تعریفات میں امام حاکم کی رائے میں اس حد تک مشابہت پائی جاتی ہے کہ انہوں نے شاذ حدیث کی ایک مثال بیان کر کے اس امر کی نشاندہی کر دی ہے کہ اگر لوگ چاہیں تو ان حاکم کی بیان کردہ تعریف اور مثال قبول کر لیں یا پھر امام شافعی کی بیان کردہ تعریف کی مثال کو اختیار کر لیں۔

امام حاکم نے شاذ حدیث کی مثال دیتے ہوئے یہ روایت بیان کی ہے کہ ابوبکر محمد بن احمد موسیٰ بن ہارون سے، وہ قتیبہ بن سعید سے، وہ لیث بن سعد سے، وہ یزید بن ابی حبیب سے، وہ ابوالطفیل سے اور انہوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک میں سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو نماز ظہر کو مؤخر کر کے نماز عصر کے ساتھ ملا کر ادا کرتے تھے۔ اور جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر کرنے کا ارادہ کرتے تو ظہر و عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے پھر نماز مغرب سے پہلے کوچ کرتے وقت تو نماز مغرب کو مؤخر کر کے نماز عشاء کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور جب مغرب کی نماز کے بعد عازم سفر ہوتے تو نماز عشاء کو نماز مغرب کے ساتھ ملا کر پڑھ لیتے تھے۔

امام حاکم نے اس حدیث پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ:

"اگرچہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں مگر اس حدیث کا متن اور اسناد دونوں ہی شاذ ہیں۔ اس کے علاوہ ہم اس میں کوئی علت واضح نہیں کر سکتے۔ اگر لیث

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس حدیث کو ابو الطفیل سے روایت کرتے تو اس صورت میں ہم اس حدیث کو معلّل قرار دیتے۔ یا یزید بن ابی حبیب، ابو الزبیر سے روایت کرتے ہوتے تو بھی ہم اس حدیث کو معلول کہتے۔ جب اس میں یہ دونوں علتیں موجود نہیں ہیں تو اس کو معلّل قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پھر جب ہم نے غور سے دیکھا تو یزید بن ابی حبیب کی کوئی روایت ابو طفیل سے ثابت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ابو الطفیل کے تلامذہ میں سے کسی نے بھی اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان نہیں کیا اور نہ ہی ان لوگوں میں سے کوئی اس کی تائید کرتا ہے جنہوں نے کہ اس حدیث کو بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن ابو الطفیل بیان کیا ہے لہذا ہم یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث شاذ ہے[1]

امام حاکم مذکورہ حدیث کو معلّل کہنے کے حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے صریح طور پر کہا ہے کہ اس میں کوئی علت قادحہ موجود نہیں ہے۔ لہذا اس حدیث کو معلول ٹھہرانے کا کوئی جواز نہیں۔ اس کا سبب امام حاکم کا یہ شعور و احساس ہے کہ جو صعوبت حدیث شاذ میں ہے وہ معلّل میں بھی ہوتی ہے کسی حدیث کے بارے میں محقق کو بعض اوقات کچھ کھٹکا ہوتا ہے کہ فلاں بات غلط معلوم ہوتی ہے لیکن وہ اس دلیل کے ذریعے دوسروں کو تسلیم نہیں کرا سکتا[2] یہی وجہ ہے کہ امام حاکم نے معلّل اور شاذ میں فرق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"معلول وہ حدیث ہے جس کی علت معلوم ہو، یا کوئی ایک حدیث دوسری میں شامل ہو گئی ہو یا راوی کو وہم ہو گیا ہو، یا ایک راوی کسی روایت کو مرسلاً بیان کرے اور وہم کرنے والے سے موصولاً بیان کر دے[3] اگرچہ معلّل حدیث کی علت مخفی ہوتی ہے لیکن اس سے آگاہی ممکن ہے۔ اس کے برعکس شاذ

---

[1]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹، ص ۱۲۰

[2]:۔ التدریب ص ۸۱ ۔ الفیہ سیوطی حاشیہ ص ۹۲

[3]:۔ معرفت علوم الحدیث ص ۱۱۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حدیث زیادہ دقیق ہوتی ہے جس کے بارے میں فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے اور وہی شخص اس کے بارے میں فیصلہ دے سکتا ہے جو اس فن کا وسیع تجربہ رکھتا ہو، نہایت ذہین ہو اور اس علم میں اسے اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا ہو[1]

شاذ حدیث میں یہ مشکل ہوتی ہے کہ اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے، کہ فلاں حدیث کی تائید کسی اور روایت سے نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ بات نہایت تحقیق طلب ہوتی ہے۔

امام حاکم نے شاذ حدیث میں جس باریک بینی اور مشکل کا ذکر کیا ہے اسی وجہ سے شاذ حدیث کی تعریف میں ان کو جمہور سے الگ اور متفرد سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن صلاح نے امام حاکم کی رائے پر اعتراض کرتے ہوئے حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" پیش کی ہے۔

مذکورہ حدیث کی روایت میں پہلے حضرت عمر متفرد ہیں۔ ان کے بعد صرف علقمہ سے یہ حدیث روایت ہوئی ہے اور ان سے صرف محمد بن ابراہیم تیمی نے اسے بیان کیا ہے اور ان سے یحییٰ بن سعید قطان متفرد راوی ہیں[2]

اس سے قبل ہم نے وہ غیر مشہور روایات نقل کی ہیں جو علماء نے اس حدیث کی تائید میں پیش کی ہیں۔ محققین کی رائے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث متابعات و شواہد کے باوصف صرف اسی سند سے درجہ صحت کو پہنچی ہے اور اس کی وضاحت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ابن عربی کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے ۱۲ مختلف اسناد سے یہ حدیث روایت کی اور جب اہل شہر کو ان مختلف اسناد کا پتہ چلانے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے ابن عربی کو موردِ الزام ٹھہرانا شروع کیا۔

---

[1] :۔ التوضیح جلد ۱ ص ۲۷۹

[2] :۔ اختصار علوم الحدیث ص ۶۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ:

یا اھل حمص وصیکم اوصیکم ... بالبر والتقوی وصیۃ مشفق

فخذوا عن العربی اسماء الرجال ... وخذوا الروایۃ من امام متقی

ان الفتی ذرب اللسان مھذب ... ان لم یجد خبرا صحیحا یختلق

(۱) اے حمص (اشبیلیہ) والو! میں تمہیں ایک مشفق کی طرح نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔

(۲) عرب والوں سے تاریکی کے نام لکھو، اور علم حدیث ایک متقی امام (ابن عربی) سے حاصل کرو۔

(۳) یہ نوجوان (ابن عربی) بڑا تیز زبان اور مہذب ہے۔ اگر اسے کوئی صحیح روایت نہ بھی ملے تو خود ہی حدیث گھڑ لیتا ہے۔

امام حاکم کی رائے میں جو مذکورہ حدیث شاذ کی مثال نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ روایت متفرد ہے لیکن صحیح ہے اور صحیح حدیث شاذ نہیں ہوتی۔ لہٰذا بہت سی احادیث ایسی ہیں جنہیں جمہور نے شاذ کی مثال میں بیان کر دیا ہے، اور لطف کی بات یہ ہے کہ امام حاکم نے شاذ کی جو تعریف کی ہے وہ بھی ان سب پر صادق آتی ہے کیونکہ متابعات و شواہد کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان میں ثقات کی مخالفت موجود ہے، جس کی واضح تر مثال ابوداؤد اور ترمذی کی وہ حدیث ہے جسے عبدالواحد بن زیاد نے اعمش سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ:

"جب تم میں کوئی فجر کی دو رکعتیں پڑھے تو دائیں کروٹ پر لیٹ جائے"

امام بیہقی[۲] کہتے ہیں کہ:

---

[۱]:۔ التوضیح جلد ۱ صفحہ ۳۸۱ [۲] آپ کا نام احمد بن حسین بن علی ہے اور کنیت ابوبکر ہے بیہق دراصل نیشاپور سے ۲۰ فرسخ کے فاصلے پر چند دیہات کا مجموعہ ہے۔ آپ کی تصانیف بے شمار ہیں بعض نے ان کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ سب سے زیادہ السنن الکبریٰ اور دلائل النبوۃ مشہور ہیں۔ آپ نے ۴۵۸ھ میں وفات پائی (الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۲۵، صفحہ ۲۶)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"عبدالواحد نے اس روایت میں کئی راویوں کی مخالفت کی ہے کیونکہ دوسرے رواۃ حدیث نے فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ جانے کو آپ کے فعل کے طور پر بیان کیا ہے۔ قول کی حیثیت سے نہیں۔ اور صرف عبدالواحد نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ متفرد طور پر بیان کیا ہے"[1]

محققین نے اس ضمن میں ابو یعلیٰ خلیلی[2] کی بیان کردہ تعریف کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو انہوں نے دوسرے حفاظ حدیث سے نقل کی ہے۔ ان کی رائے میں "شاذ حدیث وہ ہے جس کی ایک ہی سند ہو۔ اس کو روایت کرنے والا خواہ ثقہ ہو یا غیر ثقہ۔ ثقہ راوی اگر شاذ حدیث کو بیان کرے گا تو اس میں توقف کریں گے اور اس سے احتجاج نہیں کریں گے اور غیر ثقہ راوی کی شاذ حدیث کو رد کر دیں گے"[3]

مناسب تھا کہ جس طرح ابن الصلاح نے امام حاکم کی رائے کو کمزور قرار دیا، اسی طرح وہ خلیلی کی رائے کو بھی کمزور قرار دیتے۔ لیکن خلیلی اور امام حاکم کی آراء میں بڑا فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ امام حاکم کی رائے جمہور کی رائے کے مطابق کہی جا سکتی ہے جب کہ خلیلی کی رائے کو کسی طرح بھی جمہور کی رائے سے ہم آہنگ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ خلیلی صرف تفرد کو ہی حدیث کے شاذ ہونے کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اور ضروری نہیں کہ وہ کسی اور حدیث کی مخالف بھی ہو[4] جب کہ جمہور کی رائے میں شاذ حدیث

---

[1]:۔ التدریب ص۸۲ یہ مثال شاذ المتن کی ہے۔ عبدالواحد ان الفاظ کی روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ دوسرے راویوں نے اسے حضور کا فعل بتایا ہے نہ کہ قول۔

[2]:۔ یہ قاضی حافظ خلیل بن عبداللہ قزوینی ہیں آپ کی وفات ۴۴۶ھ میں ہوئی۔ آپ کی ایک تصنیف کا نام ہے "الارشاد فی علماء البلاد" جس میں انہوں نے اپنے دور تک کے علماء اور اور محدثین کا ذکر بلاد کی ترتیب کے لحاظ سے کیا ہے پھر اسے حروف کی ترتیب سے ابن قطلوبغا نے مرتب کیا ہے جن کی وفات ۸۷۹ھ میں ہوئی (الرسالۃ المستطرفہ ص۹۷)

[3]:۔ اختصار علوم الحدیث ص۶۱

[4]:۔ التدریب ص۸۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

میں تفرد اور مخالفتِ ثقات کی دونوں شرطیں موجود ہونی ضروری ہیں۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ خلیلی نے شاذ کی یہ تعریف خود نہیں کی ہے بلکہ حفاظ حدیث کی طرف سے نقل کی ہے۔ لہٰذا اس تعریف کو خلیلی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاذ کی وہی تعریف ہے جسے امام شافعی نے بیان کیا ہے اور جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے[1] اور خلیلی نے صرف اتنا کیا ہے کہ علماء کی رائے کو امانت و دیانت کے ساتھ نقل کیا ہے[2]

یاد رہے کہ اگر خلیلی کی بیان کردہ تعریف درست تسلیم کر لی جائے تو اس کے نتائج بڑے خطرناک ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کے مطابق بعض اوقات ایسا ممکن ہے کہ صحیح حدیث بھی شاذ ہو جائے جب کہ ہم نے صحیح حدیث کی تعریف میں یہ شرط درج کی تھی کہ صحیح حدیث وہ ہے جو ہر علت سے پاک ہو اور شذوذ سے محفوظ ہو۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محدث خلیلی نے حدیث صحیح کو بھی معلول کہا ہے اور وہ دائرۂ اصطلاح میں محدود نہیں ہیں۔

اور وہ جب ثقہ راوی کسی روایت کے بیان کرنے میں شاذ یا متفرد ہو تو وہ اسے بھی عام اصطلاح کے خلاف حدیث صحیح و شاذ کہہ دیتے ہیں۔ الغرض خلیلی نے حدیث شاذ کی جو انوکھی تعریف کی ہے تو اس کے باوجود وہ جمہور کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ان کی رائے بھی جمہور کے قریب قریب ہے۔ اور ہم اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ خلیلی نے بھی جمہور ہی کی رائے کو نقل کیا ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ شاذ حدیث کی تعریف میں تفرد اور مخالفت دونوں شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ انہی دونوں وجوہ کی بنا پر شاذ حدیث صحیح حدیث سے الگ ہو کر ضعیف احادیث میں شمار ہوتی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ جب ثقہ یا غیر ثقہ راوی کسی حدیث کی روایت کرنے میں متفرد ہو۔

---

[1] : ۔ اختصار علوم الحدیث ص۶۱

[2] : ۔ التوضیح جلد ۱ ص۳۸۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ایسی صورت میں جب کہ اس کی روایت کسی اور روایت کے خلاف نہ ہو تو ایسی روایت ایک نوع ہے تفرد مطلق کی جسے حدیثِ فرد کہا جاتا ہے اور ہم اسے صحیح حسن اور ضعیف کی مشترک قسموں میں بیان کریں گے۔ البتہ فرد کو حدیثِ شاذ میں شامل کرنے کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔

اور جب ایک ثقہ راوی کسی روایت کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو توقف سے کام لیا جائے گا اور جب غیر ثقہ متفرد ہو تو اس حدیث کو رد کر دیا جائے گا اور ان دونوں امور کا تعلق احتجاج اور عدم احتجاج کے معاملے سے ہے۔ اس کا کوئی تعلق حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے سے نہیں ہے۔ اسی لیے جو حدیث احتجاج و استدلال کے قابل ہے اسے ہم نے احادیثِ صحیحہ اور حسن میں شمار کیا ہے ان دونوں کے علاوہ کوئی حدیث احتجاج کے لائق نہیں بلکہ مردود ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کے متنوع اوصاف اور القاب کا ہونا اس کی اقسام اور اصطلاحات کے مختلف ہونے کے لیے لازم نہیں ہے[1]

۹۔ منکر — منکر حدیث کی دقیق تر تعریف یہ ہے کہ "وہ حدیث جس میں ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے" منکر کہلاتی ہے۔ منکر حدیث شاذ حدیث سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ شاذ کا راوی ثقہ راوی ہوتا ہے۔ لیکن منکر حدیث کا راوی ضعیف اور غیر ثقہ ہوتا ہے منکر کا لفظ دراصل معروف کے مقابل میں ہے اور شاذ کا لفظ

[1]:۔ قارئین کرام سے ہم معذرت خواہ ہیں کہ شاذ حدیث کی تعریف میں ہمیں بعض مخالف اور متعارض نظریات کی بحث چھیڑنی پڑی۔ اگرچہ ہم نے ہر جگہ یہ اصول پیش نظر رکھا ہے کہ جدل و نزاع سے ممکن حد تک احتراز کیا جائے لیکن چونکہ شاذ کی تعریف سے متعلق بظاہر متضاد چیزیں نظر آتی تھیں اس لیے ہم نے اس پر مفصل بحث کر دی ہے الحمد للہ ہم نے ان بظاہر متعارض نظریات و افکار میں تطبیق پیدا کر دی ہے اور بحث میں پڑے بغیر بھی ان دونوں میں سے کسی رائے پر عمل ممکن ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

محفوظ[1] کے مقابل میں۔ کیونکہ منکر روایات کا راوی جس روایت کی مخالفت کرتا ہے وہ جانی پہچانی اور معروف ہوتی ہے، گو محفوظ نہیں ہوتی[2] کیونکہ ضبط و حفظ کے درجے تک ضعیف راوی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے برعکس شاذ حدیث کا راوی نہ صرف ثقہ ہوتا ہے بلکہ توثیق ہونے کے بعد حافظ اور ضابط بھی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ جس راوی کی مخالفت کر رہا ہوتا ہے وہ اس سے حفظ و اتقان میں بڑھ کر ہوتا ہے گو یا شاذ حدیث کا راوی کسی معروف حدیث کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ صرف ایسی حدیث کی مخالفت کرتا ہے جو محفوظ ہوتی ہے اور اس کا راوی صاحبِ ضبط اور صاحبِ اتقان ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

صحیح اور حسن حدیث کے راوی کی زیادت مقبول ہے بشرطیکہ وہ اس راوی کے خلاف نہ ہو جو اس سے بڑھ کر ثقہ ہے۔ اگر ایسا راوی اس کی مخالفت کرے جو حفظ و ضبط میں یا کثرتِ تعداد میں یا کسی اور وجہ ترجیح کی وجہ سے اس کے مقابلے میں ترجیح رکھتا ہو تو پھر راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہا جائے گا۔ اگر ضعیف حدیث اس کی مخالف ہو تو راجح کو معروف اور اس کے مقابل میں آنے والی کو منکر کہا جاتا ہے"[3]

لیکن ابن الصلاح نے منکر اور شاذ میں کوئی فرق روا نہیں رکھا اور انہوں نے دونوں کو مترادف قرار دیا ہے۔

ابن الصلاح نے البرذیجی[4] کے حوالے سے منکر کی یہ تعریف کی ہے:

منکر وہ حدیث ہے جس کو روایت کرنے میں کوئی شخص متفرد ہو اور دوسرے کسی طریقے سے بھی اس کی تائید نہ ملتی ہو"[5]

---

[1] :۔ انکر ماضی سے منکر اسم مفعول ہے اس کے معنی انکار کرنا اور پہچان نہ کرنا کے ہیں گویا محدثین نے اپنی اصطلاحات میں بھی الفاظ کے لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھا ہے۔ [2] :۔ اس سے پہلے ہم صحیح اور حسن کے مشترکہ القاب میں محفوظ حدیث کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ [3] :۔ شرح نخبہ ص ۱۲، ص ۱۴۔

[4] :۔ آپ کا پورا نام حافظ ابوبکر احمد بن ہارون برذیجی نام ہے۔ برذیج ایک قصبے کا نام ہے جو آذربائیجان میں ہے اسے بردعی بھی کہا جاتا ہے۔ [5] :۔ التوضیح جلد ۲ ص ۴، ص ۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

گویا ابن الصلاح کے نزدیک حدیث منکر میں صرف تفرد کا عیب موجود ہوتا ہے اور متفرد حدیث کو اکثر محدثین نے مردود، منکر اور شاذ کہا ہے[1] لیکن تفرد علی الاطلاق کی دو اقسام ہیں مقبول اور مردود۔ جب کوئی راوی کسی روایت کے بیان کرنے میں متفرد ہوگا تو یہ دیکھا جائے گا کہ آیا وہ روایت کسی اور زیادہ ثقہ راوی کے خلاف تو نہیں پڑتی۔ اگر ایسا ہو تو پھر اس کی روایت شاذ اور مردود ٹھہرے گی۔ اور اگر اس کی بیان کردہ روایت کسی دوسرے راوی کے خلاف کے خلاف نہیں ہے اور کسی اور راوی نے اس قسم کی روایت کو اصلاً بیان ہی نہیں کیا ہے تو اس متفرد راوی کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ وہ کیسا ہے؟ اگر وہ راوی صاحبِ حفظ و عدالت، ضابط اور قابلِ اعتماد ہے تو اس کی منفرد روایت کو بغیر نقد و جرح قبول کر لیا جائے گا۔ اور اگر وہ قابلِ اعتماد نہ ہو تو پھر اس کے منفرد ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کو احادیثِ صحیحہ میں شمار نہیں کیا جائے گا[2]

ابن الصلاح نے تفرد مطلق کی اقسام بیان کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس قدر اقسام شاذ حدیث کی ہیں اسی قدر منکر کی اقسام ہیں دونوں ہی میں ارجح راوی کی مخالفت موجود ہوتی ہے۔ شاذ اور منکر دونوں کی دو اقسام ہیں ایک مقبول دوسری مردود۔ اس بیان کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ ابن الصلاح نے شاذ اور منکر کو باہم مترادف قرار دیا ہے تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہے[3]

لیکن دراصل منکر اور شاذ کو ایک سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ الفیہ میں امام سیوطی کہتے ہیں:

المنکر الذی روی غیر الثقة مخالفاً فی نخبة قد حققه
قابله المعروف والذی رأی ترادف المنکر والشاذ نأی

(۱) منکر حدیث وہ ہے جسے ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرتے ہوئے بیان کرے جیسا کہ نخبہ (از ابن حجر) میں واضح ہے۔

(۲) منکر کے مقابلے میں معروف ہے جو کوئی منکر اور شاذ کو ایک قرار دیتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔

---

[1] التوضیح جلد ۲ صـ ۲ [2] التوضیح جلد ۲ صـ ۴ حاشیہ ۳ [3] التدریب صـ ۸۲
[4] الفیہ السیوطی فی مصطلح الحدیث صـ ۹۳، اشعار نمبر ۱۸۰، ۱۸۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

یہ طنز امام سیوطیؒ نے ابن الصلاح پر کی ہے جو منکر اور شاذ کو باہم مترادف قرار دے کر راو اعتدال سے ہٹ گئے۔ خود ابن حجر نے بھی ابن الصلاح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"جس نے شاذ اور منکر کو مترادف سمجھا، وہ غافل ہے"۔[1]

منکر حدیث کی بہترین مثال ابن ابی حاتمؒ[2] کی وہ روایت ہے جو حبیب بن حبیب کے طریق سے مروی ہے اور جو حمزہ بن حبیب بن زیات مقریؒ[3] کے بھائی تھے — پھر عن أبي اسحاق عن عیزار بن حریث عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ:

"جس نے نماز کی پابندی کی، زکوٰۃ ادا کی، حج کیا، روزے رکھے اور مہمان کی تواضع کی وہ جنت میں جائے گا"۔

ابو حاتم کا قول ہے کہ یہ راوی منکر ہے کیونکہ دوسرے ثقہ راویوں نے ابو اسحاق سے یہی روایت موقوفاً بیان کی ہے۔ اور جو روایت اس کے مقابلے میں زیادہ معروف ہے۔[4] لیکن بعض ائمہؒ تے تفرد کو بھی منکر کہتے ہیں[5]۔ لہذا ضروری ہے کہ منکر حدیث میں منکر ہونے کی وجوہات کو دیکھا جائے تاکہ دوسری اقسام حدیث سے اسے ممیز و ممتاز کیا جا سکے۔ منکر کی نمایاں علامت یہ ہے کہ جب اس کا مقابلہ دوسرے ثقہ راویوں کی روایت سے کیا جائے تو منکر حدیث ان کے خلاف پڑے۔ جب کہ دوسرے راویوں کی روایت کذب سے پاک ہو[6]

محدثین کبھی یوں بھی کہتے ہیں کہ:

هذا انكر ما روا ہ فلان — اس راوی نے فلاں روایت کی مخالفت کی ہے۔

---

[1]: شرح نخبہ ص۱۴۲، [2]: حافظ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر رازی سہر رنجی کے باشندے تھے آپ کی مسند ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہے (الرسالۃ المستطرفہ ص۵۴) [3]: آپ سبعہ قراء میں سے ہیں مکرمہ بن ربیع کے آزاد کردہ غلام ہیں آپ نے اعمش سے درس لیا ہے یحییٰ بن وثاب کے حوالے سے۔
[4]: شرح نخبہ ص۱۴۲، [5]: التوضیح جلد ۲ ص۶، [6]: التوضیح جلد ۲ ص۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اگر یہ تبصرہ جس روایت کے بارے میں کیا جاتا ہے وہ ضعیف نہیں ہوتی محدث ابن حدیی کا قول ہے کہ:

"اس راوی میں یزید بن عبداللہ بن ابی بردہ کی روایت کردہ اس حدیث کی مخالفت پائی جاتی ہے جس میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو اس قوم کی موجودگی میں اس کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے"۔

یہ حدیث حسن ہے۔ اس کے راوی بھی ثقہ ہیں اور بعض لوگوں نے اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے[1]

۱۰۔ متروک متروک وہ حدیث ہے جس کے راوی پر کذب کا یا کسی اور قول و فعل کے سبب سے فسق کا الزام لگایا گیا ہو یا وہ غفلت شعار اور وہمی[2] ہو۔

مثال کے طور پر صدقہ بن موسیٰ کی روایت فرقد سے، اس نے مُرہ سے، اس نے ابو بکر سے سُنی ہے[3]۔ اور اسی طرح عمرو بن شمر کی روایت جابر سے، اس نے حارث اعور سے اور اس نے حضرت علی سے سُنی ہے[4]۔

حاصلِ کلام مذکورہ بالا احادیث کی دس اقسام بالکل ضعیف ہیں گو ان میں بھی کچھ فرق پایا جاتا ہے اور ان کا ضعف برابر درجے کا نہیں ہے۔ اور یہ فرق مراتب رواۃ کے اختلافِ حال کے لحاظ سے ہے۔ جیسے کوئی حدیث صحیح ہوتی ہے اور کوئی صحیح تر۔ بالکل اسی طرح احادیث ضعیف بھی ہوتی ہیں اور ضعیف تر بھی اس سلسلے میں امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں ضعیف اسانید اور رجال پر عمدہ بحث کی ہے[5]

---

[1]:۔ التدریب ص۸۵۔

[2]:۔ الفیہ سیوطی حاشیہ ص۱۴

[3]:۔ معرفت علوم الحدیث ص۵۷

[4]:۔ التدریب ص۸۴۔ شرح نخبہ ص۱۴۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۵۶

[5]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۵۶ تا ص۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کیا موقوف اور مقطوع روایات ضعیف ہوتی ہیں

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہم نے ضعیف حدیث کی صرف انہی اقسام کا ذکر کیا ہے جو کسی خاص نام سے معروف ہیں اور جو ضعیف احادیث اپنے اسماء کے لحاظ سے معروف نہیں ہیں، ہم نے ان کی طرف صرف اجمالی اشارات کیے ہیں۔

اب ہم اس سے قبل کہ حدیث کی وہ اقسام بیان کریں جو صحیح، حسن اور ضعیف میں مشترک ہیں۔ دو اہم مسائل زیر بحث لانا چاہتے ہیں:

(۱) کیا موقوف اور مقطوع روایات کو ضعیف قرار دیا جا سکتا ہے؟

(۲) ضعیف احادیث کی روایت کا شرعی جواز کیا ہے اور کیا ان پر عمل کرنا جائز ہے؟

موقوف کسی صحابی کے قول و فعل اور تقریر کو موقوف کہا جاتا ہے۔ جیسے کوئی راوی یہ کہے کہ "حضرت عمر بن خطابؓ نے یہ کہا تھا" یا "حضرت علیؓ نے یوں کہا تھا"۔ یا "حضرت ابوبکرؓ کے سامنے فلاں کام ہوا اور انہوں نے اس سے منع نہیں فرمایا"۔

اس کے برعکس حدیث مرفوع میں قول، فعل اور تقریر کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔ لیکن موقوف روایت میں قول، فعل اور تقریر کا ماخذ صحابی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے موقوف روایات کو ضعیف شمار کیا ہے[1] کیونکہ مرفوع روایت کا تقدس صحابہ کرام کی روایت کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارے خیال میں موقوف روایات کو ضعیف قرار دینے کی یہ وجہ جواز درست نہیں ہے کیونکہ جب ہم کسی موقوف روایت میں صحیح حسن کے اوصاف دیکھ کر اس کے صحیح حسن ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس وقت ہمارا وہ فیصلہ صحابی ہی کے بارے میں ہوتا ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔

لہٰذا موقوف روایت کے ضمن میں صحیح یا حسن ہونے کا فیصلہ کسی کذب پر مبنی نہیں

---

[1]: قواعد التحدیث ص ۱۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہوتا۔ اور نہ ہی ہم کسی صحابی کی جانب کوئی ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو اس نے نہ کہی ہو پھر جب ہم موقوف روایت کو صحیح یا حسن قرار دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اسے واجب العمل قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ہم صرف اسی روایت پر عمل کرنے کو مباح سمجھتے ہیں جس کے متعلق قطعی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں اجتہاد کو کوئی دخل نہیں ہے[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی وہی کچھ کہتا اور کرتا ہے اور اسی فعل کی تائید کرتا ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

(۱) جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس آئے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتا ہے[2]۔

(۲) "جب مؤذن اذان کہہ رہا ہو اور کوئی شخص مسجد سے باہر نکل جائے تو اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی"[3]

مذکورہ دونوں احادیث موقوف ہیں لیکن ان پر عمل کرنا جائز ہے لیکن ان موقوف روایات میں احتیاط کی ضرورت ہے جو کعب الاحبار، عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے منقول ہیں کیونکہ یہ وہ صحابہ ہیں جو اسرائیلیات اور قصے کہانیاں بیان کرنے میں مشہور ہیں۔ بالخصوص ان کی وہ روایات جن کا تعلق علامات قیامت اور آخری زمانے کے فتنوں کا ذکر ہے اس طرح کی اکثر روایات ضعیف ہیں اگرچہ ہم ان کو موضوعات قرار نہیں دے سکتے۔ لیکن ان کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ موقوف روایات ہیں بلکہ ان کے ضعف کا سبب شذوذ علت یا اضطراب کی وجہ سے ہے۔ اور یہ روایات بھی اس قابل ہیں کہ انہیں مرفوع حدیثوں کی طرح صحیح، حسن یا ضعیف قرار دیا جائے جس

---

[1]: شرح نخبہ ص۲۶

[2]: التوضیح جلد ۱ ص۲۶۲

[3]: التوضیح جلد ۱ ص۲۶۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کی بنیاد ان کے متون و اسانید پر ہے۔ جیسا متن یا اس کی سند ہے ویسا ہی ان کے بارے میں حکم لگایا جائے گا۔

جب کسی صحابی سے کوئی روایت کرنے والا اس طرح کہے کہ "یَرْفَعُ الْحَدِیْثَ" یا "یَنْمِیْہِ" یا "یَبْلُغُ بِالنَّبِیِّ" تو ایسی تمام حدیثیں محدثین کے ہاں مرفوع روایات کی طرح ہوتی ہیں[1] کیونکہ صحابہ کرام تفسیرِ قرآن میں بھی اجتہاد سے کام لیتے تھے اور بعض اجتہادات میں ان کے ہاں فرق و اختلاف موجود ہے۔ اور اس طرح بعض صحابہ نے اہل کتاب سے اسرائیلیات روایت کی ہیں[2]

مقطوع کسی تابعی کے قول و فعل یا تقریر کو مقطوع کہا جاتا ہے۔ مقطوع کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا ایک مشہور قول ہے اگرچہ آپ نے کئی صحابہ مثلاً انس بن مالک اور عبداللہ بن عباس کا زمانہ پایا ہے۔ تاہم صحابہ کرام کے بارے میں آپ نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ:

"جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منقول ہو وہ بسر و چشم ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ جو کچھ صحابہ کرام کی طرف سے منقول ہے ان میں سے ہم اچھی اور بہتر بات کا انتخاب کریں گے اور جہاں تک تابعین کا معاملہ ہے تو جیسے وہ مرد ہیں ایسے ہی ہم مرد ہیں"۔

اس کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ نے اقوالِ تابعین کو ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ٹھہرایا ہے چنانچہ حنفی مسلک میں قیاس ظاہر کو اقوال تابعین پر ترجیح دینے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

لیکن اس بارے میں مختار رائے یہ ہے کہ اسناد و متون کی کیفیات کے لحاظ سے تابعین کے اقوال کو صحیح، حسن اور ضعیف کہا جا سکتا ہے اور یہ کہ ان کو صحیح یا حسن قرار دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اقوال صحابہ کی طرف منسوب ہو گئے، یا احادیث نبویہ سے بڑھ گئے۔

---

[1] : اختصار علوم الحدیث ص۵

[2] : الباعث الحثیث ص۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بلکہ وہ اقوالِ تابعین تک ہی محدود رہیں گے اور ان میں سے قابلِ احتجاج اقوال صرف وہی ہوں گے جو اکابر تابعین مثلاً سعید بن مسیب، شعبی، نخعی اور مسروق[1] وغیرہم سے منقول ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ اکابر صحابہ کرام سے فیض یاب ہوئے تھے۔

ضعیف احادیث کی روایت اور ان پر عمل

عام طور پر لوگ یہ عبارت نقل کرتے ہیں کہ یجوز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال کہ فضائل اعمال کی ضعیف حدیثوں پر عمل جائز ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حدیث کی روایت میں سہل انگاری سے کام لیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں وہ احادیث بھی روایت کر لی جاتی ہیں جو ان کے اپنے نزدیک صحیح نہیں ہوتیں یوں دین اسلام میں بکثرت ایسے تعلیمات کا عمل دخل شروع ہوتا ہے جن کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہوتی صدیوں سے یہ عبارت یونہی منتقل ہوتی چلی آرہی ہے لیکن اس کی اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ یہ تین آئمہ کبار کی جانب منسوب ایک عبارت کی بس ایک نقل ہے اور کچھ نہیں۔ وہ تینوں امام ہیں، امام احمد بن حنبل، عبدالرحمٰن بن مہدی اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ علیہم۔

ان حضرات کا قول ہے کہ:

"جب ہم حلال و حرام کے بارے میں کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو اس میں سختی برتتے ہیں اور جب ہم فضائلِ اعمال کے سلسلے کی کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو اس میں سختی نہیں برتتے بلکہ سہل انگاری سے کام لیتے ہیں"[2]

---

[1]:۔ سعید بن مسیب اور امام شعبی کا تعارف ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ امام نخعی کا نام یزید بن قیس کوفی ہے آپ فقیہ العراق ہیں۔ ۹۶ھ میں فوت ہوئے جب امام شعبی کو ان کی وفات کی خبر ہوئی تو فرمایا "اس نے اپنے بعد کوئی نہیں چھوڑا جو اس سے بڑا فقیہ اور صاحب علم ہو" ان سے کہا گیا کہ حسن بصری اور ابن سیرین ان سے بڑھ کر فقیہ نہیں ہیں؟ امام شعبی نے فرمایا "نہیں۔ بلکہ بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں"۔

مسروق بن اجدع بن مالک کوفی دراصل عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے ہے۔ بہت بڑے فقیہ تھے آپ کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی۔

[2]:۔ الکفایہ ص ۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حقیقت یہ ہے کہ اس عبارت کا صحیح مطلب نہیں سمجھا گیا انہوں نے جس سختی کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اسی طرح تقابل کریں گے جیسے صحیح حدیث ضعیف حدیث کی مقابل ضد ہوتی ہے اور یہ کہ ہم اسی طرح فضائلِ اعمال میں بھی ضعیف حدیثوں سے احتجاج کریں گے۔

دراصل محدثین نے حلال وحرام سے متعلق احکام میں سختی برتی ہے اور وہ صرف ایسی احادیث سے احتجاج کرتے تھے جو صحت کے اعلیٰ مرتبے کی ہوتی تھیں اور جن کو بالاتفاق صحیح سمجھا جاتا تھا اس کے برعکس جب حلال وحرام کے سوا صرف فضائل اعمال کی احادیث روایت کرتے تو اس میں زیادہ سختی ملحوظ نہ رکھتے اور صرف عام صحیح احادیث ہی سے احتجاج کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ان روایات سے بھی احتجاج کرتے تھے جو صحیح کے مرتبے سے کچھ کم ہوتی تھیں۔ جنہیں ہم حسن کہتے ہیں اور جو اس زمانے میں اس نام سے معروف نہ تھیں متقدمین کے زمانے میں حسن کو بھی ضعیف حدیث کی ایک قسم قرار دیا جاتا تھا اگرچہ وہ اسے ضعیف حدیث سے ایک درجہ اوپر اسے سمجھتے تھے جیسے بعد میں ضعیف کا اصطلاحی نام دیا گیا۔[1]

اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ فضائلِ اعمال میں سہل انگاری کا مفہوم محدثین کے نزدیک صرف اتنا تھا کہ اس سلسلے میں وہ حسن حدیث سے احتجاج کرتے تھے جس کا مرتبہ صحیح حدیث کے بعد کا ہے تو وہ ایسی عبارت کبھی نقل نہ کرتے کہ "یجوز العمل بالضعیف فی فضائل الاعمال"۔

یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ ضعیف حدیث کسی حکم شرعی یا فضائلِ اعمال کے لیے ماخذ قرار نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ ضعیف حدیث کی بنیاد ظن پر اور ظن کسی صورت میں بھی حق کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ فضائلِ اعمال بھی احکامِ شرعیہ میں دین کے بنیادی ستون ہیں اور یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ دین کی بنیاد ایسے ستونوں پر رکھی جائے جو بالکل کمزور اور غیر مستحکم ہوں۔

---

[1] الباعث الحثیث ص ۱۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

الغرض ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو بھی معمول بہ بنایا جا سکتا ہے۔ گو وہ شرائط بھی موجود ہوں جن کو سہل انگار لوگوں نے اس ضمن میں لازم قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ تین شرائط عائد کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ روایت زیادہ ضعیف نہ ہو۔

(۲) وہ ان اصول و قواعد سے مطابقت رکھتی ہو جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔

(۳) اس کے مقابلے میں کوئی قوی تر دلیل معارض نہ ہو۔

لیکن ان شرطوں کے باوجود ہم ضعیف حدیث کو اس ضمن میں ہرگز تیار نہیں ہیں کیونکہ ہم اس پر عمل کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ ہمارے پاس اللہ کے فضل سے اتنی بکثرت صحیح اور حسن احادیث ہیں جن میں احکام شرعیہ اور فضائل اعمال موجود ہیں کہ ان کی موجودگی میں ہمیں ضعیف کو تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ضعیف حدیث کی صورت میں ہمارے دل میں خلش رہتی ہے اور ہم کبھی بھی مطمئن نہیں ہو سکتے۔ اسی شک کی وجہ سے ہم اسے ضعیف کہتے ہیں اور دینی امور میں ہمیں شک کی نہیں، یقین کی ضرورت ہے۔

چنانچہ حدیث کے مطالعہ اور درس میں ضعیف حدیث کی وضاحت ضروری ہے اور پھر ایسے الفاظ سے پرہیز لازم ہے جس سے قاری کو یہ تاثر ملتا ہو کہ یہ یقینی طور پر صحیح حدیث ہی ہے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اب ایک سامع یا قاری دیکھ کر اس وہم میں مبتلا ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہوگی، بلکہ ضروری ہے کہ صراحت کے ساتھ اس حدیث کے ضعف کی نوعیت واضح کی جائے جیسے یوں کہا جائے کہ اس میں اعلال ہے، اعضال ہے، اضطراب ہے، یا شذوذ ہے بشرطیکہ ان عیوب کا ہمیں قطعی علم حاصل ہو اور اس کے علاوہ ایسے قول کے ثبوت میں محدثین کی آرا بھی ایسی حدیث کی تضعیف میں نقل کر دینی چاہئیں۔

ضعیف حدیث کی مختلف اقسام پر جب ہم غور و فکر کرتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کبھی تو حدیث کا ضعف اس کی سند میں ہوتا ہے اور کبھی اس کے متن میں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے ضعیف ہونے کا فیصلہ بڑی احتیاط سے کرنا چاہیے۔ محض یہ کہہ دینا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مناسب نہیں ہے کہ فلاں حدیث ضعیف ہے کیونکہ علی الاطلاق کسی حدیث کو ضعیف کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو یک بیک سند اور متن دونوں اعتبار سے ضعیف قرار دے دیا جائے۔ جب کہ اس بات کا بھی احتمال موجود ہوتا ہے کہ ضعف صرف سند میں ہو یا صرف متن میں ہو۔ اور یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ ضعف صرف کسی خاص سند میں ہو اور اسی مضمون کی باقی احادیث اپنی اسانید میں ضعف سے پاک اور بالکل صحیح ہوں لہٰذا ضروری ہے کہ جب ہم کسی حدیث کی ضعیف سند کو دیکھیں تو غور و تدبر سے کام لیں اور اس طرح کہیں کہ "فلاں حدیث اس سند کے ساتھ ضعیف ہے"[1] اور اگر اس حدیث کو کسی محدث نے ضعیف کہا ہو تو اس طرح کہنا چاہیے کہ "یہ عبارت کسی اور صحیح سند سے منقول نہیں ہے جس طرح کہ فلاں محدث نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے"

آج بھی فقہ کی طرح علمِ حدیث میں بھی اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور یہ کھلا رہے گا۔ لہٰذا جو شخص بھی حدیث کی روایت و درایت میں ماہرانہ بصیرت کا حامل ہو اور متقدمین کی طرح اس میں شرائط اجتہاد بھی موجود ہوں تو وہ کسی بھی حدیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ایسی حدیث کے تمام طرق و اسانید کا اس نے بغور مطالعہ کیا ہو اور اس کا یہ ظنِ غالب ہو کہ اس حدیث کا متن کسی اور صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔

لیکن علمِ حدیث کے مبتدی اور طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ ایسی روایت نقل کرے جس کے متعلق اسے کچھ پتہ نہ ہو کہ وہ صحیح ہے یا نہیں؟ تو اسے بڑی احتیاط کے ساتھ اس طرح کہنا چاہیے کہ "حضورؐ سے یوں روایت کیا گیا"۔ یا "فلاں بات اس طرح ہم تک پہنچی"[2] لیکن یہ بھی جائز نہیں ہے کہ مشکوک الفاظ کے ساتھ کوئی بات کہی جائے اور سند تک بھی بیان نہ کی جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس حدیث کے ضعیف ہونے کا احتمال پایا جاتا ہے لہٰذا پورے وثوق سے کہنا چاہیے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے"۔

---

[1] : الباعث الحثیث ص ۹۹

[2] : الباعث الحثیث، تعلیقات از علامہ احمد شاکر ص ۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

صحیح، حسن اور ضعیف کی مشترک اقسام

اب ہم ان مشترک اصطلاحات کا ذکر کریں گے جن سے بحث کے دوران میں ہم پر یہ امر واضح ہوا کہ وہ حدیث کی تین اقسام — صحیح، حسن اور ضعیف — میں کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ وہ ان تینوں قسموں میں سے کسی ایک کے زمرے میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

یہ کل ۲۰ اصطلاحیں ہیں جن میں سے دو یعنی موقوف اور مقطوع کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اور یہ مذکورہ دونوں اقسام ایسی ہیں کہ صحت و ضعف اور حسن ہونے کی صفت سے متصف ہو سکتی ہیں۔ اور باقی ۱۸ قسمیں یہ ہیں۔

مرفوع، مُسند، متصل، مؤنن، معنعن، معلق، فرد، غریب، عزیز، مشہور، مستفیض عالی، نازل، تابع، شاہد، مدرج، مسلسل، مصحف۔

ان میں سے بعض اصطلاحات کو ان کے باہمی قرب کی وجہ سے ہم تین قسموں میں اور بعض کو تقابلی طور پر دو میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے نام اور ان کے اوصاف میں موازنہ ہو سکے لیکن آخری تین اقسام پر ہم تفصیلی بحث کریں گے کیونکہ ان میں مدرج، مسلسل اور مصحف کے درمیان کوئی تصادم موجود نہیں ہے اور ان کا مفہوم و مطلب کسی موازنے کا محتاج نہیں ہے کیونکہ ان میں پوری وضاحت پائی جاتی ہے۔

۱ تا ۳۔ مرفوع، مُسند اور متصل

۱۔ مرفوع مرفوع وہ قول، فعل یا تقریر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ خواہ یہ نسبت کسی صحابی نے آپؐ کی جانب کی ہو یا کسی اور نے اور خواہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی سند متصل ہو یا غیر متصل۔

اس تعریف سے یہ امر واضح ہے کہ مرفوع حدیث ہر حال میں متصل نہیں ہوتی۔ اگر اس کی سند میں صحابی کا نام ساقط ہو تو وہ مرسل ہوتی ہے۔ اگر کسی اور راوی کا نام موجود نہ ہو یا کسی مبہم آدمی کا نام ہو تو وہی حدیث منقطع کہلاتی ہے پھر اگر دو یا دو سے زیادہ راویوں کے نام ساقط ہوں تو معضل ہوتی ہے اور ان تینوں حالتوں (مرسل، منقطع اور معضل) میں وہ مرفوع ہونے کے باوجود ضعیف قرار پاتی ہے لہٰذا کسی حدیث کے مرفوع ہونے سے اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کس سند سے مرفوع کے مرتبے تک پہنچی ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ متصل ہے یا منقطع۔ پھر اگر متصل ہے تو اس کے رواۃ و رجال کا حفظ و ضبط میں کیا درجہ ہے چنانچہ حدیث مرفوع کو ہم نے مشترک کہا ہے کیونکہ اگر اس کی سند میں انقطاع ہوگا تو ضعیف حدیث کی اقسام میں سے انقطاع کی نوعیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا کوئی علیحدہ نام رکھا جائے گا۔ اور اگر اس کی سند متصل ہوگی تو اس کے راویوں کے مراتب کے لحاظ سے اسے صحیح یا حسن کہا جائے گا۔

مرفوع قولی مرفوع قولی کی مثال یوں ہے کہ کوئی صحابی یہ کہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے سنا ہے۔ یا حضور نے مجھے فلاں حدیث سنائی یا حضور سے مروی ہے کہ آپؐ نے اس طرح فرمایا تھا، وغیرہ۔

مرفوع فعلی مرفوع فعلی میں صحابی اس طرح کہتا ہے کہ "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کرتے دیکھا یا کسی اور نے مجھے بتایا ہے کہ حضورؐ اس طرح کیا کرتے تھے"۔

مرفوع تقریری مرفوع تقریری وہ ہے جس میں صحابی اس طرح کہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فلاں کام کیا یا کسی نے کہا کہ فلاں آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کیا تھا اور آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا تھا"[1]

---

[1] یہ تینوں مثالیں حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب شرح نخبہ میں بیان کی ہیں ان کے نزدیک یہ بقیہ صفحہ ۲۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مرفوع حدیث میں سند کی بجائے متن کو دیکھا جاتا ہے۔ لہٰذا جو حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہوگی وہ مرفوع کہلائے گی[1] قول ہو، فعل ہو یا تقریر ہو، تینوں کو متنِ حدیث کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جب پیشِ نظر متنِ حدیث ہے تو سند کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

مُسند وہ حدیث ہے جس کی سند راوی سے لے کر آخر تک متصل ہو، درمیان میں کہیں کوئی انقطاع واقع نہ ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو[2]

خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ مُسند حدیث کی تعریف مرفوع ہونے کی شرط غالب اکثریت کے پہلو سے ہے (ہمیشہ ضروری نہیں) چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"کسی حدیث کو مُسند کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی سے لے کر مُسند عنہ تک متصل ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ اتصالِ سند کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ہر راوی نے اپنے پہلے راوی سے وہ حدیث سنی یہاں تک کہ وہ آخر تک پہنچ جائے خواہ اس میں سماع کا ذکر صراحت سے نہ ہو بلکہ صرف "عن" کے ساتھ روایت بیان کی گئی ہو"[3]

زیادہ صحیح قول کے مطابق مُسند اور مرفوع مترادف نہیں ہیں۔ اگر مسند میں یہ شرط ہے کہ وہ مَرفوع ہو۔ لیکن مرفوع حدیث کی سند میں انقطاع ممکن ہے۔ کیونکہ مرفوع حدیث میں اصل چیز متنِ حدیث ہے لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ ہر مرفوع حدیث مسند

---

[1]: التوضیح جلد ۱ ص ۲۵۹

[2]: قواعد التحدیث ص ۱۴۲۔ التوضیح جلد ۱ ص ۲۵۵۔

[3]: الکفایہ ص ۲۱۔

حاشیہ باقی صفحہ ۱۴۹: تینوں مثالیں مرفوع حقیقی کی ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ فلاں حدیث مرفوع ہے اس کے بعد وہ مرفوع حکمی کی بھی تین مثالیں بیان کرتے ہیں۔ دیکھئے اس کتاب کا ص ۱۲۷، ص ۱۲۸۔ اور ہم نے یہ مثالیں موقوف حدیث کی بحث میں دے دی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہو۔ اس کے برعکس مسند حدیث میں مرفوع ہونے کی صفت اور اتصال دونوں ہی شرط ہیں۔ کیونکہ اس سند اور متن دونوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے لہذا ہر حدیثِ مسند متصل ہوتی ہے اس کی سند آخر تک ملی ہوتی ہے اور یوں ہر مسند مرفوع ہوتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا متن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے[1]

امام حاکم کی رائے یہی ہے کہ مسند کا اطلاق ہمیشہ مرفوع متصل روایت پر کیا جاتا ہے[2] ان کے نزدیک مسند حدیث کی شرط یہ ہے کہ موقوف، مرسل، اور معضل نہ ہو اور نہ اس کی سند میں کوئی راوی مدلس[3] ہو، ان کا یہ قول بھی ہے کہ "مسند حدیث کی سند میں اس طرح کے الفاظ نہیں ہونے چاہییں جیسے: "اُخْبِرْتُ عَنْ فُلَانٍ"، یا "حُدِّثْتُ عَنْ فُلَانٍ"۔ یا "بَلَغَنِی عَنْ فُلَانٍ" یا "رَفَعَهٗ فُلَانٌ" یا "اَظُنُّهٗ مَرْفُوعًا"، کیونکہ ان الفاظ سے اس کا اتصال باقی نہیں رہتا اور اس میں نقص پیدا ہو جاتا ہے"[4]

مسند حدیث کی بہت سی مثالیں ہیں۔ امام حاکم نے صرف ایک ہی مثال دی ہے جس پر باقی ہزاروں مسند حدیثوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ امام حاکم عثمان بن احمد سے وہ حسن بن مکرم سے وہ عثمان بن عمر سے، وہ یونس سے وہ زہری سے اور وہ عبید اللہ بن کعب بن مالک سے، اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے مسجد نبوی میں ابن ابی حدرد سے قرض کا تقاضا کیا اور ان کی آواز اس قدر اونچی ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی آپؐ نے حجرے کا پردہ اٹھایا اور پوچھا کیا واقعی تم نے ان کا قرض دینا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رقم ادا کر دی[5]

---

[1] التوضیح جلد ۱ ص ۲۵۹

[2] تدریب ص ۶۰

[3] معرفت علوم الحدیث ص ۱۸

[4] معرفت علوم الحدیث ص ۱۹

[5] معرفت علوم الحدیث ص ۱۸، ۱۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس سند کے تمام راویوں کا ایک دوسرے سے سماع ثابت ہے[1]

ابن عبدالبرؒ[2] نے مسند حدیث کو مرفوع کے برابر قرار دینے کا عجیب خیال ظاہر کیا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ مسند وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو خواہ وہ متصل ہو یا منقطع[3] متصل کی مثال میں انہوں نے امام مالک کی روایت کردہ ایک حدیث بیان کی ہے جس کو مالک نے نافع سے، انہوں نے ابن عمرؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے منقطع کے لیے انہوں نے امام مالک کی وہ روایت نقل کی ہے جو انہوں نے زہری سے، انہوں نے ابن عباس سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[4] سے بیان کی ہے۔

اس آخری حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ "یہ حدیث مسند ہے کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہے۔ اور یہ منقطع بھی ہے کیونکہ زہری کا سماع حضرت ابن عباس سے ثابت نہیں ہے"[5]

لیکن ابن عبدالبر کا یہ تبصرہ عام محدثین کے طریقے کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں مسند اور مرسل ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہے۔ چنانچہ محدثین کہتے ہیں کہ... "فلاں حدیث کو فلاں محدث نے مسنداً روایت کیا ہے" اور "فلاں نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے"[6]

---

[1]: معرفت علوم الحدیث ص۱۹

[2]: آپ کا نام یوسف بن عبداللہ بن عبدالصمد بن عبدالبر النمری القرطبی ہے۔ آپ "استیعاب" "تمہید" اور "جامع بیان العلم" کے مصنف ہیں ۴۶۳ھ میں فوت ہوئے (شذرات الذہب جلد ۳ ص۳۱۴)

[3]: اختصار علوم الحدیث ص۴۸

[4]: التدریب ص۷۰

[5]: التوضیح جلد ۱ ص۲۵۸

[6]: التوضیح جلد ۱ ص۲۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

صحیح بات یہ ہے کہ مسند حدیث میں انقطاع اور ارسال نہیں ہوتا اس کے برعکس اس میں بیک وقت مرفوع ہونے اور متصل ہونے کی صفت ہوتی ہے جس سے یہ واضح ہے کہ رفع کی طرح اتصال میں بھی کسی حدیث کی ضمانت نہیں[1] کیونکہ کوئی حدیث صرف اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اس کے رواۃ و رجال میں حفظ و ضبط کی شرطیں پائی جائیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے[2]

متصل یا موصول متصل یا موصول وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو اور وہ مرفوع بھی ہو سکتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اور وہ موقوف بھی ہو سکتی ہے جو صحابی تک پہنچتی ہے اور وہ مقطوع بھی ہو سکتی ہے جو صرف تابعی تک پہنچتی ہے[3]

لیکن خطیب بغدادی نے متصل اور مسند کو مترادف قرار دیا ہے اور وہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ان کی رائے میں صرف غلبۂ استعمال کے لحاظ سے فرق ہے[4] وہ کہتے ہیں کہ مسند عام طور پر اس حدیث کو کہا جاتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو۔ اس لیے رفع کی شرط کو مسند حدیث میں صرف غلبۂ استعمال کی وجہ سے پیشِ نظر رکھا جاتا ہے

بہرحال یہ خطیب بغدادی کی اپنی اصطلاح ہے۔ جس طرح وہ مسند اور متصل کو مترادف کہنے میں منفرد رائے کے حامل ہیں۔ اسی طرح وہ ان دونوں میں بھی صرف کثرتِ استعمال کا فرق ملحوظ رکھنے میں تنہا ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ راجح مذہب کے مطابق مسند حدیث میں مرفوع ہونے کی شرط ضروری ہے اور یہ صرف کثرتِ استعمال سے ایسا نہیں ہے۔

---

[1]: معرفت علوم الحدیث ص ۱۹۔

[2]: ملاحظہ ہو کتاب ہذا میں حدیث صحیح کی بحث۔

[3]: اختصار علوم الحدیث ص ۴۸۔

[4]: التوضیح جلد ۱ ص ۱۹۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہمارے خیال میں مرفوع متصل حدیث کی مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جو مثالیں مرفوع حدیث کی ہیں وہی اس کی بھی ہو سکتی ہیں۔ اور حدیث متصل جب موقوف ہو تو تمام موقوف روایتیں اس کی مثالیں بن جاتی ہیں۔ ابن الصلاح نے موقوف کی روایت میں امام مالک کی وہ حدیث نقل کی ہے جو انہوں نے ابن عمرؓ اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔[1]

جب اقوالِ تابعین ان تک پہنچ جائیں تو وہ صرف متصل نہیں کہلاتے بلکہ یوں کہا جائے گا کہ فلاں قول "سعید بن مسیب کی طرف متصل ہے"۔ اور تابعی کا ذکر کیے بغیر اسے متصل کہنا درست نہیں ہے کیونکہ جو روایت تابعی تک پہنچتی ہے وہ مقطوع کہلاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مقطوع لغت اور ذوق دونوں لحاظ سے موصول کی ضد ہوتی ہے پھر اصطلاحاً کسی لفظ کا اطلاق اس کی ضد پر کرنا بھی معیوب بات ہے۔[2]

مذکورہ تصریحات کو سامنے رکھا جائے تو پھر ابن الصلاح کے درج ذیل قول کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ:

"جہاں متصل کا ذکر علی الاطلاق ہوتا ہے وہاں اس سے مرفوع اور موقوف حدیث مراد لی جاتی ہے۔"[3]

اور ہم اس سے پہلے متصل کی تعریف میں یہ بیان کر آئے ہیں کہ اس کا اطلاق مقطوع روایات یعنی تابعین کے اقوال پر بھی ہوتا ہے۔

اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ مرفوع حدیث متصل بھی ہوتی ہے اور غیر متصل بھی اور اسی طرح متصل حدیث مرفوع بھی ہوتی ہے اور غیر مرفوع بھی۔ لیکن مسند میں ان دونوں کی نسبت عموم پایا جاتا ہے اور مسند حدیث بیک وقت متصل بھی ہو سکتی ہے اور مرفوع بھی ہو سکتی ہے۔[4]

---

[1]: التدریب ص۶۰، التوضیح جلد ۱ ص۲۶۰، التدریب ص۶۰، ص۶۱

[2]: التوضیح جلد ۱ ص۲۶۰۔

[3]: قواعد الحدیث ص۱۰۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

پھر حدیث کی یہ تمام اقسام اپنے رواۃ و رجال کے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے صحیح، حسن اور ضعیف بھی ہو سکتی ہیں۔

۴-۶ مُعَنْعَن، مؤنّن، مُعَلّق

مُعَنْعَن: معنعن وہ روایت ہے جس کو "فلاں عن فلاں" کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور حدیث کے سماع کا ذکر صراحۃً موجود نہیں ہوتا[1] راجح مذہب کے مطابق معنعن روایت کو متصل کہا جائے گا بشرطیکہ اس میں درج ذیل تین شرطیں موجود ہوں:

۱۔ راوی کا عادل ہونا۔

۲۔ راوی کی اپنے شیخ سے ملاقات ثابت ہو۔

۳۔ راوی میں تدلیس کا عیب نہ ہو[2]

صحیحین میں معنعن روایات بہت سی ہیں۔ لیکن صحیح مسلم میں نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہیں کیونکہ امام مسلم یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ راوی جس شیخ سے عَن عَن کے ساتھ روایت بیان کر رہا ہے اس سے اس کی ملاقات بھی ثابت ہو۔ اس کے برعکس وہ مقدمۂ صحیح مسلم میں ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو اس شرط کو ضروری قرار دیتے ہیں جب کہ اس شرط کو عائد کرنے والوں میں امام بخاری، ابن المدینی اور دوسرے اکابر محدثین شامل ہیں۔ امام مسلم نے اپنے مسلک کی بنیاد متقدمین اور متاخرین علماء کے اس نظریے پر رکھی ہے کہ عَنْ عَنْ کے ساتھ جو روایت ہو وہ ثابت ہے اور دین میں حجت ہوتی ہے اور یہ کہ عن کو ہمیشہ سماع قرار دیا جائے گا جب کہ راوی اور مَروی عنہ دونوں ثقہ ہوں اور ہم عصر ہوں[3]

لیکن کسی ایک محدث نے بھی امام مسلم کی اس رائے کی تائید نہیں کی بلکہ ہمیشہ اُن کو

---

[1]:۔ التوضیح جلد ۱ صفحہ ۳۳

[2]:۔ ملاحظہ ہو شرح عراقی علیٰ علوم الحدیث صفحہ ۶۷

[3]:۔ ملاحظہ ہو مقدمہ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس بارے میں ہدفِ تنقید بتایا ہے چنانچہ ابن الصلاح کہتے کہ:

"امام مسلم کا یہ قول محلِ نظر ہے۔ کیونکہ انہوں نے جس نظریے کی تردید کی ہے اسی کی حمایت کرنے والوں میں امام بخاری اور علی بن مدینی جیسے بڑے محدثین شامل ہیں[1]"

امام نووی نے زیادہ وضاحت سے لکھا ہے کہ:

محدثین امام مسلم کے نظریے سے متفق نہیں ہیں بلکہ اسے ضعیف قول قرار دیتے ہیں دراصل جس نظریے کی وہ تردید کرتے ہیں اس کے برعکس اسی کی حمایت میں آئمہ حدیث کی بستہ ہیں اور صحیح اور راجح مذہب یہی دوسرا ہے[2]

بعض محققین کا خیال ہے کہ حدیثِ معنعن بھی مرسل کی طرح ہوتی ہے اور اس سے بھی احتجاج نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود محدثین کا ایک گروہ اسے قابل استناد سمجھتا ہے ان کی رائے میں اکثر وہ صحابہ عن عن سے مرسل روایات بیان کر دیتے ہیں جو روایت کی اصطلاحوں سے واقف نہیں ہوتے اور اس طرح وہ روایت کرتے وقت کبھی سمعتُ اور کبھی عن رسول اللہؐ اور کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل تفصیل کو بہتر تصور کیا جاتا ہے۔

وہ تفصیل یہ ہے کہ جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بکثرت رہا ہو، اس کی روایت کو ہر حال میں سماع قرار دیا جائے گا خواہ وہ کیسے ہی الفاظ کے ساتھ روایت کر رہا ہو لیکن اگر وہ اس صفت سے متصف نہ ہو تو پھر اس کی روایت میں سماع اور عدم دونوں کا احتمال رہتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آپ کا ایک ہمسایہ روزانہ اور باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ جس روز حضرت عمرؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کا ہمسایہ آپ سے آکر دریافت کرتا تھا اور دوسرے روز ہمسایہ

---

[1]: علوم الحدیث، ابن صلاح ص۷۲

[2]: شرح صحیح مسلم، امام نووی جلد ۱ ص۱۲۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتا تھا اور حضرت عمرؓ اس سے حضورؐ کے ارشادات کے بارے میں دریافت کر لیتے تھے۔ اور صحیح بخاری میں یہ واقعہ موجود ہے[1]

لیکن امام نووی کہتے ہیں کہ علمائے سلف کے اجماع کے مطابق حدیث معنعن کو مرسل قرار دینا مردود ہے[2] صحیحین اور بالخصوص صحیح مسلم میں حدیث معنعن کی کثرت کے بارے میں محدثین نے عذر پیش کیا ہے کہ جن کتابوں میں صحیحین کی احادیث کی تخریج ہوئی ہے ان میں ان احادیث کو متعدد طرق سے روایت کیا گیا ہے جن میں سماع اور تحدیث کا ذکر صراحۃً موجود ہے[3] پھر صحیح مسلم میں معنعن کی کثرت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس میں ایک ہی حدیث کو کئی طرق اور اسانید سے بیان کر دیا گیا ہے اور وہ ساری روایات معنعن نہیں ہوتیں[4] بلکہ بہت سی روایتوں میں سماع کا بیان صریح طور پر موجود ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس بارے میں بڑی فیصلہ کن بات کہی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

۱۔ عَنْ عَنْ سے روایت حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا کی طرح ہے۔

۲۔ جب کوئی مدلس راوی عَنْ عَنْ سے روایت کرے تو وہ حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا کی طرح نہیں ہے۔

۳۔ عَنْ عَنْ کے ساتھ جو روایت بیان ہو وہ اس اَخْبَرَنَا کی طرح ہے جسے روایت کی اجازت دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اسے اتصال سمجھا جاتا ہے لیکن اس کا درجہ سماع سے کم تر ہے اور اخذِ روایت کی مختلف صورتوں کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں[5]

---

[1]: التوضیح جلد ۱ ص ۳۲۵

[2]: التوضیح جلد ۱ ص ۳۲۵

[3]: قواعد التحدیث ص ۱۰۲

[4]: شرح صحیح مسلم۔ امام نووی جلد ۱ ص ۱۴

[5]: التوضیح جلد ۱ ص ۳۳۶

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حدیثِ مُؤَنَّن مؤنن وہ حدیث ہے جس کی سند میں "حَدَّثَنَا فلانٍ اَنَّ فُلَانًا" کے الفاظ ہوتے ہیں امام مالک نے ایسی روایتوں کو معنعن ہی قرار دیا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ عَنْ فلانٍ اور اَنَّ فُلَانًا قَالَ کذا میں فرق کیا ہے؟ تو فرمایا "دونوں برابر ہیں"۔[1]

لیکن امام بردیجی[2] نے ایسی روایت کو منقطع کہا ہے سوائے اس کے کہ کسی اور سند سے بھی سماع ثابت ہو[3] اس سلسلے میں زیادہ صحیح بات وہی ہے جسے ہم نے سماع کی بحث میں بیان کر دیا ہے اور وہ یہ کہ اس ضمن میں راوی جو بھی الفاظ بیان کرتا ہے اسے علمائے لغت وزبانِ سماع ہی قرار دیں گے۔ لیکن محققین کے نزدیک معاشرے کے عُرف وعادت کے لحاظ سے ان میں فرق ممکن ہوتا ہے[4]

مُعَلَّق مُعلّق وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع میں ایک یا ایک سے زیادہ راوی بترتیب محذوف ہوں۔ اور حدیث کو ان راویوں کی جانب منسوب کر دیا گیا ہو، جو محذوف راویوں کے اُوپر ہوں[5] صحیح بخاری میں ایسی روایات موجود ہیں۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے عثمان بن ہیثم نے عوف سے، انہوں نے محمد بن سیرین سے، اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صدقۂ فطر کی حفاظت کرنے پر مامور فرمایا، پھر رات کے وقت ایک شخص آیا اور کھانے پینے کی اشیاء کو اپنی چادر میں ڈالنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا، خدا کی قسم! میں تیرا معاملہ حضورؐ کے سامنے پیش کروں گا"۔[6]

---

[1]: التوضیح جلد ۱ صـ۳۳۷

[2]: ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

[3]: التوضیح جلد ۱ صـ۳۳۸

[4]: الکفایہ صـ۳۸۸

[5]: قواعد التحدیث صـ۱۰۵

[6]: صحیح بخاری جلد ۳ صـ۶۴۔ کتاب الوکالۃ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جو معلق روایات صحیح بخاری میں وارد ہوئی ہیں ان کی دو اقسام ہیں:

(۱) وہ معلق روایات جو صحیح بخاری ہی میں دوسری جگہ موصولاً بیان ہوئی ہیں اور کسی جگہ طوالت سے بچنے کے لیے ان کو اختصاراً معلق ذکر کر دیا۔

(۲) وہ روایات جو صحیح بخاری میں صرف معلق ہی آئی ہیں۔ لیکن ان کا ذکر امام بخاریؒ نے پورے اعتماد کے ساتھ کیا ہے جس سے اس روایت کی صحت واضح ہو جاتی ہے۔

امام نووی نے اس ضمن میں یہ کہا ہے کہ:

"جو معلق روایات امام بخاری نے صیغۂ جزم مثلاً قَالَ، فَعَلَ، اَمَرَ۔ رَوٰی اور ذَکَرَ کے ساتھ بیان کی ہیں ان میں مقصود یہ اشارہ کرنا ہے کہ مروی عنہ کی طرف اُن کی نسبت کرنا درست ہے تاہم ان روایات کو صحیح بخاری میں شامل کرنا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ اپنی اصل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ اب یہ محقق کا فرض ہے کہ وہ جب ایسی روایات سے استدلال کر رہا ہو تو اچھی طرح دیکھے کہ ان کے رواۃ و رجال اور سند کا کیا حال ہے اور کیا وہ احتجاج کے قابل ہیں یا نہیں"۔[1]

بعض علماء کا خیال ہے کہ معلق حدیث دراصل منقطع کی ایک قسم ہے جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہوتا ہے یا کوئی مبہم راوی موجود ہوتا ہے اس بارے میں امام سیوطیؒ کہتے ہیں کہ:

"صحیح مسلم میں ایسی احادیث ہیں جن کے بعض راوی مبہم ہیں اور ان میں سے بعض احادیث منقطع بھی ہیں"۔[2]

اس کے برعکس امام نووی نے ایسی حدیثوں کو معلق کہا ہے اور یا پھر منقطع اور معلق کی درمیانی چیز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"امام مسلم کہتے ہیں کہ یہ روایت لیث بن سعد نے بیان کی ہے ..... اس کے بعد

---

[1]: قواعد التحدیث ص ۱۰۵

[2]: التدریب ص ۱۱۷، ص ۱۱۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

امام نووی نے پوری حدیث ذکر کی ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح مسلم میں تمام طرق سے مسلم اور لیث کے درمیان منقطع کے طور پر واقع ہوئی ہے اور اسے معلق کہا جاتا ہے۔" [1]

مذکورہ تینوں قسم کی حدیث کے بارے میں جو اہم بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان پر علی الاطلاق ضعیف حدیث کا حکم لگانا تحقیق اور بالغ نظری کے خلاف ہے۔

اس کے برعکس یہ تینوں قسم کی حدیثیں اپنے رواۃ و رجال کے حالات اور مقام و مرتبے کے لحاظ سے صحیح، حسن اور ضعیف قرار دی جا سکتی ہے۔

۷۔۸۔ فرد، غریب فرد اور غریب کے درمیان لغوی اور اصطلاحی طور پر گہرا ربط پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ دونوں میں تفرد کا مفہوم موجود ہے۔ اسی ربط کی وجہ سے بعض علماء نے دونوں کو مترادف قرار دیا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ تَفَرَّدَ بِهٖ فُلَانٌ اور اَغْرَبَ بِهٖ فُلَانٌ کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں [2]

لیکن اس ضمن میں درست بات یہی ہے کہ اکثر محدثین نے کثرت و قلت استعمال کے لحاظ سے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ وہ فرد کا اطلاق زیادہ تر فرد مطلق پر کرتے ہیں جو ہر شرط سے آزاد ہے۔ اس کے برعکس غریب کا لفظ فرد نسبی کے لیے بولا جاتا ہے۔ جس میں ایک معین چیز کی جانب نسبت کی جاتی ہے اس طرح اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے دونوں مترادف نہیں ہیں۔ لیکن جب فرد اور غریب کے افعالِ مشتقہ استعمال کیے جاتے ہیں تو ان میں اس فرق کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا۔" [3]

لیکن یہ امر یاد رہے کہ فرد مطلق کو شاذ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے ہم پہلے دیکھ چکے

---

[1]:۔ شرح صحیح مسلم، امام نووی جلد ۱ ص ۶۳

[2]:۔ التوضیح جلد ۲ حاشیہ ص ۸

[3]:۔ شرح نخبہ ص ۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہیں کہ شاذ میں دو شرطیں ناگزیر ہیں ایک تفرد دوسری مخالفت[1]۔ اس کے برعکس فرد میں صرف تفرد کو دیکھا جاتا ہے۔ لہٰذا فرد حدیث کی تعریف محدثین نے یوں کی ہے:

"فرد وہ حدیث ہے جس کی روایت میں ایک راوی منفرد ہو اگرچہ اس کے طرق کئی ہوں[2]"۔ فرد حدیث اپنے رواۃ و رجال کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے صحیح، حسن یا ضعیف ہو سکتی ہے۔ حدیث فرد مطلق صحیح کی مثال میں محدثین نے وہ حدیث پیش کی ہے جس میں ولاء (غلام کا حق وراثت جو آزاد کرنے والے کو غلام کی موت کے بعد حاصل ہوتا ہے) کی فروخت یا اسے ہبہ کرنے کی ممانعت ہے۔ عبداللہ بن دینار عبداللہ بن عمرؓ سے اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد راوی ہیں اور وہ سب کے نزدیک ایک ثقہ اور صاحب حفظ و ضبط ہیں۔

فرد نسبی (جسے اصطلاح میں غریب کہا جاتا ہے) اور شاذ میں کوئی التباس نہیں ہے کیونکہ پہلی مخالفت اور تفرد (جو کہ شاذ کی شرائط میں سے ہیں) دونوں ہی موجود نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس فرد نسبی میں ایک خاص قسم کا تفرد ہوتا ہے جو کسی خاص راوی یا کسی خاص شہر کے رہنے والوں سے روایت کرنے تک محدود رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ محدثین نے فرد نسبی کی درج ذیل تعریف کی ہے۔

"فرد نسبی وہ حدیث ہے جس کا راوی منفرد ہو خواہ یہ تفرد سند میں کسی جگہ بھی پایا جاتا ہو"[3]

غریب حدیث میں تفرد کبھی سند کے درمیان میں ہوتا ہے اور اسی جگہ کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے مثال کے طور پر ایک یا ایک سے زائد راوی کسی ایک صحابی سے روایت

---

[1]: یہ بحث شاذ حدیث کے ضمن میں اسی کتاب کے اندر ملاحظہ ہو۔

[2]: الفیہ سیوطی ص۹۵۔ حاشیہ شعر نمبر ۱۸۴

[3]: شرح نخبہ ص۴

[4]: شرح نخبہ ص۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کر رہے ہوں اور پھر ان میں کسی ایک سے روایت کرنے والا منفرد ہو جائے[1] اس کے برعکس فرد حدیث میں تفرد اس طرف واقع ہوتا ہے جدھر صحابی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس حدیث کے کئی طرق ہوں لیکن تفرد بہرحال اسی طرف رہے گا[2] اور جب غریب حدیث میں کسی خاص شہر کے راویوں کی شرط موجود ہو تو ان کے تفرد سے مجازی طور پر صرف ایک ہی منفرد راوی مراد ہوتا ہے[3] مختصر یہ کہ غریب حدیث کا راوی تمام حالت میں صرف ایک ہی ہوتا ہے۔

غریب حدیث کی بہت سی اقسام ہیں۔ لیکن ان سب میں تفرد کسی ایک خاص چیز کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ غریب حدیث کی تینوں قسمیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

۱۔ پہلی قسم غریب حدیث کی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے روایت کرنے میں منفرد ہو[4] جیسے عبدالرحمٰن بن مہدی ثوری سے اور واصل سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ حضرت عبداللہ نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا "یہ کہ تو خدا کا شریک ٹھہرائے جب کہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے" عرض کیا "اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟" ارشاد ہوا "یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے"۔[5]

محدثین کے ہاں غریب حدیث کی یہ قسم بکثرت موجود اور متعارف ہے۔

۲۔ غریب حدیث کی دوسری قسم یہ ہے کہ ایک شہر والے کسی آدمی سے روایت

---

[1]:۔ شرح نخبہ ص۸، [2]:۔ شرح نخبہ ص۸، [3]:۔ التدریب ص۸۵۔

[4]:۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۔ امام حاکم نے اسے دوسری قسم میں شمار کیا ہے اور اس کا نام یوں تجویز کیا ہے کہ "ایسی احادیث جنہیں صرف ایک آدمی کسی ایک امام حدیث سے روایت کرے" (معرفۃ علوم الحدیث ص۹۹)

[5]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۔

[6]:۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۔ امام حاکم نے اسے پہلی قسم قرار دیا ہے اور اس کا نام یہ رکھا ہے کہ "ان حدیثوں کی پہچان جن کے صحابی سے روایت کرنے میں کسی شہر کے لوگ متفرد ہوں" (معرفۃ علوم الحدیث ص۹۶)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کرنے میں متفرد ہوں[1] جیسے ابن بریدہ کی یہ روایت کہ "جب سے میں نے اپنے والد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قاضیوں کے بارے میں حدیث سُنی ہے، قاضی بننے کے لیے میں ہرگز تیار نہیں ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

قاضی تین قسم کے ہیں۔ ان میں دو قسموں کے جہنمی ہیں اور ایک قسم جنتیوں کی ہے ایک قاضی وہ ہے جو جان بوجھ کر ظالمانہ فیصلہ کرتا۔ یہ جہنمی ہے دوسرا وہ ہے جو نادانستہ غلط فیصلہ کرتا ہے۔ یہ بھی جہنمی ہے۔ تیسرا جنتی ہے جو کہ حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے"

امام حاکم کا قول ہے کہ اس حدیث کے روایت کرنے میں اہل خراسان متفرد ہیں اور اس حدیث کے تمام راوی مرو شہر کے باشندے ہیں[2]

۳۔ غریب حدیث کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی شہر کے باشندوں میں سے ایک راوی، دوسرے شہر والوں سے روایت کرنے میں متفرد ہو[3] جیسے خالد بن نزار کی روایت نافع بن عمر سے، اس کی بشر بن عاصم سے، اس کی روایت اپنے والد سے، اس کی عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ چرب زبان آدمی ہے جو باتوں کو یوں لپیٹتا جائے جیسے گائے گھاس کو لپیٹتی ہے"

امام حاکم کہتے ہیں کہ اس فرد حدیث کو مصری لوگوں نے مکہ والوں سے روایت کیا ہے کیونکہ خالد بن نزار مصری راوی ہیں اور نافع بن عمر مکی ہیں[4]

اس تیسری قسم کے بارے میں امام حاکم کا قول یہ ہے کہ:

"اہل مدینہ کی وہ حدیثیں جن کی روایت کرنے میں اہلِ مکہ متفرد ہوں اور اہلِ مکہ کی وہ روایات

---

[1]:۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۰۔ امام حاکم نے اسے پہلی قسم قرار دیا ہے اور اس کا نام یہ رکھا ہے کہ "ان حدیثوں کی پہچان جن کے صحابی سے روایت کرنے میں کسی شہر کے لوگ متفرد ہوں" (معرفۃ علوم الحدیث ص۹۹)

[2]:۔ معرفت علوم الحدیث ص۹۹

[3]:۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۰

[4]:۔ معرفت علوم الحدیث ص۱۰۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جن کی روایت کرنے میں اہلِ مدینہ متفرد ہوں۔ اس کے علاوہ وہ حدیثیں جنہیں صرف اہلِ خراسان نے اہلِ حرمین سے روایت کیا ہے۔ اور یہ قسم بڑی نادر اور دقیق ہے"۔[1]

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان تینوں اقسام میں صرف ایک شخص متفرد ہوتا ہے اور ہر قسم میں سند کی ایک خاص جگہ میں تفرد واقع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تفرد اصل سند میں جس طرف صحابی موجود ہوتا ہے اس طرف یہ واقع نہیں ہوتا بلکہ سند کے درمیان میں واقع ہوتا ہے اسی اضافی شرط کی وجہ سے غریب حدیث کو فرد نسبی کہا جاتا ہے۔ ہم نے جن مثالوں کو اس ضمن میں بطور استشہاد پیش کیا ہے اسی کو امام حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" کی ۲۵ ویں قسم میں "معرفۃ الافراد"[2] کے تحت بیان کیا ہے گویا ان کی رائے میں فرد و غریب کے درمیان جو فرق ہے وہ صرف مطلق و مقید ہی تک محدود ہے۔

۹۔ ۱۱ عزیز، مشہور، مستفیض

حدیث کی ان تینوں اقسام میں یہ مشترک وصف ہے کہ وہ فرد نسبی اور تواتر معنوی کے درمیان واقع ہیں لہٰذا ان میں کسی حد تک غریب حدیث کی صفت پائی جاتی ہے۔ جس کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسے فرد نسبی کہا جاتا ہے کیونکہ غریب حدیث کے روایت کرنے میں جب دو یا تین راوی شریک ہوں تو ایسی حدیث عزیز کہلاتی ہے اور اگر کوئی جماعت روایت کرے تو اسے مشہور[3] کہا جاتا ہے۔ اور اگر راویوں کی ایک جماعت روایت کرے اور ان کی تعداد روایت کی ابتدا و انتہا تک یکساں رہے تو اسے مستفیض[4] کہا جاتا ہے۔

ان تینوں اقسام میں ایک طرح کا معنوی تواتر موجود ہوتا ہے۔ کیونکہ تعدد رواۃ کی

---

[1]: ۔ معرفت علوم الحدیث ص۱۰۱

[2]: ۔ معرفت علوم الحدیث ص۹۶ تا ص۱۰۲

[3]: ۔ اختصار علوم الحدیث ص۱۸۷

[4]: ۔ شرح نخبہ ص۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

وجہ سے ایسی حدیثیں شہرتِ عام پاتی ہیں اور کثرتِ رواۃ کی وجہ سے حدیث کو تقویت بھی حاصل ہوجاتی ہے اور راویوں کی ایک جماعت کی طرف سے مسلسل طور پر اسے نقل کرنے کی وجہ سے ایسی حدیث زبان زد عام ہوتی ہے۔

لیکن ان تینوں قسموں کا متواتر کی بجائے غریب حدیث سے زیادہ تعلق ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے مضامین اسناد کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اور سند کے ساتھ متواتر کا کوئی تعلق نہیں ہے[1] ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ان تینوں قسموں کے راویوں میں جو درجے اور مرتبے کا فرق ہوتا ہے وہ ان کو اخبار آحاد ہونے سے الگ نہیں کرتا اور نہ ہی جمع کا وہ درجہ دلا سکتا ہے جو متواتر کے لیے ضروری شرط ہے الغرض یہ تینوں قسمیں غریب حدیث ہی کے مختلف نام اور القاب ہیں اور غریب حدیث کی طرح صحیح، حسن اور ضعیف . . . ہو سکتی ہیں۔

ایک جلد باز ناظر جب ان تینوں قسموں کو دیکھتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ ان کو صرف صحیح ہی میں محدود ہونا چاہیے۔ اس کے خیال میں یہ بات عجیب ہے کہ عزیز حدیث جو ایک اور سند سے روایت ہونے کی وجہ سے قوی تر ہوتی ہے۔ یا حدیث مستفیض و مشہور جو راویوں کی ایک جماعت سے منقول ہونے کی وجہ سے قبولِ عام کر چکی ہوتی ہے وہ غریب حدیث کے درجے تک نیچے اُتر آئے جسے صرف ایک ہی راوی نے روایت کیا ہے اور چونکہ ہر دور میں اکثریت سے متاثر ہونے کے لوگ عادی ہیں اس لیے یہ نتیجہ بھی معقول نظر آتا ہے۔

لیکن علمی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ محدثین نے روایات کی توثیق یا تضعیف میں جو معیار مقرر کیا ہے وہ کمیت کی بجائے کیفیت پر منحصر ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اعداد اور کثرت کی بجائے انہوں نے ان رواۃ و رجال کے اوصاف کو مدّ نظر رکھا ہے جو سند میں آتے ہیں خواہ ان کی تعداد کم ہو یا زیادہ۔ یہی سبب ہے کہ محققینِ حدیث نے متواتر حدیث کے لیے راویانِ حدیث کے لیے کوئی خاص تعداد مقرر نہیں کی ہے بلکہ اس کے لیے صرف اتنی شرط

---

[1] ۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

عائد کی ہے کہ عادۃً اتنی تعداد میں افراد کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو[1]

وہ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں جو اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بعض محدثین کے ہاں راویان حدیث کی تعداد بڑی حد تک حدیث کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے اس طرح کا اشارہ امام حاکم کی عبارت سے بھی ملتا ہے کہ وہ شاید عددی معیار کو معتبر سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کریں۔

دراصل امام حاکم کے نزدیک صحیح حدیث کا عزیز ہونا شرط ہے گویا ان کے ہاں یہ ضروری ہے کہ جو حدیث صحیح ہو وہ لازماً عزیز بھی ہے اور فرد یا غریب نہ ہو۔ وہ یہ تو نہیں کہتے کہ ہر حدیث لازماً صحیح ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مشہور اور مستفیض احادیث اپنے زیادہ راویوں کی شرط کے باوجود ہمیشہ صحیح نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں صحیح اور ضعیف دونوں طرح کی احادیث ہوتی ہیں، بلکہ ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ مستفیض اور مشہور احادیث میں باطل اور موضوع احادیث بھی ہوتی ہیں، خود امام حاکم نے اس ضمن میں بالکل واضح اور ناقابلِ تاویل عبارت بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"بہت سی مشہور احادیث صحیح نہیں ہیں"[2] اور پھر وہ بکثرت حدیثوں کا ذکر کر کے جن میں حسن اور ضعیف احادیث بھی موجود ہیں، یہ کہتے ہیں کہ "یہ تمام حدیثیں اپنے طرق و اسانید کی وجہ سے مشہور ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے ہر حدیث کے اتنے طرق ہیں جو ایک جلد یا دو جلد میں سما سکتے ہیں، مگر ان میں سے کسی کی تخریج بھی صحیح حدیث میں نہیں کی گئی"۔

جن حدیثوں سے امام حاکمؒ نے استدلال کیا تھا، امام سیوطیؒ نے انہی احادیث کو غور و تدبر سے دیکھا اور ان کی تحقیق کی، پھر ہر ایک کو اصطلاحی نام دیا جو مناسب تھا، پھر اس پر مزید اضافہ بھی کیا، نیز امام زرکشی کی "التذکرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ"[3] میں جو

---

[1] اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں
[2] اس کی وضاحت بھی ہم پہلے کر آئے ہیں۔
[3] معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۲
[4] التدریب ص ۱۸۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کمی باقی تھی اس کو پورا کرنے کے لیے حروفِ تہجی کے اعتبار سے ایک کتاب مرتب کی تھی، چنانچہ امام سیوطی کی "التدریب" میں ایسے بکثرت شواہد ہیں، جن کو انہوں نے حدیثِ مشہور کی تمام اقسام ـــ صحیح، حسن اور ضعیف ـــ کے لیے بطورِ مثال پیش کیا ہے۔

۱۔ حدیث مشہور صحیح حدیثِ مشہور صحیح کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ لوگوں سے علم کو یکبارگی چھین نہیں لے گا بلکہ وہ علماء کو موت دے کر لوگوں کو علم سے محروم کر دے گا، اور جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو پھر لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنا لیں گے جو علم کے بغیر فیصلے کریں گے اور اسی طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہی میں مبتلا کریں گے۔"[1]

۲۔ حدیث مشہور حسن اس کی مثال درج ذیل حدیث ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ — علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔

امام مزّی[2] کہتے ہیں کہ اس حدیث کے کئی طرق ہیں جو اسے حسن کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں[3]۔

۳۔ حدیث مشہور ضعیف اس کی مثال میں یہ حدیث ہے کہ:

جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا[4] — یہ دلوں کی فطرت ہے کہ وہ اس سے محبت کریں جو کہ ان سے اچھا سلوک کرے۔

---

[1] التدریب ص ۱۸۸۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۲ [2] یوسف بن عبدالرحمٰن ابوالحجاج جو مزّی کے نام سے مشہور ہیں، دمشق کے قریب مزّہ ایک بستی کا نام ہے، آپ دمشق کے دارالحدیث اشرفیہ میں ۷۴۲ھ میں فوت ہوئے (الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۶۲) [3] التدریب ص ۱۸۹، معرفۃ علوم الحدیث [4] التدریب ص ۱۸۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۴۔ حدیث مشہور باطل جو حدیث مشہور ہے لیکن باطل اور بے اصل ہے اس کی بے شمار مثالیں ہیں، جو مرفوع بھی ہیں، موقوف بھی ہیں اور مقطوع بھی ہیں، اور ایسی تمام حدیثیں عوام میں بہت معروف ہوتی ہیں، جیسے:

(۱) مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ — جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

(۲) یَوْمُ صَوْمِکُمْ وَ یَوْمُ نَحْرِکُمْ۔ — تمہارے لیے قربانی کا دن تمہارے لیے روزے کا دن ہے۔

(۳) کُنْتُ کَنْزًا لَا اُعْرَفُ — میں ایک ایسا خزانہ تھا جسے کوئی پہچانتا نہیں تھا۔

(۴) اَلْبَاذِنْجَانُ لِمَا اُکِلَ لَهٗ[1] — بینگن ہر بیماری کا علاج ہے۔

کسی حدیث کی شہرت و قبولیت ایک اضافی چیز ہے[2]۔ کبھی ایک حدیث صرف محدثین کے ہاں مشہور ہوتی ہے، اور کبھی محدثین علماء اور عوام سب اس سے آگاہ ہوتے ہیں، چنانچہ یہ کہا گیا ہے کہ:

حدیث

(۱) "البغض الحلال الی اللہ الطلاق"، فقہاء میں بہت مشہور ہے۔

(۲) حدیث "رُفِعَ عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ" اصولیین کے ہاں بہت مشہور ہے۔

(۳) حدیث "نعم العبد صھیب"، نحویوں کے ہاں بہت مشہور ہے۔

(۴) حدیث "مداراۃ الناس صدقۃ"، عوام میں مشہور ہے۔

(۵) "من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ"، محدثین اور عوام میں یکساں طور پر مشہور ہے[3]۔

---

[1] امام سیوطیؒ نے ان سب کو صراحتاً موضوع کہا ہے کہ "وکلھا باطل لا اصل لھا" التدریب ص ۱۸۹

[2] اختصار علوم الحدیث ص ۱۸۵۔

[3] التدریب ص ۱۸۹، التوضیح جلد ۲، ص ۴۰۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

البتہ جہاں تک اصطلاحی طور پر حدیثِ مشہور کا تعلق ہے جس سے محققین واقف ہوتے ہیں، اس سے وہ حدیث مراد نہیں ہوتی جو عام طور پر علماء اور عوام سب کے ہاں معروف ہوتی ہے، بلکہ اصطلاح میں مشہور وہ حدیث ہے، جس کو تین یا تین سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہو[1] اس کی کئی مثالیں ہیں لیکن محدثین اور مجتہدین کے سوا کوئی ان کو نہیں جانتا[2]

اصطلاحاً مشہور حدیث کی روشن مثال حضرت انسؓ کی وہ روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد دُعائے قنوت پڑھ کر رِعل اور ذکوان نامی قبیلوں کے لیے دُعا فرمائی ہے، اس حدیث کو بخاری و مسلم نے سلیمان التیمی سے انہوں نے ابی مجلز سے انہوں نے انسؓ سے روایت کیا ہے[3]

امام حاکمؒ نے اس حدیث کے مشہور ہونے کی درج ذیل وجوہات بیان کی ہیں کہ:

اس کی تخریج صحیح احادیث میں کی گئی ہے، ابو مجلز کے علاوہ بعض دوسرے راویوں نے بھی حضرت انسؓ سے اسے روایت کیا ہے، پھر ابو مجلز سے روایت کرنے والوں میں سلیمان التیمی کے علاوہ بھی راوی موجود ہیں، نیز سلیمان التیمی سے روایت کرنے والے بھی انصاری کے علاوہ دوسرے لوگ موجود ہیں، لیکن فنِ حدیث کے ماہر کے سوا اس سے کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا، ایک ناواقفِ فن آدمی تو یہ کہے گا، کہ سلیمان التیمی حضرت انسؓ کا شاگرد ہے، پھر عجیب بات یہ ہے کہ وہ حضرت انسؓ سے ابی مجلز کے واسطے سے روایت کر رہا ہے، اس لیے یہ تو غریب حدیث ہے، وہ یہ نہیں جانے گا کہ اسی حدیث کو زہری اور قتادہ نے بھی روایت کیا ہے اور قتادہ سے روایت کرنے والے بہت سے لوگ ہیں، فنِ حدیث سے ناآشنا شخص کو

---

[1] التوضیح جلد ۲ ص ۴۸۹

[2] معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۴

[3] التدریب ص ۱۸۹

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

یہ بھی معلوم نہیں کہ قبیلہ عزینہ کے بارے میں بھی اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے اسلیے اس حدیث کے طرق و اسانید "حدیث عزینہ" کی طرح بہت سے ہیں[1]

مشہور حدیث کے لیے ہم نے جو مثالیں دی ہیں وہی حدیث مستفیض کی مثالیں بھی بن سکتی ہیں، کیونکہ فقہاء کی ایک جماعت نے مشہور اور مستفیض کو مترادف قرار دیا ہے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے، مستفیض حدیث اوّل تا آخر یکساں طور پر مشہور ہوتی ہے جبکہ حدیث مشہور میں عموم زیادہ ہے[2]

بعض محدثین نے ایک اور طریقے سے ان دونوں کا فرق واضح کیا ہے، ان کی رائے میں راویوں کی جو جماعت مشہور حدیث کی روایت کرتی ہے وہ تین یا زیادہ راویوں کی ہوتی ہے، اس طرح مشہور حدیث کے طُرق و اسانید دو سے زیادہ راویوں میں محدود ہوتے ہیں، لیکن اس کے برعکس مستفیض حدیث کے راوی زیادہ ہوتے ہیں اگر تین سے کم راوی ہوں تو وہ حدیث مستفیض نہیں ہے[3] پھر چونکہ عام طور سے مستفیض پھیلی ہوئی ہوتی ہے اس لیے یہ مستفیض کہلاتی ہے اور یہ فَاضَ الْمَاءُ (پانی بہہ نکلا) سے ماخوذ ہے، اور یہ محاورہ اس حالت کے لیے استعمال ہوتا ہے جب پانی برتن کے کناروں سے بہنے لگتا ہے[4]

پھر علماء نے مشہور اور مستفیض حدیث میں کسی طرح کے شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا ہے، اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، مگر عزیز حدیث کے بارے میں انہوں نے شکوک و شبہات ظاہر کیے ہیں، چنانچہ ابن حبان بُستی کہتے ہیں:

"عزیز حدیث کا کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ عزیز اُسے کہتے ہیں جس میں دو راوی

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۳، ۹۴۔

[2] شرح نخبہ ص ۵۔

[3] التوضیح جلد ۲ ص ۴۰۲، ۴۰۳ (حاشیہ)

[4] التدریب ص ۱۸۸، التوضیح جلد ۲ ص ۴۰۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

دوسرے دو راویوں سے روایت کرتے ہوں اور یہ سلسلہ ابتدا سے آخر تک جاری رہے۔"[1]

ابن حبان کا خیال ہے کہ ایسی حدیث کو عزیز اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کا وجود عزیز یعنی دشوار ہوتا ہے، اس لیے نہیں کہ یہ نادر الوقوع ہے، لیکن ابن حجر نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

اگر ابن حبان کا مطلب یہ ہے کہ دو راویوں کی صرف دو سے روایت موجود نہیں ہے تو یہ بات قابل فہم ہے، لیکن عزیز حدیث کی جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ موجود ہے، ہم بیان کر چکے ہیں کہ عزیز وہ حدیث ہے جسے دو سے کم راوی دوسرے دو سے کم راویوں سے روایت نہ کرتے ہوں، جیسے بخاری و مسلم کی وہ روایت جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں، پھر بخاری میں یہی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے والدین سے زیادہ محبوب نہ رکھے"۔ انسؓ سے قتادہ اور عبدالعزیز بن صہیب نے روایت کی ہے، اور قتادہ سے شعبہ اور سعید نے روایت کی ہے، پھر عبدالعزیز سے اسماعیل بن علیہ اور عبدالوارث نے، اور ان سے سب راویوں کی ایک جماعت نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔"[2]

اصطلاحات حدیث میں یہ صورت بہت نادر الوقوع ہے کہ کسی حدیث میں عزیز اور مشہور دونوں قسم کی احادیث کے اوصاف بیک وقت موجود ہوں، اس صورت میں اسے "مشہور عزیز" کہیں گے۔ اور یہ صورت اس وقت ہوتی ہے جب کسی حدیث کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ کسی خاص طبقے میں دو راویوں سے روایت ہونے کی وجہ

---

[1] التوضیح جلد ۲ حاشیہ ص ۵۰۴۔

[2] نزہۃ النظر ص ۸ ۔ التدریب ص ۱۹۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سے عزیز کے درجے کی ہے لیکن اس سے پہلے یا بعد کے طبقے میں اسے زیادہ راویوں سے منقول ہونے کی وجہ سے مشہور کا مرتبہ حاصل ہو جاتے ،

حافظ علائی[1] نے اس کی مثال میں " نحن الآخرون السابقون یوم القیامة " والی حدیث پیش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ عزیز ہے، اسے حذیفہ بن یمانؓ اور ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اور ابو ہریرہؓ سے سات راویوں نے اسے روایت کیا ہے، جن کے نام یہ ہیں :

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، ابو حازم، طاؤس، اعرج، ہمام، ابو صالح، عبد الرحمٰن، مولیٰ ام برثن[2]

۱۲، ۱۳ - عالی، نازل اہل علم حضرات صرف ایسے محدثین کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جن کی سند عالی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسناد کا قرب اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے[3] اسناد کا قرب بآسانی حاصل نہیں ہوتا تھا، اس لیے وہ صحابہ تابعین، اور علمائے کبار کے ذریعے سے ایسی سند کی تلاش میں رہتے تھے، اسی طرح عالی سند کی دو صورتیں تھیں، ایک مطلق، دوسری نسبی و اضافی ۔

۱ - سند عالی مطلق یہ وہ سند ہے جس کے راوی تعداد کی کمی کے باعث... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب ہوں، اور اس حدیث کے راویوں کی تعداد دوسری اسناد میں زیادہ ہو[4] ایسی سند عالی "اجل الاسانید" سمجھی جاتی ہے، بشرطیکہ وہ سند صحیح اور عمدہ ہو لیکن اگر وہ ضعیف ہو گی تو پھر ناقابل التفات ہو گی، بالخصوص جبکہ اس میں بعد کے ایسے جھوٹے راوی شامل ہوں جو صحابہ سے سماع کا دعویٰ کرتے پھرتے تھے، جیسے ابن ہدبہ، دینار، خراشہ

---

[1] ان کا تعارف پہلے آچکا ہے ۔
[2] التدریب ص ۱۹۳
[3] الجامع جلد ۱ ص ۱۳
[4] قواعد التحدیث ص ۱۰۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نعیم بن سالم اور ابن ابی الدنیا۔

چنانچہ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ:

"جب کسی ایسے محدث کو دیکھو، جو ان راویوں کی سندِ عالی کو دیکھ کر خوش ہوتا ہو تو جان لو کہ وہ جاہل آدمی ہے"[1]

ب۔ سندِ عالی نسبی اس سند کے راوی اپنے امامِ حدیث کے قریب ہوتے ہیں، جیسے اعمش، ابن جریج، مالک، شعبہ اور دوسرے ائمہ حدیث۔ اور اس کے علاوہ وہ سند صحیح بھی ہو یا اس سند کے راوی معتبر کتبِ حدیث میں سے کسی کتاب سے قریب تر بھی ہوں، جیسے صحاح ستہ، موطا امام مالکؒ وغیرہ[2]۔ اسے نسبی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں جو علو سند ہے وہ حقیقی نہیں، بلکہ نسبی اور اضافی ہے۔

سندِ عالی نسبی کی کئی صورتیں ہیں، سب سے مشہور صورت یہ ہے کہ امام بخاری کی کسی روایت کردہ حدیث کو لے کر کسی دوسری سند سے اس طرح روایت کیا جائے کہ وہ امام بخاری کے شیخ یا شیخ الشیخ تک پہنچے اور اس سند میں امام بخاری کی سند کے مقابلے میں راویوں کی تعداد کم ہو[3]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سندِ عالی نسبی کی چار قسمیں بتائی ہیں۔ موافقت[1]، بدل[2]... مساوات[3]، مصافحہ[4]

۱۔ موافقت موافقت کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث کی کسی کتاب کے جامع کے شیخ تک کسی اور سند سے پہنچ جائیں۔ جیسے امام بخاری نے ایک حدیث قتیبہ سے اور انہوں نے مالک سے روایت کی ہے۔ اب اگر کوئی دوسرا آدمی کسی اور سند سے اسی روایت کو قتیبہ سے بیان کرتا ہے اور اس سند میں امام بخاری کے مقابلے میں کم راوی ہوں[4]

---

[1]: التدریب ص۱۸۲ - [2]: التدریب ص۱۸۵

[3]: الباعث الحثیث ص۱۸۲ - [4]: شرح نخبہ ص۳۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۲۔ **بدل** ــــ جب کوئی شخص مؤلفِ کتاب کے شیخ الشیخ تک کسی اور سند سے پہنچے تو اسے بدل کہتے ہیں۔ جیسے مذکورہ بالا سند کو کوئی اور آدمی کسی اور سند سے قعنبی عن مالک روایت کرے تو اس طرح قعنبی بدل ہوگا قتیبہ کا۔[1]

۳۔ **مساوات** ــــ مساوات کے معنی یہ ہیں کہ مؤلف کتاب نے ایک حدیث کو کسی خاص سند سے روایت کیا ہو۔ پھر اگر دوسرا آدمی کسی اور سند سے اس حدیث کو بیان کرے اور دونوں میں راوی کی تعداد یکساں ہو، ابن حجرؒ نے اس کی مثال میں یہ کہا ہے۔ کہ فرض کیجیے امام نسائی ایک حدیث روایت کریں اور اس کی سند میں ان سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ۱۱ راوی ہوں، پھر ہم اسی حدیث کو کسی اور سند سے بیان کریں اور اس میں بھی اتنے ہی راوی موجود ہوں تو اس صورت میں ہم امام نسائی کے برابر ہوں گے، گو ان کی سند ہماری سند سے جداگانہ ہے۔[2]

محدث ابن الصلاح کہتے ہیں:۔

"ہمارے زمانے میں مساوات کا مطلب یہ ہے کہ کسی سند میں راویوں کی مساوات صرف امام مسلمؒ یا کسی اور مؤلف کے شیخ یا شیخ الشیخ تک پہنچنے کے لحاظ سے نہیں بلکہ صحابی یا تابعی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے اعتبار سے ہو، جیسے کسی حدیث کو روایت کرنے والے اور صحابی کے درمیان راویوں کی تعداد اتنی ہو جتنی امام مسلمؒ اور اس صحابی کے درمیان ہو، لہٰذا وہ روایت کرنے والا قربِ اسناد اور تعدادِ رجال میں امام مسلمؒ کے مساوی ہو جائے گا۔"[3]

---

[1] شرح نخبہ ص ۳۱، التدریب ص ۱۸۵۔

[2] شرح نخبہ ص ۳۲۔

[3] علوم الحدیث از ابن صلاح، ص ۲۱۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۴۔ مصافحہ مؤلفِ کتاب کے شاگرد کے ساتھ مساوات کو مصافحہ کہا جاتا ہے

مصافحہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب دو آدمی باہم ملتے ہیں تو وہ مصافحہ کیا کرتے ہیں[1]۔ اگر شاگرد مصنف نے تمہارے شیخ کی مساوات پالی ہو تو گویا تم نے مؤلفِ کتاب سے مصافحہ کیا ہے اور ان سے روایت کی ہے، اور اگر مساوات تمہارے شیخ الشیخ سے ہوئی تو مصافحہ کرنے والا تمہارا شیخ ہوگا، اور اگر مساوات تمہارے شیخ کے شیخ الشیخ کے ساتھ ہوئی ہے، تو پھر مصافحہ کرنے والا تمہارا شیخ الشیخ ہوگا[2]۔

ان تمام اقسام میں مساوات اور مصافحہ کا عالی ہونا بالکل واضح ہے اور یہ دونوں اقسام مؤلفِ کتاب کی نسبت سے اپنی سند میں نازل ہونے کی وجہ سے عالی قرار پاتی ہیں، چنانچہ عصرِ حاضر یعنی چودھویں صدی اور اس کے قریبی زمانے میں ان دونوں اقسام کا وجود نہیں ہے، کیونکہ ان تمام زمانوں میں اسناد کے اندر بہت زیادہ بُعدِ زمانی واقع ہو گیا ہے۔

محدّث ابن الصلاح مساوات اور مصافحہ کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور انہیں حقیقی علوّ سے خالی قرار دیتے ہیں اور پھر پورے اعتماد سے کہتے ہیں کہ:

علوّ کی یہ تمام قسمیں نزول کے تابع ہیں، کیونکہ اگر کتاب کا مؤلف اپنی سند میں نازل نہ ہوتا تو اس کے مقابل کے راوی کو علوِ سند حاصل نہ ہوتا"[3]

یہ بھی علوِ نسبی کی ایک صورت ہے کہ راوی اپنے استاد سے پہلے وفات پا جائے، پھر دونوں اسناد تعدادِ رواۃ کے اعتبار سے برابر ہو جائیں، مثال کے طور پر جس نے مسندِ احمد کا سماع احمد علی حلاوی سے، اس نے ابو العباس حلبی سے، اس نے نجیب سے کیا ہو تو وہ اس آدمی کی نسبت عالی ہوگا، جس نے جمال کتانی سے

---

[1] شرح نخبہ ص ۳۲۔ [2] التدریب ص ۱۸۶

[3] علوم الحدیث از ابن الصلاح ص ۲۲۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس نے قرضی سے، اس نے زینب بنتِ مکی کی سند سے مسند کا درس لیا ہے کیونکہ پہلے تینوں راوی بعد کے راویوں سے پہلے فوت ہو گئے تھے[1] اور اس لیے وہ احمدؒ اور مسندِ احمد سے زیادہ قریب ہوں گے۔

علوِ نسبی کبھی سماع کے تقدم سے بھی حاصل ہو جاتا ہے[2] اس لیے جس نے کسی شیخ سے پہلے سماع کیا ہے وہ بعد میں سماع کرنے والے سے اعلیٰ ہو گا۔ جیسے دو شاگردوں نے ایک ہی شیخ سے استفادہ کیا، پھر ایک کو اس سے استفادہ کیے ہوئے ۶۰ برس گزر گئے، اور دوسرے کو ۴۰۔ تو ایسی صورت میں پہلا شاگرد دوسرے سے اعلیٰ قرار پائے گا[3]

پہلے زمانے کے محدثین عالی اسناد — مطلق و نسبی — دونوں کے بہت مشتاق تھے، ان کے اشتیاق کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اس کو بہت اہم قرار دے کر بعض دوسرے ضروری امور کو نظر انداز کر دیا، یہاں تک کہ انہوں نے اس پر فخر و مباہات کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ جس طرح کہ وہ غریب اور منکر احادیث تلاش کر کے فخر جتاتے تھے، اور ہم اس کی وضاحت پہلے کر چکے ہیں علوِ سند کی محبوبیت کا سبب یہ تھا کہ اس میں صحت اور قلت خطا کا زیادہ امکان ہے، کیونکہ سند میں جتنے راوی ہوں گے اسی قدر غلطی صادر ہو سکتی ہے اور جس قدر درمیانی ذرائع میں اضافہ ہو گا اور سند طویل ہو گی تو اسی نسبت سے غلطی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، دوسری جانب سند میں جس قدر کم راوی ہوں گے اسی قدر غلطی کا احتمال کم ہو گا[4] یہی وجہ ہے کہ محدثین کے ہاں یہ ضرب المثل

---

[1] التدریب ص ۱۸۶۔

[2] علوم الحدیث از ابن الصلاح، ص ۲۲۰۔

[3] الباعث الحثیث ص ۱۸۴۔ التدریب ص ۱۸۷

[4] شرح نخبہ ص ۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ہے کہ "سندِ نازل کمتر درجے کی ہوتی ہے"[1] امام سیوطیؒ نے الفیہ میں کہا ہے کہ:

وَطَلَبُ الْعُلُوِّ سُنَّةٌ وَمَنْ يُفَضِّلُ النُّزُولَ عنه ما فطن[2]

(سندِ عالی کی جستجو کرنا محدثین کا طریقہ ہے اور جو سندِ نازل کو ترجیح دیتا ہے اس نے اس کی فضیلت کو نہیں سمجھا۔)

یہ امر محتاجِ بیان نہیں ہے کہ سندِ نازل سندِ عالی کی ضد ہے اور سندِ نازل کی اقسام کی تفصیل سندِ عالی کی قسموں ہی سے معلوم ہو سکتی ہے، اس سلسلے میں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں[3]۔

پھر سندِ عالی کو نازل کے مقابلے میں جو فضیلت حاصل ہے وہ ہر وقت اور ہر جگہ نہیں ہے اس کے برعکس جب سندِ نازل میں کوئی خوبی موجود ہوتی ہے تو وہ عالی سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ جیسے جب سندِ نازل کے راوی زیادہ حافظ، زیادہ ثقہ اور فقیہ تر ہوتے ہیں یا اس کے اخذ و روایت کی صورت اقربیت الی السماع ہوتی ہے[4]۔

وکیع[5] اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے بتاؤ ان دو سندوں میں کون سی سند تمہیں زیادہ پسند ہے؟ اعمش عن ابی وائل عن ابن مسعودؓ یا سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعودؓ۔

پہلی سند میں تمام شیوخ حدیث ہیں اور دوسری فقہا پر مشتمل ہے اور ہمیں فقہاء کی سند شیوخ سے زیادہ عزیز ہے[6]۔

---

[1]: اختصار علوم الحدیث ص۱۴۲۔ [2]: الفیہ السیوطی ص۲۶ شعر نمبر ۶۰۴۔ [3]: علوم الحدیث از ابن الصلاح ص۲۲۲۔ [4]: التدریب ص۱۸۸۔

[5]: یہ وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی ہیں کنیت ابو سفیان ہے۔ آپ کوفہ کے باشندے تھے اور قبیلہ عیلان سے تعلق تھا ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶ھ میں فوت ہوئے ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ "وکیع عراق میں ثقہ راوی ہیں"

(تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص۴۶۶ تا ص۴۸۱)

[6]: اختصار علوم الحدیث ص۱۴۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حافظ سلفی[1] یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حدیث میں فضیلت کا معیار یہ ہے کہ علماء سے مروی ہو یا منقول ہو۔ لہٰذا جو سند علماء پر مشتمل ہو وہ اگر نازل بھی ہو تو جہلاء کی سند عالی سے بہتر ہوتی ہے۔ یہی مذہب محققین کا ہے۔

اس صورت میں سندِ نازل اپنی تحقیق کی وجہ سے عالی کہلانے کی مستحق ہے۔[2]

۱۳، ۱۴، ۱۵۔ متابع وشاہد

بعض محدثین نے متابع اور مشاہد شاہد کو مترادف سمجھا ہے اور اس میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے[3] کیونکہ دونوں اقسام ایسی ہیں کہ ان سے فرد نسبی (غریب حدیث) کو تقویت اور تائید ملتی ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں باہم مترادف ہیں۔ بلکہ ان کے مابین باریک سا فرق ہے۔ اور علماء نے ان کی الگ الگ تعریف کی ہے۔

اس بارے میں جو اقوال موجود ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہد میں متابع کے مقابلے میں عموم زیادہ ہے، کیونکہ شاہد لفظ اور معنی دونوں کی تائید کرتا ہے اگر متابع میں الفاظ کی تائید ہی مقصود ہوتی ہے اور معنی کی نہیں[4]

اس بنیادی فرق کی وجہ سے ہم متابع کی یہ تعریف کر سکتے ہیں کہ جس کے راوی کی تائید دوسرا راوی کرتا ہو اور تائید کرنے والا اس قابل ہو کہ اس کی روایت کو تسلیم کیا جا سکتا ہو، اور پھر تائید کرنے والا پہلے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ سے ایسے الفاظ میں روایت کر رہا ہو جو پہلے راوی کے بیان کردہ الفاظ سے بالکل ملتے جلتے ہوں[5]

شاہد کی تعریف یہ ہے کہ دوسرا راوی اگرچہ اس کے راوی کی تائید کرے، مگر

---

[1] ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے [2] التدریب ص ۱۸۸

[3] شرح نخبہ ص ۱۵۔ التدریب ص ۸۵۔

[4] التدریب ص ۸۵۔

[5] قواعد التحدیث۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

وہ مختلف صحابی سے روایت کر رہا ہو، اور اس کی یہ روایت الفاظ و معانی دونوں میں یا صرف معنی میں پہلے راوی کی روایت سے مشابہ ہو۔[1]

متابع کی دو اقسام ہیں۔ ایک متابع تام اور دوسرا متابع قاصر۔

اس طرح شاہد کی بھی دو قسمیں ہیں، شاہد لفظی اور شاہد معنوی۔

متابع تامّ وہ ہے جس میں ایک راوی دوسرے راوی کی تائید کرے، اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام شافعیؒ نے کتاب الاُم میں امام مالک، عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے، اس لیے چاند دیکھے بغیر نہ تو روزہ رکھو اور نہ افطار کرو، لیکن اگر بادل چھائے ہوئے ہوں تو پھر ۳۰ کی تعداد پوری کرو۔"

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ امام شافعی اس حدیث کو امام مالک سے کرنے میں متفرد ہیں اور اس لیے اسے وہ غرائب شافعی میں شمار کرتے ہیں، کیونکہ امام مالکؒ کے دوسرے شاگردوں نے اسی سند سے حدیث کے یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ "اگر بادل چھائے ہوئے ہوں تو پھر اندازے سے کام لو۔" لیکن علماء کا یہ قول بھی ہے کہ امام شافعی کے ایک متابع بھی ہیں اور وہ ہیں عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، چنانچہ امام بخاری بھی اسی روایت کو قعنبی عن مالک ہی سے روایت کرتے ہیں۔[2]

متابع قاصر متابع قاصر وہ ہے جو راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ کی تائید کرے۔ مثلاً ابن خزیمہ کی مذکورہ بالا حدیث جو انہوں نے عاصم بن محمد عن ابیہ محمد بن زید عن جدہ خود عبداللہ بن عمرؓ سے یوں روایت کی ہے کہ "تیس دن پورے کیا کرو۔" اس کے برعکس صحیح مسلم میں عبید اللہ بن عمر نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ "تیس دن کا اندازہ کر لیا کرو۔"[3]

---

[1] شرح نخبہ ص ۱۵۔ [2] شرح نخبہ ص ۱۴۔

[3] التوضیح جلد ۲ ص ۱۴ شرح نخبہ ص ۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

شاہد لفظی وہ جو حدیث کے متن کی لفظی طور پر تائید کرے، شاہد لفظی کہلاتا ہے۔ جیسے مذکورہ بالا حدیث کی وہ روایت جسے نسائی نے محمد بن حُنین سے انہوں نے ابن عباسؓ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور یہ روایت اس حدیث کے عین مطابق ہے جسے عبد اللہ بن دینار نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے [1]

شاہد معنوی وہ ہے جو کسی حدیث کے معنی اور مفہوم کی تائید کرتی ہو، اسے شاہد معنوی کہا جاتا ہے، اس کی مثال مذکورہ حدیث کی وہ روایت ہے جسے امام بخاری نے محمد بن زیاد عن ابو ہریرہ روایت کیا ہے اور جس میں یہ الفاظ ہیں کہ "اگر بادل چھا جائیں تو شعبان کے تیس دن پورے کیا کرو" [2]

گویا رؤیتِ ہلال سے متعلق حدیث مثال ہے متابعتِ تامّہ کی، متابعتِ قاصرہ کی، شاہدِ لفظی کی اور شاہدِ معنوی کی [3]

عام طور پر کتبِ حدیث میں متابع و شاہد کے ساتھ ساتھ اعتبار کا ذکر ہوتا ہے جس سے قاری یہ سمجھتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے یہ تین اقسام ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعتبار صرف متابع و شاہد کی پہچان کا ایک ذریعہ ہے۔ چنانچہ امام سیوطی نے الفیہ میں کہا ہے کہ [4]

الاعتبار سبر ما یروی بہ هل شارك الراوی سواہ فیہ

(اعتبار کا مطلب ہے روایت کی جانچ پڑتال کرنا کہ کیا کوئی اور راوی بھی اس کے روایت کرنے میں شریک ہے یا نہیں ہے)

ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

---

[1] :۔ التدریب ص۸۶

[2] :۔ شرح نخبہ ص۱۵

[3] :۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۵

[4] :۔ الفیہ سیوطی ص۱۴ ، شعر نمبر ۲۰۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"اعتبار کہتے ہیں مختلف کتب حدیث جیسے جوامع مسانید اور اجزاء سے طرق و اسانید کو اس مقصد کے لیے تلاش کرنا کہ آیا جس حدیث کو فرد اور غریب کہا جاتا ہے اس کا کوئی متابع ہے یا نہیں ہے"۔

محدث ابن صلاح کے اس قول ـــــ معرفۃ الاعتبار المتابعات والشواہد ـــــ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید اعتبار بھی متابع اور شاہد کی طرح کوئی مستقل قسم ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ اعتبار صرف متابعات اور شواہد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے[1]۔

جن احادیث کو اصل کی حیثیت حاصل ہے محدثین ان میں جس قدر تشدد سے کام لیتے ہیں متابعات و شواہد میں وہ اتنی سختی اختیار نہیں کرتے، بلکہ وہ شواہد و متابعات میں اگر کچھ ضعیف بھی ہو تو اسے گوارا کر لیتے ہیں لیکن اصل روایات میں اسے کبھی برداشت نہیں کرتے۔ ضعف تو صحیحین کے متابعات و شواہد میں بھی پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام ... دار قطنی اور دوسرے محققین نے بعض ضعیف راویوں کے بارے میں کہا ہے کہ "یہ راوی اعتبار کے لحاظ سے موزوں ہے اور فلاں راوی اس کے لحاظ سے موزوں نہیں ہے"[2]

کسی ضعیف راوی کے بارے میں جب "متروک الحدیث" کے الفاظ آتے ہیں تو وہ اعتبار کے لیے موزوں نہیں ہوتا۔ جیسے ایک حدیث ہے کہ اَحْبِبْ حَبِیْبَکَ هَوْنًا مَّا۔

اس حدیث کو ترمذی نے حماد بن سلمہ سے، انہوں نے ایوب سے انہوں نے ابن سیرین سے انہوں نے ابوہریرہؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ "یہ حدیث غریب ہے اور کسی اور سند سے بھی مروی نہیں ہے" امام سیوطی نے امام ترمذی کے اس قول کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ "یہ حدیث کسی صحیح سند سے منقول نہیں ہوئی۔ ورنہ حسن بن دینار نے اسے ابن سیرین سے روایت کیا ہے۔ مگر حسن متروک الحدیث ہے اس لیے وہ متابعات روایت کرنے کا اہل نہیں ہے"[3]

---

[1]: نزہۃ النظر ص۲۳۔ التوضیح جلد ۲ ص۱۱، ص۱۲

[2]: اختصار علوم الحدیث ص۶۴

[3]: الباعث الحثیث ص۶۴ بحوالہ التدریب ص۸۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جو آدمی ایسے طُرق اور اسانید کا خواہش مند ہو جو شواہد و متابعات کے لائق ہوں اسے مختلف کتبِ حدیث جیسے جوامع مسانید اور اجزاء کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے اور اس سے پہلے ہم متابعات اور شواہد پر بحث کر چکے ہیں۔

۱۶۔ مُدرج مدرج وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں کچھ ایسا اضافہ معلوم ہو جو دراصل اس کا نہ ہو[1] اس کے نام کی وجہ ظاہر ہے۔ ادراج کے معنی کسی چیز کو دوسری میں داخل کرنے اور سمونے کے ہیں[2]

عام طور پر احادیث صحیحہ، حسن اور مسند کے راوی یہ بیان کر دیتے ہیں کہ اضافہ کہاں ہوا ہے معمولی اضافہ بھی ہو تو اسے وہ واضح کر دیتے ہیں اور اضافہ کرنے والے کا نام بھی بتا دیتے ہیں۔ یہ اضافہ خواہ متن میں ہو یا سند میں وہ اِدراج کو ظاہر نہ کریں تو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی آدمی ان کی زبانی وہ روایت نقل کرے اور پھر اس بات کی صراحت نہ کرے کہ یہ اِدراج ہے پھر نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ نادانستہ حدیثِ رسول یا راویانِ حدیث کے بارے میں غلط بیانی کرنے والوں کا معاون ٹھہرے گا۔

بلاشبہ ادراج بھی ایک طرح کا کذب و تدلیس ہے اور وہی آدمی اس کا مرتکب ہوگا جس کا ایمان کمزور ہو اور وہ راسخ العقیدہ نہ ہو چنانچہ سمعانی کہتے ہیں کہ:

"جو آدمی جان بوجھ کر ادراج کا ارتکاب کرتا ہے وہ عادل نہیں ہو سکتا، وہ ان لوگوں میں سے ہے، جو کلمات میں تحریف کرتے ہیں اور وہ جھوٹوں میں سے ہے"[3]

متن میں ادراج عام طور پر حدیث کے آخر میں واقع ہوتا ہے، بعض رواۃِ حدیث تشریح و توضیح کے نقطۂ نظر سے حدیث کے آخر میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیتے ہیں، کبھی یہ اضافہ ابتدائے حدیث میں اور کبھی وسطِ حدیث میں ہوتا ہے لیکن وسط کی نسبت آغاز میں زیادہ ہوتا ہے[4]

---

[1] الباعث الحثیث ص ۸۰ [2] التوضیح جلد ۲ حاشیہ ص ۵۰
[3] التدریب ص ۵۸
[4] التوضیح جلد ۲ حاشیہ ص ۵۳

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

متن کے وسط میں ادراج کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام نسائی نے مرفوعاً حضرت فضالہ سے روایت کیا ہے کہ :

اَنَا زَعِیْمٌ ، وَالزَّعِیْمُ الْحَمِیْلُ ـــــ لِمَنْ اٰمَنَ بِیْ وَاَسْلَمَ وَجَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِبَیْتٍ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ [1]

(میں اس کے لیے جنت کے کنارے پر ایک گھر کا ضامن ہوں جو مجھ پر ایمان لائے، اسلام قبول کرے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے)

اس حدیث میں وَالزَّعِیْمُ الْحَمِیْلُ کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرماتے ہیں بلکہ راوی حدیث ابن وہب نے لفظِ زعیم کی تشریح کے لیے درج کر دیئے ہیں راوی نے یہ سمجھا کہ زعیم کا لفظ مشکل ہے اس لیے اس نے اس کا مطلب بھی بیان کر دیا۔

حدیث کی ابتدا میں ادراج کی مثال خطیب بغدادی کی وہ روایت ہے جو انہوں نے ابو قطن اور شبابہ کے طریق سے شعبہ عن محمد بن زیاد عن ابی ہریرہؓ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ ۔ (وضو اچھے طریقے سے کرو، افسوس ہے کہ ایڑیاں دوزخ کی آگ کے سپرد ہوں گی۔)

اس حدیث میں اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ کے الفاظ حضورؐ نے نہیں فرماتے، بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی طرف سے درج کر دیئے ہیں، ابو قطن اور شبابہ نے جب شعبہ سے روایت کی تو انہوں نے ابو ہریرہؓ کے الفاظ کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سمجھا [2]

---

[1] التدریب ص ۹۷۔ [2] بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے، جن میں "اسبغوا الوضوء" کے الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، ان میں سب سے زیادہ اہم امام بخاری کی روایت ہے جو انہوں نے آدم کے طریق سے عن شعبہ عن محمد بن زیاد عن ابی ہریرہؓ نے کہا "اسبغوا الوضوء" (وضو اچھے طریقے سے کیا کرو) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ : ویل للاعقاب من النار۔ امام سیوطی نے التدریب میں ۹۶ پر خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس آخری روایت کو ایک بڑی جماعت نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایتِ آدم کی طرح نقل و روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کسی حدیث کے آخری حصے میں ادراج کی مثال حضرت ابوہریرہؓ کی درج ذیل صحیح اور مرفوع حدیث ہے۔

"غلام کو دوہرا اجر ملے گا، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر جہاد، حج اور والدہ کی خدمت کی فکر نہ ہوتی تو میں ایک غلام کی حیثیت سے مرنے کو ترجیح دیتا۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "غلام کو دُہرا اجر ملے گا" حضرت ابوہریرہؓ نے غلام بننے کی خواہش کا اظہار کرکے حدیث میں مذکور ثواب کی تائید کر دی ہے، اب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود غلاموں کو آزاد کرنے کی تلقین کرتے تھے، اس لیے آپ ایسی آرزو کیسے کر سکتے تھے، پھر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ تو اس وقت ہی فوت ہو گئی تھیں، جب حضورؐ ابھی بچپن میں تھے۔ اس لیے یہ آپ کا ارشاد نہیں ہو سکتا۔[2]

جہاں تک مدرج الاسناد روایات کا تعلق ہے اس کا نتیجہ بھی متن میں ادراج[3] کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، البتہ مدرج الاسناد کی دو صورتیں بہت اہم ہیں[4]

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ راوی کسی سند کے ساتھ کئی سندوں والی حدیث کو جمع کر دے اور اسانید کا اختلاف بیان نہ کرے[5] جیسے امام ترمذیؒ کی وہ حدیث ہے جو انہوں نے ابن مہدی عن ثوری عن واصل و منصور و اعمش عن ابی وائل عن عمرو بن شرحبیل عن ابن مسعودؓ روایت کی ہے کہ "میں نے حضورؐ سے دریافت کیا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ ..... الخ واصل اپنی روایت میں عمرو بن شرحبیلؒ کا

---

[1] التدریب ص ۹۶۔ [2] التوضیح جلد ۲ ص ۷۲ [3] الباعث الحثیث ص ۸۲۔
[4] حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ ص ۲۱، ۲۲ پر مدرج الاسناد کی چار اقسام بیان کی ہیں۔
[5] الباعث الحثیث ص ۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ذکر نہیں کرتے بلکہ وہ براہِ راست ابو وائل سے اور انہوں نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے، لہٰذا عمرو بن شُرَحبیل کا ذکر در اصل واصل کی روایت میں ادراج ہے، اور منصور و اعمش کی سند میں صحیح ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ یحییٰ قطان نے ثوری سے دو سندوں کے ساتھ یہی حدیث واصل سے روایت کی ہے اور کسی ایک میں بھی عمرو بن شرحبیل کا ذکر نہیں کیا اس میں ایک روایت منصور سے ہے اور دوسری اعمش سے، امام بخاریؒ نے قطان کی روایت بیان کی ہے۔[1]

مذکورہ روایت سے واضح ہے کہ اس حدیث کی متعدد اسناد ہیں، لیکن راوی اس کا ذکر نہیں کرتا بلکہ یہ تأثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ حدیث واصل نے عمرو بن شرحبیل سے روایت کی ہے، کیونکہ منصور اور اعمش نے صراحت کے ساتھ عمر بن شرحبیل کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ مدرج الاسناد کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حدیث کو راوی نے ایک سند سے بیان کیا ہو، اور اس کے علاوہ اس نے ایک اور حدیث الگ سند سے بھی روایت کی ہو۔ اس کے بعد ایک راوی آئے اور دونوں میں سے کسی ایک حدیث کو اس کی سند کے ساتھ روایت کرے اور بغیر اطلاع دوسری حدیث کو بھی اس میں شامل کر دے اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے سعید بن ابی مریم نے مالک عن زُہری عن انس مرفوعاً ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَنَافَسُوا (ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور نہ حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اور نہ رشک کرو)

---

[1] التدریب ص ۹۸

الباعث الحثیث ص ۸۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سعید بن ابی مریم نے اس حدیث میں اپنے الفاظ شامل کر دیئے ہیں جو اصل میں نہ تھے، بلکہ وہ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں جن کی الگ سند ہے اور وہ امام مالکؒ سے عن ابوالزناد عن اعرج عن ابی ہریرہؓ مرفوعاً روایت ہوئی ہے، اس میں مدرج الفاظ "لا تنافسوا" کے ہیں، جو دوسری سند میں صراحت کے ساتھ آئے ہیں، جیسا کہ صحیحین اور مؤطا میں یہ الفاظ روایت کیے گئے ہیں[1]

ادراج کے کئی اسباب اور محرکات ہیں، مثال کے طور پر:

(۱) حدیث میں مذکورہ بعض مشکل الفاظ کی تشریح و توضیح۔

(۲) کبھی متن حدیث کے شروع میں راوی اپنی طرف سے کچھ تمہیدی الفاظ بڑھا دیتا ہے۔

(۳) کسی حدیث سے کوئی شرعی حکم مستنبط کر کے راوی اس حدیث کے وسط یا آخر میں بعض الفاظ کا اضافہ کر دیتا ہے[2]

یہ محرکات اگر راوی سے عمداً صادر ہوں تو ہم بھی ان کو جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ امام زہری اور دوسرے ائمہ حدیث نے نادر اور مشکل الفاظ کی تشریح و توضیح کے لیے ادراج کو جائز قرار دیا ہے، اور ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے[3]

اس کے علاوہ بعض دوسرے اسباب کے تحت تمام محدثین اور فقہا کے نزدیک حدیث نبوی کے الفاظ میں دانستہ طور پر کوئی اضافہ کرنا حرام ہے یہ بات ظاہر ہے کہ مدرج حدیث کی جس قسم کو ہم نے صحیح حسن اور ضعیف کی مشترک قسم میں شمار کیا ہے وہ ایسی مدرج حدیث ہے کہ جس میں کوئی تدلیس نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف اسی مدرج حدیث کو صحیح یا حسن کہا جا سکتا ہے جس میں مدرج عبارت معلوم ہو اور یہ بھی ہمیں معلوم ہو کہ یہ ادراج توضیح

---

[1] التوضیح جلد ۲ ص ۶۵، حاشیہ لقط الدرر ص ۸۹۔

[2] التوضیح جلد ۲۔ حاشیہ ص ۵۲

[3] التدریب ص ۹۸

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

وتفسیر کے لیے کیا گیا ہے ورنہ اصل حدیثِ نبوی اس ادراج سے خالی ہے اور اصل حدیث صرف وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے مرفوعاً نقل ہوئی ہے یا پھر صحابہ وتابعین کے آثار وغیرہ ہیں جو موقوف و مقطوع کہلاتے ہیں۔

مدرج حدیث کو پہچاننے کے کئی طریقے ہیں [1]

(۱) مدرج حدیث کی پہچان کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اس کا منسوب کیا جانا محال ہو۔ جیسے ایک حدیث ہے کہ اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ وَمَا مِنَّا اِلَّا، اس حدیث میں آخری الفاظ عبداللہ بن مسعودؓ کے درج کردہ ہیں کیونکہ شرکیہ کلمات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ہم نے قبل ازیں حضرت ابوہریرہؓ کی طرف سے غلامی کی آرزو کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

(۲) مدرج حدیث کی پہچان کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صحابی خود یہ صراحت کر دے کہ اس نے اندراج کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنے۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ الفاظ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ:

مَنْ جَعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ	جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

اور دوسرا جملہ میں خود کہتا ہوں کہ:

مَنْ مَّاتَ لَا یَجْعَلُ لِلّٰہِ نِدًّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ	جو مرجائے اور اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یہ حدیث مسلم میں اس طرح مروی ہے کہ:

"ایک جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دوسرا جملہ میں خود کہتا ہوں" لیکن روایت کے اختلاف کی وجہ سے ہم قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ان دونوں میں سے

---

[1]:۔ لقط الدرر ص ۹۱۔ التوضیح جلد ۲ ص ۶۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مدرج جملہ کون سا ہے۔

(۳) مدرج حدیث کی تیسری پہچان اس طرح ہو سکتی ہے کہ راوی صراحت کے ساتھ... مرفوع حدیث سے مدرج الفاظ کو الگ کر دے اور وضاحت کرے کہ یہ فلاں آدمی نے درج کی ہے۔ مثلاً:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تشہد کے بارے میں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"جب تم یہ سب کچھ کر لو، تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی، پھر اگر تم چاہو تو اٹھ جاؤ ورنہ بیٹھے رہو۔" (ابوداؤد)

یہ عبارت مدرج ہے، شبابہ بن سوار نے عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے، چنانچہ شبابہ کہتے ہیں:

"عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ جب تم نے ایسا کر لیا تو تمہاری نماز پوری ہو جائے گی۔"

اسی حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کر کے کہا ہے کہ شبابہ ثقہ راوی ہے۔

۱۷۔ مُسَلسَل حدیث وہ ہے جس کی سند متصل ہوتی ہے جو تدلیس سے پاک ہوتی ہے اور جس کی روایت میں کسی خاص عبارت یا فعل کی تکرار ہوتی ہے اور پھر ہر راوی پہلے راوی سے اس عبارت یا فعل کو نقل کرتا ہو یہاں تک کہ وہ سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہو۔[1]

جو شخص فن حدیث کا ماہر نہ ہو وہ مسلسل حدیث کے تدلیس و انقطاع سے پاک ہونے کی بنا پر اسے فوراً صحیح قرار دے دیتا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس روایت میں عبارت یا فعل کی جو تکرار پائی جاتی ہے وہ شک و شبہ سے پاک نہیں ہے۔

---

[1] نقط الدرر ص ۱۳۶ پر مسلسل حدیث کی یہ تعریف درج ہے کہ "جس کے راوی کسی صفت، حالت یا کیفیت بیان کرنے میں یک زباں ہوں۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ :

"مسلسل حدیث میں یہ فائدہ تو ہے کہ وہ تدلیس اور انقطاع سے پاک ہوتی ہے، لیکن ایسی احادیث کم ہی ایسی ہوتی ہیں"[1]

اگرچہ مسلسل احادیث کا متن تدلیس سے پاک ہونے کی وجہ سے صحیح ہوتا ہے لیکن بعض الفاظ و افعال میں کاملن اور یکسانی تسلسل کے سبب ان میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ اخبار و احوال کی نقل و روایت میں اس قسم کا تسلسل بہت ہی کم ہوتا ہے[2] چنانچہ اکثر حدیثوں کا اگرچہ متن صحیح ہوتا ہے لیکن جب تسلسل کے طریقے پر ان کی روایت کی جاتی ہے تو ان کی صحت برقرار نہیں رہ سکتی[3]

مسلسل حدیث کے بارے میں ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ :

"یہ اسناد کی صفت ہوتی ہے اور مرفوع ہونا متن کی صفت ہے اور اس کے برعکس صحیح کی صفت اسناد اور متن دونوں کے اعتبار سے ہے"

مسلسل حدیث میں ایسی مشابہت بہت کم ہے، جو حدیث کی نقل و روایت میں بیان ہونے والے الفاظ میں یکسانی پائی جانے سے پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ ایک حدیث ہے، جیسے محمد بن داؤد بن سلیمان بن احمد سے اور وہ ابراہیم بن راشد سے اور وہ محمد بن یحییٰ واسطی سے جو کہ ابو منصور کے خادم تھے، یہ روایت کرتے ہیں کہ ابو منصور نے مجھ سے کہا کہ تم اُٹھ کر پانی انڈیلو تاکہ میں تمہیں منصور کے وضو کرنے کا طریقہ سمجھاؤں منصور نے مجھ سے کہا تھا کہ تم اُٹھ کر پانی انڈیلو تاکہ میں تمہیں ابراہیم کے وضو کا طریقہ بتاؤں، ابراہیم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم اُٹھو اور پانی ڈالو تاکہ تمہیں علقمہ کے وضو کرنے کا طریقہ سمجھاؤں، کیونکہ علقمہ نے مجھ سے کہا تھا کہ اُٹھو اور پانی ڈالو تاکہ میں تمہیں عبداللہ

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۱۸۹۔

[2] حاشیہ لقط الدرر ص ۳۶۔

[3] شرح نخبہ ص ۳۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بن مسعودؓ کے وضو کا طریقہ سمجھاؤں، ابن مسعودؓ نے کہا تھا کہ تم اٹھو اور پانی ڈالو تاکہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بتاؤں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اٹھ کر پانی ڈالو تاکہ میں تمہیں جبریل کے وضو کا طریقہ بتاؤں[1]

اور جس روایت میں ایک ہی طرح کے افعال کا مسلسل ذکر ہو اور ان افعال کی مماثلت موجب حیرت ہو جیسے پہلی حدیث میں اس کی مثال امام حاکم کی بیان کردہ یہ حدیث ہے کہ احمد بن حسین قاری نے میرے پنجے میں اپنا پنجہ ڈالا اور کہا کہ ابوعمر عبدالعزیز بن عمر بن حسن بن بکر بن شرود صفعانی نے میرے پنجے میں اپنا پنجہ ڈالا اور اس نے کہا کہ میرے باپ نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا کہ ابراہیم بن ابی یحییٰ نے میرے پنجے میں اپنا پنجہ ڈالا اور ابراہیم نے کہا کہ صفوان بن سلیم نے میرے پنجے میں اپنا پنجہ ڈالا اور صفوان نے کہا کہ ایوب بن خالد انصاری نے میرے پنجے میں اپنا پنجہ ڈالا اور ایوب نے کہا کہ عبداللہ بن رافع نے میرے پنجے میں اپنا پنجہ ڈالا اور عبداللہ نے کہا کہ ابوہریرہؓ نے میرے پنجے میں اپنا پنجہ ڈالا اور ابوہریرہؓ نے کہا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پنجے میں اپنا پنجہ ڈالا اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن زمین کو پیدا کیا اور اتوار کے دن پہاڑوں کو اور پیر کے روز درختوں کو، منگل کے روز مکروہات کو، بدھ کے روز نور کو، جمعرات کے دن مویشیوں کو اور جمعہ کے دن آدمؑ کو پیدا کیا تھا"[2]

مذکورہ افعال واقوال میں یکسانی کی وجہ سے انسانی ذہن میں جو شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا احساس محدثین کو تھا اور حاکم نیشاپوری نے اسی صورتِ حال پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ:

یہ مسلسل اور متصل اسانید کی وہ انواع واقسام جن میں تدلیس نہیں پائی جاتی راویوں میں سماع کے آثار بھی موجود ہیں۔ لیکن ان پر جرح وتعدیل کی پختہ مہر لگی ہے میں ان میں

---

[1]: معرفۃ علوم الحدیث ص۳۰

[2]: معرفۃ علوم الحدیث ص۳۲، ص۳۴

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سے اکثر اسانید کو صحیح نہیں سمجھتا ہوں۔ لیکن میں نے ان کو اس لیے بیان کر دیا ہے تاکہ ان کے شواہد سے ان پر استدلال ممکن ہو جائے۔"[1]

امام حاکم نے مذکورہ اسانید کو صحیح تسلیم نہیں کیا لیکن انہوں نے بعض مسلسل اسانید کے صحیح اور حسن ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا ہے اور ان کا یہ فیصلہ ایسی مسلسل حدیثوں کے بارے میں ہے جن کے راوی حفظ و ضبط سے متصف ہیں اور جس متماثل عبارت کے ساتھ انہوں نے کوئی حدیث اخذ کی ہو وہ انہی الفاظ کے ساتھ اسے دوسروں کو پہنچاتے ہوں۔ جیسے سَمِعْتُ، حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہوں یہاں تک کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔

مذکورہ قسم کا تسلسل جو ایسے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے جن سے روایتِ حدیث کی صورت معلوم ہوتی ہے ممکن ہوتا ہے یا کم سے کم اس گمان کا امکان روایت کے الفاظ یا راویوں کے افعال کی مشابہت سے زیادہ روشن ہے اس کی مثال میں امام حاکم کی وہ روایت ہے جو انہوں نے ابوالحسن بن علی کے طریق سے، انہوں نے علی بن سالم اصفہانی سے، انہوں نے یحییٰ بن حکیم سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے، انہوں نے سفیان ثوری سے، انہوں نے ابوعون ثقفی سے انہوں نے عبداللہ بن شداد سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے بیان کی ہے کہ:

"جس چیز کو آگ نے چھوا ہے اس سے دوبارہ وضو کرنا ضروری ہوتا ہے۔"

اس سند کے تمام راویوں نے ایک دوسرے سے سَمِعْتُ کہہ کر روایت کی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے یا کسی اور نے مروان کو یہی حدیث سنائی تو اس نے مجھے ام سلمہؓ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے آپ نے ایک بوٹی یا پائے کی ہڈی چبائی اور پھر نماز پڑھی اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔[2]

مسلسل صحیح کی ایک قسم وہ ہے جس کے تمام راوی حفظ وغیرہ کی صفات کے حامل ہوں

---

[1]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۴

[2]:۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۰

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس لیے مسلسل کی یہ قسم قطعی علم کا فائدہ دیتی ہے[1]

لیکن زیادہ صحیح مسلسل حدیث جو کائنات کے بارے میں روایت کی گئی ہے وہ ہے جس میں سورۂ صف کی تلاوت کا ذکر ہے[2] اس روایت میں عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ ہم چند صحابہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے، کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ کونسا کام ہے تو ہم اس پر ضرور عمل کریں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ صف نازل کی، عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ سورت تلاوت کر کے سُنائی، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے ہم کو یہ سورت سُنائی، یحییٰ کہتے ہیں کہ ابوسلمہ نے یہی سورت ہم کو سُنائی اوزاعی کہتے ہیں کہ یحییٰ نے یہ سورت ہمیں پڑھ کر سنائی، اور محمد بن کثیر کا بیان ہے کہ اوزاعی نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سُنائی، ..... امام دارمی کہتے ہیں کہ محمد بن کثیر نے سورہ صف کی تلاوت کی[3]

مسلسل حدیثوں میں سے ایک وہ ہے جس کے تسلسل اور متن دونوں ہی کو محققین محدثین نے باطل ٹھہرایا ہے، مثال کے طور پر یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ:

"اللہ کی قسم جبریلؑ امین نے مجھے بتایا اور کہا کہ اللہ کی قسم مجھے میکائیل نے بتایا، یہاں تک کہ اسی طرح یہ روایت اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہے، امام سخاویؒ کہتے ہیں کہ "یہ حدیث متن اور تسلسل، دونوں لحاظ سے باطل ہے"[4]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی حدیث کو بغیر دلیل کے صحیح یا ضعیف نہیں کہا جا سکتا، کسی حدیث کی صحت کا انحصار اس کی سند اور متن کی تحقیق پر ہے، اور اس سلسلے میں کوئی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے بڑے صبر و تحمل اور گہرے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

---

[1] التدریب ص ۱۹۵۔ [2] التدریب ص ۱۹۴۔ [3] حاشیہ لقط الدرر ص ۱۳۵۔
[4] حاشیہ لقط الدرر ص ۱۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۱۸- المُصَحَّف

محدثین نے مصحّف حدیث کی پہچان کے لیے بڑی کاوش کی ہے اور یہ تصحیف کبھی متن میں ہوتی ہے کبھی سند میں، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس کی پہچان بڑا مشکل کام ہے[1] اس فن کے ماہرین کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ علمِ حدیث کی اس قسمِ خاص میں علماء کی علمی غلطی کو واضح کرنا پڑتا ہے۔

متقدمین محدثین نے مُصحّف اور محرّف حدیث میں کوئی فرق نہیں کیا کیونکہ غلطی دونوں میں واقع ہو سکتی ہے۔ پھر مُصحّف اور محرّف دونوں طرح کی حدیثیں صحف (حدیث کی کتابوں) سے ماخذ ہوتی ہے اور ان کا بالمشافہ سماع نہیں کیا جاتا۔ مُصحّف کے اسی ترادف کی وجہ سے امام عسکری[2] نے اسی موضوع پر اپنی کتاب کا نام "التصحیف والتحریف وشرح مایقع فیہ"[3] رکھا تھا۔

قرآن وسُنت کی تصحیف پر جن علماء نے کتابیں لکھی ہیں مذکورہ بالا کتاب ان میں سے بہترین کتاب ہے امام عسکری نے اپنے قاری کو یہ تاثر دیا ہے کہ تصحیف اور تحریف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں نے اپنی کتاب میں ایسے مشکل الفاظ اور اسماء کی وضاحت کر دی ہے جن کی ظاہری صورت ملتی جلتی ہے اور ان میں تصحیف وتحریف پیدا ہو سکتی ہے۔"[4]

---

[1]: شرح نخبہ ص۲۲۔ [2]: امام، ماہرِ لغت ابو احمد عسکری حسن بن عبداللہ بن سعید حدیث اور لغت کے بڑے امام تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں "صناعۃ الشعر"۔ "الحکم والامثال"۔ "المختلف والمؤتلف"۔ اور تصحیف شامل ہیں۔ ابو ہلال عسکری صاحبِ "الصناعتین" آپ کے شاگرد ہیں ابو ہلال کا نام حسن بن عبداللہ بن سہل ہے۔ استاد اور شاگرد دونوں کے نام اور ان کے والدین کے نام ایک جیسے تھے۔ بروکلمان نے تاریخ آداب العرب جلد ۱ ص۱۳۱ میں دونوں کو گڈمڈ کر دیا۔ پھر جب کتاب کا ضمیمہ لکھا تو تصحیح کر دی۔ ابو احمد عسکری کی وفات ۳۸۲ھ میں ہوئی۔ (بغیۃ الوعاۃ ص۲۲۱)

[3]: اس کتاب کا ایک حصہ مصر میں ۱۳۸۶ھ میں چھپ چکا ہے۔ لیکن اس کی طباعت اچھی نہیں ہے اس کا مخطوطہ دارالکتب قاہرہ میں ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ [4]: التصحیف ص۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

دراصل بعض لوگ علماء کی بجائے صرف کتابوں سے علم حاصل کرتے تھے اور اس وجہ سے ان کی نقل کردہ روایات میں بعض اوقات الفاظ ... بدل جاتے تھے[1]

متاخرین محدثین کے نزدیک محرّف اور مصحّف میں فرق ہے۔ اگرچہ یہ فرق بہت معمولی قسم کا ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

"جس میں نقطوں کو تبدیل کرکے ایک حرف یا چند حروف کو بگاڑ دیا گیا ہو لیکن اس کی ظاہری صورت میں کوئی فرق نہ آئے وہ "مصحّف" ہے اور اس کے برعکس اگر حرف کی شکل تبدیل ہو چکی ہو تو اسے محرّف کہا جائے گا۔"

اسی اصطلاح کی وجہ سے مُصحّف کی مثال میں یہ حدیث ہے کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَأَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ — جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر شوال کے مزید چھ روزے رکھے۔

ابوبکر الصولی نے تصحیف کرکے اس حدیث میں سِتًّا کو شَیْئًا بنا دیا۔

محرّف حدیث کی مثال حضرت جابرؓ کی یہ حدیث ہے کہ:

رُمِيَ أُبَيٌّ يَوْمَ الْأَحْزَابِ عَلَى أَكْحَلِهِ فَكَوَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ — غزوہ خندق کے روز حضرت اُبیؓ کی رگِ اکحل پر تیر لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے داغ دیا۔

غندر نامی راوی نے اُبیؓ کے لفظ میں تصحیف کرکے اسے اَبِیْ (میرا باپ) پڑھا ہے۔ جب کہ جابر کے والد اس سے پہلے غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کر چکے تھے[2]

اس سلسلے میں کئی واقعات ہیں کہ حدیث کی طرح قرآن مجید میں بھی تصحیف واقع ہوئی ہے۔ زیادہ تر لوگ جو تصحیف کے مرتکب ہوتے تھے وہ عالم ہونے کے باوجود معلم بنے بیٹھے

---

[1]: التصحیف ص۹

[2]: شرح نخبہ ص۲۲

[3]: حاشیہ لقط الدرر ص۹۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

تھے۔ وہ قرار اور حفاظ سے مستفید نہیں ہوئے تھے جو ان کی غلطیوں کی نشاندہی کر دیتے [1]

ابوبکر المعیطی کہتے ہیں کہ میں نے ایک استاد کو دیکھا وہ ایک لڑکے کو قرآن مجید پڑھا رہا تھا۔ "قُرَيْشٌ فِي الْحَبَّةِ وَ قُرَيْشٌ فِي الشَّعِيرِ" میں نے کہا کہ "جناب معلم! اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا۔ آیت تو اس طرح ہے کہ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ..... اس نے جواب دیا "تم ابوعاصم بن العلاء کسائی کی قرارت کے مطابق پڑھ رہے ہو اور میں ابوحمزہ بن عاصم مدنی کی قرارت کے مطابق پڑھ رہا ہوں"۔ میں نے کہا "آپ بھی قاریوں کی قرارت سے خوب واقف ہیں" یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا گیا [2]

محدثین میں سے قرآن کے بارے میں سب سے زیادہ تصحیف عثمان بن ابی شیبہ [3] سے منقول ہوئی ہے۔ امام دارقطنی نے کتاب التصحیف میں ان کی بہت سی اغلاط اور تحریفات [4] کا ذکر کر دیا ہے ایک بار قرآن کی تفسیر کرتے وقت انہوں نے ایک قرآنی آیت کی تلاوت یوں کر دی کہ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ جب ان سے کہا گیا کہ قرآن میں السِّقَايَةَ کے بجائے السِّقَايَةَ کے الفاظ آئے ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اور میرا بھائی ابوبکر دونوں ہی عاصم [5] کی قرارت کی پیروی نہیں کرتے۔

ایک دفعہ سورۃ فیل کی اس طرح تلاوت کر دی: "الٓمٓ"

الٓمٓ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ "یعنی الٓمٓ کو الٓمٓ جو سورۃ بقرہ کے شروع میں آئی ہے اس طرح تلاوت کر دیا [6]

---

[1]:۔ اختصار علوم الحدیث ص۱۹۲

[2]:۔ الجامع جلد ۲ ص۶۴

[3]:۔ الجامع جلد ۲ ص۶۳ عثمان بن ابی شیبہ کا پورا نام حافظ ابوالحسن عثمان بن محمد ہے۔ دادا کا نام ابوشیبہ ہے ابوشیبہ اور ان کے بھائی ابوبکر دونوں ہی صاحب المسانید تھے۔ ۲۳۹ھ میں عثمان کی وفات ہوئی (الرسالۃ المستطرفہ ص۵۰) [4] التدریب ص۱۹۷۔ حافظ ابن حجر شرح نخبہ ص۱۳۲ پر دارقطنی کی کتاب التصحیف اور عسکری کی کتاب کا ذکر کرتے ہیں [5]:۔ التدریب ص۱۹۷، الجامع جلد ۲ ص۶۴۔

[6]:۔ التدریب ص۱۹۷

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ایک بار اس نے یوں پڑھ دیا " فَضَرَبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرِ لَّهٗ نَابٌ ، ایک شاگرد نے کہا کہ آیت تو اس طرح ہے بِسُوْرِ لَّهٗ بَابٌ اس پر عثمان نے کہا کہ "میں حمزہ کی قرأت نہیں کرتا، ہمارے ہاں اس کی قرأت ایک بدعت ہے"[1]

لیکن حافظ ابن کثیر نے عثمان بن ابی شیبہ کی طرف منسوب ان واقعات کو تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ انہوں نے ان کی مدافعت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں یہ بات کہنا کہ وہ قرآن مجید کی تصحیف کرتے تھے، بڑی عجیب بات ہے، انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے اور ان کی جانب منسوب باتیں ایسی ہیں جو بچوں سے بھی صادر نہیں ہوتیں"[2]

اگرچہ قرآن مجید میں ایسی تصحیفات کو کسی ممتاز مفسر قرآن اور محدث کی طرف منسوب کرنا بڑا عجیب و غریب ہے، تاہم اس سے انکار ممکن نہیں کہ احادیث کے متون اور اسانید دونوں میں تصحیف واقع ہوئی ہے، اصول حدیث کی ہر کتاب میں اس کا ذکر آیا ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں :

"اور خطا و تصحیف سے کون بچ سکا ہے"[3]

تصحیف کا اصل میدان متون ہے لیکن بعض دفعہ اسناد کے ناموں میں بھی تصحیف ہوتی ہے[4] ــــ حدیث کے متن میں تصحیف کی مثال یہ ہے کہ جب محمد بن یحییٰ ذہلی فوت ہوئے تو مجمش نامی ایک استاد حدیث پڑھانے لگے اور انہوں نے يَا اَبَا عُمَيْرَ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ[5] کی بجائے مَا فَعَلَ الْبَعِيْرُ پڑھ دیا۔ اسی طرح زکریا بن مہران نے کہا کہ بعض راویوں نے تصحیف کرکے لا یورث حَمِيْلٌ الا بِبَيِّنَةٍ کی عبارت کو لَا يَرِثُ

---

[1] الجامع جلد ۲ ص ۶۴ [2] اختصار علوم الحدیث ص ۱۹۲۔
[3] التدریب ص ۱۹۶ [4] شرح نخبہ ص ۲۲۔
[5] نُغیر تصغیر ہے نُغر کی جو ایک چڑیا نما پرندہ ہے جس کی چونچ سُرخ ہوتی ہے۔
(معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۴۶۔ اختصار علوم الحدیث ص ۱۹۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جَمِیْلٌ اَلْاُبَیْنَۃَ[1] پڑھ دیا اور بعض نے حدیث " زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا کو یوں پڑھا کہ زُرْ عُنَّا تَزْدَدْ جُنًّا (ہماری کھیتی میں مہندی زیادہ اُگے گی) اور پھر ایک طویل داستان گھڑلی، کہ کوئی قوم اناج کا عُشر ادا نہیں کرتی تھی اور نہ صدقہ وخیرات کرتی تھی جس کے نتیجے میں ان کی کھیتی مہندی کی صورت میں بدل دی گئی[2]

متن کی تصحیف کے سلسلے میں منقول واقعات میں سب سے عجیب واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص لیث بن سعد کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ نافع نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر اس آدمی کے بارے میں کیا فرمایا تھا جس کے باپ کا مشہور واقعہ نُشِرَتْ فِیْ اَبِیْہِ اَلْقِصَّۃُ ہے، اس پر لیث نے کہا " وہ تو اس آدمی کے متعلق تھا، جو چاندی کے برتنوں میں پیتا ہو، اَلَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَۃِ اَلْفِضَّۃِ۔ کہ ایسا شخص اپنے پیٹ کو دوزخ کی آگ سے بھرتا ہے[3]

اسناد میں تصحیف کی مثال وہ روایت ہے، جسے محمد بن عبدالقدوس قاری نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بغداد کے ایک شیخ نے ہمیں سفیان ثوری اور انہوں نے جلد الجدا اور انہوں نے جسر سے سن کر بیان کیا[4] حالانکہ اصل سند یہ تھی کہ: سفیان ثوری عن خالد الحذاء عن حسن[5]

امام شافعیؒ کے حوالے سے امام مالک کی بعض تصحیفات بھی منقول ہیں، مُزَنی نے کہا ہے کہ میں نے امام شافعی سے یہ سُنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ " امام مالک نے عمر بن عثمان میں تصحیف کر دی، اصل میں عمرو بن عثمان تھا، اس طرح انہوں نے جابہ بن غنیک کہا تھا جبکہ اصل میں جبر بن غنیک ہے، عبدالملک بن قُرَیب کو بھی انہوں

---

[1] الجامع جلد ۲ ص ۶۲ [2] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۸۴، التدریب ص ۱۹۶۔
[3] الجامع جلد ۲، ص ۶۲۔
[4] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۲۔
[5] اس کا تعارف پہلے گزر چکا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نے غلطی سے عبدالعزیز بن قریب بنا دیا تھا۔"

ان میں پہلے دو ناموں میں تصحیف واضح ہے لیکن تیسرے نام کے بارے میں امام حاکم فرماتے ہیں کہ:

"عبدالعزیز کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول وہم پر مبنی ہے، وہ عبدالعزیز بن قریب ہی صحیح ہے اور عبدالملک[1] بن قریب صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام مالک نے اصمعی[2] سے روایت نہیں کی ہے عبدالعزیز بن قریب سے امام مالکؒ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی روایت کرتے ہیں۔[3] سماع کی تصحیف کے بارے میں کتب حدیث کے مؤلفین نے جو روایات بیان کی ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہیں، جیسے یہ روایت کہ شعبہ بن حجاج نے خالد بن علقمہ کے نام میں تصحیف کر دی اور اسے مالک بن عرفطہ[4] بنا دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالد دو آدمیوں کا نام ہے ایک سے شعبہ نے روایت کی ہے اور باقی راویانِ حدیث نے دوسرے خالد سے روایت اخذ کی ہے، مالک بن عرفطہ بن شعبہ کے قائل ہیں، اس لیے یہ ناممکن ہے کہ شعبہ نے اس میں تصحیف کی ہو، لیکن شعبہ کو کبھی کبھی سند میں وہم ہو جاتا ہے اور وہ آپ کی جگہ دوسرا نام رکھ دیتا ہے، جسے محدثین تصحیف خیال کرتے ہیں۔[5]

در اصل تصحیف وہ ہے جو صحف (کتب حدیث) کے غلط مطالعہ اور تدریس کے نتیجے میں پیدا ہو، تصحیف کا نام بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے لیکن تصحیف کی ایک

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۰ [2] مقصد یہ ہے کہ عبدالملک بن قُریب اصمعی کا نام ہے اور امام مالکؒ نے ان سے روایت نہیں لی ہے۔ [3] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۰

[4] التدریب ص ۱۹۷۔

[5] اس تصحیف کی عمدہ تحقیق علامہ احمد محمد شاکر نے شرح ترمذی ج ۱ ص ۶۷، ۷۰ پر کی ہے۔ اس کے علاوہ مسند احمد بحاشیہ احمد شاکر حدیث نمبر ۹۲۸ - ۹۸۹ میں جہاں ایک سند میں خالد بن علقمہ کا نام آتا ہے اور دوسری میں مالک بن عرفطہ کا نام ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

قسم کی تصحیف سماع ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی راوی کا نام اور لقب یا اس کا اور اس کے والد کا نام دوسرے نام اور لقب یا دوسرے نام اور اس کے باپ کے نام کے وزن پر ہوں اور یہ حروف اپنی شکل وصورت اور نقطوں کے اعتبار سے مختلف ہوں، لیکن سنتے وقت وہم ہو جائے، جیسے "عاصم احوال" کو "واصل احدب"[1] کہہ دیا جائے اور ایسا بھی ہوتا رہا ہے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ دار قطنی نے بیان کیا ہے کہ اس کا تعلق تصحیفِ سماع سے ہے، تصحیفِ بصر کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، دار قطنی کا غالباً یہ مطلب ہے کہ یہ حروف لکھتے وقت باہم مشتبہ نہیں ہوتے، لیکن سننے میں غلطی کا امکان ہو جاتا ہے"[2]

سماع میں تصحیف کی ایک مثال یہ ہے کہ اہواز کے رہنے والے بُکیر نامی ایک راوی کو اُکیل سمجھ لیا۔

امام حاکم کہتے ہیں کہ "راوی نے جب اسناد سے یہ لفظ سُنا تھا تو بُکیر کی بجائے اسے اُکیل سمجھا تھا"[3]

عام طور پر راویوں کے ناموں میں تصحیفِ سماع واقع ہوتی تھی، اس لیے محققین نے ملتے جلتے ناموں پر خاص توجہ دی اور پھر مزید یہ کہ راویوں کے قبیلوں، ان کے شہروں، ان کی کنیتوں اور پیشوں کے متشابہ الفاظ پر بہت زیادہ غور و تفحص کیا[4]

اسی طرح ایسے راویوں کے بارے میں خوب تحقیق کی جن کے کئی نام تھے[5] یا جو کنیت کی بجائے اپنے نام سے زیادہ مشہور تھے[6] یا ایسے اسماء والقاب اور

---

[1] التدریب ص ۱۹۶، ۱۹۷۔ [2] علوم الحدیث از ابن الصلاح ص ۲۳۳

[3] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۱۔ [4] معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۲۱۔

[5] اختصار علوم الحدیث ص ۲۳۵۔

[6] اختصار علوم الحدیث ص ۲۴۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

انساب[1] جو باہم مشابہ تھے، مگر حقیقت میں الگ الگ تھے، چنانچہ محدثین نے اس موضوع پر بہت سی تصانیف لکھی ہیں، جن میں کئی طبع ہو چکی ہیں اور بعض اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔

حدیث کے متن میں جو تصحیف ہوگی اس سے لازمی طور پر حدیث کے معنی و مفہوم میں تبدیلی پیدا ہوگی، اور حقیقت علیٰ حالہٖ نہیں رہے گی[2] بالخصوص جب تصحیف کا مرتکب کم علم اور کم ضابط شخص ہو۔ خطیب بغدادی اس سلسلے میں بعض عجیب واقعات بیان کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ ابو موسیٰ محمد بن مثنیٰ عنزی نے اپنے قبیلے عنزہ پر فخر کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنے قبیلے پر ناز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری جانب منہ کر کے نماز ادا کی ہے، حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے عنزہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی، اور ابو موسیٰ نے یہ سمجھا کہ عنزہ سے مراد ان کا قبیلہ ہے، جبکہ عنزہ اس برچھی کو کہا جاتا ہے جو آپ کے پاس رہتی تھی اور آپ اسے آگے کھڑا کر کے اس کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کیا کرتے تھے[3] (گویا یہ آپ کے لیے سترہ کا کام دیتی تھی)

اکثر لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ مصحف حدیث کا شمار مشترک حدیث میں کیسے کیا جا سکتا ہے جس میں صحیح، حسن اور ضعیف سب طرح کی حدیث ہوتی ہے، جبکہ اس کی تمام اقسام میں ضعف پایا جاتا ہے، گویا ایسی حدیث کے متعلق گفتگو کرنے والا اس غلط فہمی میں ہوتا ہے کہ یہ حدیث اگر موضوع نہیں تو کم سے کم ضعیف تو ضرور ہے، لیکن ابتدا ہی سے اس اعتراض کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ اعتراض اس غلط مفروضے پر مبنی ہے کہ تصحیف کا ارتکاب کرنے والوں کو صحیح اور حسن حدیثوں کی تصحیف سے روکا گیا تھا۔ لیکن ضعیف حدیثوں کے بارے میں کھلی چھٹی تھی، لیکن یہ خلافِ واقعہ ہے، تصحیف کرنے

---

[1] التدریب ص ۲۳۵ [2] اسی لیے مصحف کی دو قسمیں کی جاتی ہیں ایک مصحف فی اللفظ، دوسرے مصحف فی المعنیٰ (التدریب ص ۱۹۶، ۱۹۷۔

[3] الجامع جلد ۲ ص ۶۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

والوں کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو احادیث کی تحریف کے دائرے تک محدود نہیں رکھتے تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ قرآن مجید کی تصحیف بھی کر ڈالتے تھے،

پھر جس طرح قرآنِ مجید پر تصحیف کا کوئی اثر نہیں ہوا اور کتاب اللہ تصحیفات سے پاک ومحفوظ ہے، اسی طرح صحیح احادیث اور حسن وضعیف حدیثیں بھی تصحیف سے پاک ومحفوظ رہی ہیں۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں حدیث صحیح ہے مگر اس میں تصحیف پائی جاتی ہے، فلاں حدیث حسن ہے اور فلاں ضعیف ہے مگر فلاں راوی نے اس کے اندر تصحیف پیدا کر دی ہے۔

مصطلح حدیث کے درس اور مطالعے کے ساتھ وہ بیس اصطلاحیں پوری ہوگئیں جو صحیح، حسن، اور ضعیف حدیث میں مشترک ہیں، ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ ان اقسام میں ہم نے اقوالِ صحابہ و تابعین کو بھی شامل کیا ہے۔

پھر جس طرح ہم نے ان اصطلاحات کا مطالعہ ان کے باہمی قرب وبعد کے لحاظ سے دو دو یا تین تین گروپوں میں کیا ہے اس سے ان کی تعریف، صورت اور مثال کو سمجھنا آسان ہے، اس سے نقدِ حدیث کا وہ معیار معلوم ہوگیا ہے جس پر محدثین کی آراء کی بنیاد تھی، ہمارے بیان میں ایک مؤرخ کی باریک بینی اور منطقی استدلال کے ساتھ ساتھ خطیبانہ فصاحت و بلاغت اور علمی امانت و دیانت بھی پائی جاتی ہے۔ جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہم نے یہ سب کچھ دین سمجھ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

موضوع حدیث اور وضع حدیث کے اسباب

موضوع حدیث

موضوع حدیث وہ ہے جیسے کوئی جھوٹا آدمی گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دے[1]۔ یہ گھڑنت عام طور پر واضع کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کے الفاظ اور سند بھی من گھڑت ہوتی ہے، کبھی ایسے واضعین اگر وضع حدیث کے لیے کوئی دوسرا سبب نہیں پاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لیے ایک جھوٹی سند گھڑ لیتے ہیں اور پھر آپؐ کی جانب کوئی ضرب المثل، حکیمانہ قول یا کوئی اور جامع کلمہ منسوب کر دیا کرتے ہیں[2]۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا گیا کہ ان موضوع حدیثوں کا کیا کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ علمائے دین موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں[3]، علمائے دین نے صحیح احادیث کو موضوعات سے الگ کرنے کے لیے اصول وضوابط اور صحیح معیارات قائم کیے ہیں اور درج ذیل پانچ اصول کسی بھی حدیث کے موضوع ثابت کرنے کے لیے کفایت کرتے ہیں۔

پہلا اصول حدیث وضع کرنے والا خود اس بات کا اعتراف کرے ہو کہ اس نے احادیث وضع کی ہیں[4]۔ ابوعصمہ نوح بن ابی مریم نے جو نوح الجامع،

---

[1] التدریب ص ۹۸ [2] شرح نخبہ ص ۲۰ [3] التدریب ص ۱۰۲، یہ قول التوضیح جلد ۲ ص ۸۹ میں عبدالرحمٰن بن مہدی کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔

[4] شرح نخبہ ص ۲۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کے لقب سے مشہور تھا، خود اعتراف کیا ہے کہ اس نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کے فضائل کے لیے الگ احادیث وضع کی تھیں اور پھر ان کو ابن عباسؓ کی جانب منسوب کر دیا تھا۔[1]

دوسرا اصول حدیث کے معنیٰ میں کوئی نقص وعیب ہو یا اس کے اعراب میں نحوی غلطی ہو[2] ایسی حدیث اس لیے موضوع ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصیح ترین شخص تھے، اور آپ سے اس طرح کی کسی غلطی کا صدور ممکن نہیں، محدثین کے لیے یہ اصول بہت آسان ہے۔

چنانچہ ربیع بن خثیم کہتے ہیں کہ:

حدیثِ نبوی میں روزِ روشن کی تابانی ہوتی ہے اور آدمی فوراً اسے پہچان لیتا ہے، اس کے برعکس موضوع حدیث میں وہ تاریکی ہے جو کسی سے چھپی نہیں رہتی"۔[3]

پھر محققین کے ہاں معنوی عیب لغوی غلطی سے بڑھ کر مذموم ہے کیونکہ معنیٰ کا عیب حدیث کے موضوع ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ:

---

[1]: التدریب ص۱۰۲۔ جیسے عمر بن صبح تمیمی نے یہ اعتراف کیا تھا۔ اس نے ایک خطبہ گھڑ کر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دیا۔ اسی طرح میسرہ بن عبد ربہ نے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ اس نے فضیلتِ علیؓ میں ۷۰ حدیثیں گھڑی ہیں۔ ابو عصمہ کو جامع اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس نے امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ سے علم فقہ حاصل کیا تھا۔ علم حدیث اس نے حجاج بن ارطاۃ سے، کلبی اور مقاتل سے فنِ تفسیر اور ابو اسحاق سے فنِ مغازی۔ اس طرح اس نے تمام کمالات اپنے اندر جمع کر لیے تھے ابو حاتم نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ "ابو عصمہ میں ہر خوبی تھی مگر سچائی نہ تھی"۔ ابو عصمہ کو ابو منصور نے اپنے زمانۂ حکومت میں مرو کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ (التوضیح جلد ۲ ص۸۱)

[2]: التدریب ص۲۰۵

[3]: التوضیح جلد ۲ ص۹۲

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"رکاکت کا دارومدار معنی پر ہے اور جہاں بھی معنوی بگاڑ ہوگا، ہم سمجھیں گے کہ وہ موضوع حدیث ہے، خواہ اس میں غیر معیاری الفاظ نہ ہوں، کیونکہ دینِ اسلام تمام خوبیوں سے مالا مال ہے اور بعض اوقات غیر معیاری الفاظ سے کسی حدیث کا موضوع ہونا ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ راوی نے روایت بالمعنیٰ کی ہو، اور حدیث کے اصل الفاظ کی بجائے غیر فصیح الفاظ رکھ دیئے ہوں، لیکن اگر راوی صراحت سے کہے کہ یہ حضورؐ کے الفاظ ہیں تو وہ جھوٹا قرار پائے گا۔"[1]

تیسرا اصول تیسرا اصول جس سے کسی حدیث کے موضوع ہونے کا پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ عام عقلِ انسانی اور مشاہدے کے خلاف ہو اور اس میں کسی طرح تاویل کی گنجائش نہ ہو۔[2] عبدالرحمٰن بن زید سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے والد نے تمہارے دادا سے سُن کر تمہیں یہ حدیث سُنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کی؟ عبدالرحمٰن نے کہا "جی ہاں"![3] اس حدیث کو وضع کرنے والا مشہور جھوٹا راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے، امام شافعیؒ کا قول ہے، جسے التہذیب میں نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے امام مالک کے سامنے ایک منقطع حدیث بیان کی، انہوں نے فرمایا "عبدالرحمٰن بن زید کے پاس جاؤ وہ تمہیں اپنے والد سے بروایت نوح احادیث سُنا دے گا۔"[4]

---

[1]:۔ التدریب ص۹۹۔ [2]:۔ الکفایہ ص۱۷۔ شرح نخبہ ص۲۰۔ [3]:۔ التہذیب جلد ۶ ص۱۶۹۔ التدریب ص۱۰۱

ابن الجوزی نے اپنی تالیف "الموضوعات" میں بروایت محمد بن شجاع عن حبان بن علال عن حماد بن سلمہ عن ابی المہزم عن ابی ہریرہ یہ موضوع حدیث مرفوعاً بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے گھوڑے کو پیدا کیا اور اسے دوڑایا تو وہ پسینے سے شرابور ہوا، پھر اپنی ذات سے اس کو پیدا کیا۔ التدریب ص۱۰۱ پر امام سیوطی نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کوئی مسلمان ایسی حدیث نہیں گھڑ سکتا۔" اسے وضع کرنے والے محمد بن شجاع ہیں جو بے دین آدمی تھا۔ ابو المہزم بھی ایک جھوٹا راوی تھا جو اس کی سند میں ہے جس کے بارے میں شعبہ کا یہ مشہور قول ہے کہ "اگر اسے ایک درہم دیا جائے تو وہ ۵۰ حدیثیں گھڑ دے"۔

[4]:۔ الباعث الحثیث ص۹۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

چوتھا اصول موضوع حدیث کو جانچنے کا چوتھا اصول یہ ہے کہ حدیث میں کسی معمولی سے کام پر بے شمار اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو یا کسی معمولی سی بات پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہو[1] جیسے کسی مستحب فعل کے کرنے، یا مکروہ کو چھوڑ دینے پر[2] جنت اور حوروں کی بشارت دی جائے، یا کسی مستحب کام کو چھوڑنے یا کسی مکروہ عمل کو کرنے پر ہمیشہ کے لیے دوزخ اور غضب الٰہی کی وعید آئی ہو، داستان گو قسم کے لوگ عوام کو متاثر کرنے اور ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسی احادیث کے بہت شائق ہوتے تھے[3]

پانچواں اصول پانچواں اصول یہ ہے کہ حدیث وضع کرنے والا جھوٹا اور بے دین شخص ہو اور اپنے نظریات کی حمایت میں احادیث گھڑنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتا ہو[4]

کسی نے مامون بن احمد ہروی سے کہا تم دیکھتے نہیں ہو کہ امام شافعیؒ کے پیروکار خراسان میں بہت پھیل رہے ہیں، اس نے جلد کہا: میں نے احمد بن عبداللہ سے سنا ہے اس نے عبداللہ بن معدان آزادی سے اس نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میری امت میں ایک محمد بن ادریس نامی شخص ہوگا جو ابلیس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوگا اور میری امت میں ایک اور آدمی ہوگا، جسے ابو حنیفہؒ کہیں گے اور وہ میری امت کا چراغ ہے[5]

پھر اس سے بھی عجیب تر روایت وہ ہے جسے حاکم نے سیف بن عمر سے نقل کیا ہے کہ میں سعد بن طریف کے پاس بیٹھا تھا، اس کا بیٹا مدرسے سے رونا ہوا آیا

---

[1] التدریب ص ۹۹۔

[2] نقط الدرر ص ۸۳۔

[3] التدریب ص ۹۹۔

[4] شرح نخبہ ص ۷۰۔

[5] لسان المیزان جلد ۵ ص ۷، ۸، التدریب ص ۱۰۰ نقط الدرر ص ۸۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس نے پوچھا کیا ہوا ہے؟ بیٹے نے کہا مجھے استاد نے مارا پیٹا ہے" اس نے کہا: میں آج ان کو ذلیل کر کے رہوں گا"۔ مجھے عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے سُن کر مرفوعاً بیان کیا ہے کہ تمہارے لڑکوں کے استاد شریر ترین لوگ ہوں گے، وہ یتیم پر کم رحم کرنے والے اور مسکین کے لیے سخت ہوں گے[1]

وضع حدیث کا آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۴۱ھ میں ہو گیا تھا۔ آپ کے زمانے میں مسلمان فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، بڑے فرقے تین تھے:

(۱) جمہور (۲) خوارج (۳) شیعہ

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ فرقہ پرست اپنے افکار و نظریات کی تائید میں احادیث وضع کرتے تھے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وضع حدیث کا اوّلین محرّک اپنے نظریات اور عقاید کی حمایت و تائید تھا، بعد کے زمانوں میں اہل بدعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا پردازی کی ہے، عبداللہ بن یزید المقری لکھتے ہیں کہ:

ایک بدعتی آدمی نے جب اپنا مسلک چھوڑا تو کہا۔ "جب حدیث بیان کرنے لگو تو دیکھ لیا کرو کہ کس سے حاصل کر رہے ہو، اپنا حال تو یہ تھا کہ جب کوئی نظریہ اختیار کرتے تھے تو اس کی تائید میں کوئی نہ کوئی حدیث گھڑ لیتے تھے"[2]

حماد بن سلمہ نے کہا ہے کہ:

"مجھے ایک رافضی شیخ نے یہ بتایا کہ وہ اکٹھے ہو کر احادیث وضع کرتے تھے"[3]

وہ فقہاء بھی اہل بدعت میں سے ہیں جو جھوٹی احادیث گھڑتے اور اپنے مسلک کا دفاع کرتے ہیں ان کی کتابیں موضوعات سے بھری پڑی ہیں، یہ دوسری بات ہے

---

[1] التدریب ص ۱۰۰۔ ابن حبان نے سعد بن طریف کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا" یحییٰ بن معین نے کہا کہ "کسی کے لیے اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے"۔ امام حاکم نے سیف بن عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ "وہ زندیق اور جھوٹا راوی تھا، (الباعث الحثیث ص ۸۹)

[2] التدریب ص ۱۰۳ [3] ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

.... کہ ایسی احادیث ان کی گھڑی ہوئی ہوں یا واضعین نے ان کی تائید میں انہیں گھڑا ہو کبھی ان کی جسارت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے قیاسات اور احادیثِ نبویہ کو خلط ملط کر دیتے ہیں، بلکہ یہاں تک کہ کبھی اپنے قیاس کو حدیثِ نبوی کی طرح آپؐ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، یہ وہ فقہاء ہیں جو قیاس و رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

ابو العباس قرطبیؒ[1] کہتے ہیں کہ:

بعض اہل الرائے فقہاء کا یہ قول ہے کہ قیاس جلی سے جو حکم نکلتا ہو اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر سکتے ہیں، چنانچہ ان کی کتابوں میں ایسی احادیث بکثرت پائی جاتی ہیں جو اس پر شاہد ہیں کہ وہ احادیث کم اور اقوال فقہاء زیادہ ہیں اور حد یہ ہے کہ وہ اس کی سند بھی بیان نہیں کرتے۔"

موضوع حدیثوں کی بدترین قسم وہ ہے جن کو علماء سُوء ہر دور میں اربابِ اقتدار کی مدح و توصیف میں حصولِ جاہ و منزلت کے لیے گھڑتے تھے، غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی نے یہی حرکت کی تھی، ایک مرتبہ وہ عباسی خلیفہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا، مہدی نے ایک کبوتر پالا ہوا تھا، اور اس کے ساتھ خوش طبعی کرتا تھا، اس وقت وہ کبوتر بھی موجود تھا، غیاث بن ابراہیم سے کہا گیا کہ کوئی حدیث امیر المومنین کو سُنائیے۔ اس نے فوراً کہا کہ فلاں شخص نے مجھے حدیث سُنائی، اس نے فلاں سے سُنی اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ مقابلہ صرف تین، اونٹ گھوڑے اور پرندے میں جائز ہے، مہدی نے اسے درہموں سے بھری ہوئی تھیلی دینے کا حکم دیا۔ مگر جب وہ اُٹھا تو مہدی نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کی گدی ایک حدیث وضع کرنے والے کی گدی ہے، اور پھر یہ کہا کہ اس حدیث کو گھڑنے کا

---

[1] ابو العباس قرطبی نے المفہم شرح صحیح مسلم لکھی ہے، سخاوی نے الفیہ عراقی کی شرح میں ص ۱۱۱ پر ان کے اس حوالے کا ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سبب صرف میری ذات تھی۔" چنانچہ اس نے کبوتر کو ذبح کر کے پھینک دیا۔[1]

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم کی نمائش وضعِ حدیث کا سبب بنتی ہے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی جاہل آدمی عالمِ دین کا لبادہ اوڑھ کر اپنے علم کی نمائش کرتا ہے، اس کی جہالت کے پوشیدہ رہنے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ حدیثیں گھڑ گھڑ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ ابوجعفر بن محمد طیالسی سے روایت کی ہے کہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے رصافہ کی مسجد میں نماز ادا کی، ان کے سامنے ایک واعظ نے کھڑے ہو کر کہا مجھے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے حدیث سُنائی اور انہوں نے عبدالرزاق سے اور اس نے معمر سے، اس نے قتادہ سے، اس نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے الفاظ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر ہر لفظ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اور جن کے پر مرجان کے ہوتے ہیں، اس طرح اس شخص نے کوئی ۲۰ ورق اور سُنا دیئے، اس پر احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، امام احمد نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ کیا آپ نے یہ حدیث اسے سُنائی تھی؟ یحییٰ نے کہا خدا کی قسم! میں نے تو یہ حدیث ابھی سُنی ہے جب واعظ فارغ ہوا اور اس نے عطیات لینے شروع کر دیے تو یحییٰ بن معین نے اسے اپنے پاس بلایا، وہ سمجھا شاید یہ مجھے عطیہ دینا چاہتے ہیں، یحییٰ نے کہا، تجھے کس نے یہ حدیث سُنائی ہے؟ اس نے کہا احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے، اس پر یحییٰ نے کہا کہ میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں، ہم نے کبھی یہ حدیث نہیں سُنی۔ وہ کہنے لگا "میں نے سُنا تھا کہ یحییٰ احمق آدمی ہے، اب اس کی تصدیق ہو گئی، آپ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں آپ دونوں کے علاوہ کوئی اور یحییٰ اور احمد نہیں ہے، شتّرہ احمد

---

[1] شرح نخبہ ص ۲۰۰، التدریب ص ۱۰۳، التوضیح جلد ۲ ص ۷۶، یہ حدیث سنن اربعہ میں بھی موجود ہے مگر اس میں پرندوں کا لفظ موجود نہیں ہے، دیکھیے لقط الدرر ص ۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہیں، جن سے میں نے روایت لی ہے، امام احمد نے آستین سے اپنا منہ چھپا لیا اور کہا کہ اسے جانے دو، لیکن وہ ان دونوں کا مذاق اڑاتا ہوا چلا گیا۔[1]

جھوٹے علم کی نمائش کرنے والے واعظین اس سلسلے میں سب سے زیادہ ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں، وہ اپنی من گھڑت احادیث کو رواج دینے کے لیے چند مشہور اسناد رٹ لیتے ہیں اور حدیث گھڑتے وقت وہ سند اس کے ساتھ لگا دیتے ہیں، جیسا کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین کے ساتھ ایک واعظ کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

اس قسم کے ایک واعظ کا واقعہ ابو حاتم نے بیان کیا ہے کہ جس نے خود اپنی جہالت کا اور وضع حدیث کے گناہ کا اعتراف کیا تھا، ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں گیا نماز کے بعد ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہنے لگا، "مجھے ابو حنیفہ نے حدیث سنائی ہے، اس نے ولید سے، اس نے شعبہ سے، اس نے قتادہ سے اور اس نے انس سے سنا ہے"۔ اس کے بعد اس نے ایک حدیث بیان کی، جب وہ فارغ ہو چکا تو میں نے اس کو بلا کر پوچھا "کیا تم نے کبھی ابو حنیفہ کو دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "کبھی نہیں"، میں نے کہا "پھر اس سے روایت کیسے کرتے ہیں؟" اس نے کہا: "ہمارے ساتھ جھگڑا مناسب نہیں ہے، مجھے یہی سند یاد ہے، جب کوئی حدیث سنتا ہوں تو یہ سند اس کے ساتھ لگا کر بیان کر دیتا ہوں"۔[2]

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ بعض زاہدوں اور صوفیوں نے لوگوں کو نیک اعمال کی ترغیب دلانے کے لیے وضع حدیث میں حصہ لیا، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی قابلِ توصیف اور لازوال دولت ان کے خیال میں ناکافی تھی، عامۃ الناس ان کے زہد و تقویٰ کے چرچے سن کر ان کے دھوکے میں آجاتے تھے، اور پھر ان کی

---

[1] شرح الفیہ سیوطی بحاشیہ احمد محمد شاکر ص ۸۷، ۸۸ الباعث الحثیث، ص ۹۳، ۹۴۔
التوضیح جلد ۲، ص ۷۶، ۷۷۔

[2] الباعث الحثیث ص ۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

من گھڑت حدیثیں سُن کر انہیں تسلیم کر لیتے تھے، اس لحاظ سے یہ خطرہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، ان لوگوں نے اپنی جہالت سے اسلام کے چہرے کو مسخ کرنا چاہا اور غیر اسلامی خرافات کو دائرہ اسلام کے اندر لا بٹھایا۔ یحییٰ القطان کہتے ہیں کہ:

"جتنا جھوٹ میں نے اہلِ خیر میں شمار کیے جانے والوں میں دیکھا ہے اور کسی میں نہیں دیکھا۔"[1]

اگر ہم حدیث وضع کرنے والوں کی احادیث کا استقصاء کرنا چاہیں تو یہ قطعاً ناممکن ہے، حماد بن زید کہتے ہیں کہ صرف زندیقوں نے چودہ ہزار احادیث وضع کی تھیں[2]، اور عبدالکریم بن ابی العوجا[3] نے یہ خود اعتراف کیا تھا کہ اس نے چار ہزار احادیث وضع کی ہیں، جب عباسی خلیفہ مہدی کے عہد میں اسے قتل کرنے کے لیے لایا گیا تو اس نے پکار کر کہا "میں نے چار ہزار احادیث گھڑ کر پھیلائی ہیں، جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا ہے۔"

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو واضعین کے جھوٹ سے محفوظ رکھا ہے اور دینِ اسلام کو ایسے لوگوں کے ضرر سے بچا لیا ہے جو کہ اسے بازیچۂ اطفال بنانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایسے مخلص اور امین علماء پیدا کیے جنہوں نے

---

[1]: التوضیح جلد ۲ ص۵۸ - [2]: التدریب ص۱۰۱

[3]: یہ عبدالکریم مشہور معن بن زائدہ شیبانی کا ماموں تھا اسے محمد بن سلیمان بن علی نے جو کہ امیرِ مکہ تھا، قتل کیا تھا۔" ذہبی نے "المیزان" میں عبدالکریم کا تعارف اسی طرح کرایا ہے یہ مشہور زندیق ہے" (التوضیح جلد ۲ ص۵۸) - اسی طرح محمد بن سعید بن حسان اسدی شامی مصلوب بھی مشہور زندیق اور واضع حدیث تھا - اس نے چار ہزار... احادیث وضع کی تھیں - امام حاکم کہتے ہیں کہ اس کی موضوعات میں یہ بھی ہے کہ اس نے حمید سے بواسطہ حضرت انس مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ "میں خاتم النبیین ہوں - میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے مگر جو اللہ چاہے"۔ امام حاکم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس نے "مگر جو اللہ چاہے" کا استثناء اس لیے گھڑ لیا تھا کہ وہ ملحد و زندیق ہونے کے ساتھ ساتھ جھوٹا مدعیٔ نبوت بھی تھا۔" (التدریب ص۱۰۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

غلط اور صحیح کو الگ الگ کر دیا، وضع حدیث کے اسباب انہوں نے بتائے، واضعین کے جھوٹ کی قلعی کھولی اور ان کے عیوب و نقائص سے ہمیں آگاہ کیا، انہوں نے موضوعات کی کتابوں میں یہ سب کچھ جمع کر دیا اور حافظے میں بھی محفوظ رکھا تاکہ کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے۔

موضوع حدیثوں کی تفصیل کے لیے ابوالفرج ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ کی کتاب "الموضوعات" بہت مشہور ہے، یہ کتاب دراصل محدث جوزقانی کی "کتاب الاباطیل" سے ماخوذ و مستفاد ہے، جوزقانی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر اس حدیث کو موضوع ٹھہراتے ہیں جو کہ فعلاً یا ترکاً سنتِ نبویہ کے خلاف ہو، ابن جوزی نے بھی جوزقانی کی پیروی کی ہے، لہٰذا ان سے بھی وہی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جو جوزقانی سے ہوئی تھیں، نتیجہ یہ ہے کہ ابن جوزی نے بعض صحیح اور حسن احادیث کو بھی موضوع قرار دیا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت کردہ ایک مرفوع حدیث کو بھی موضوع کہا ہے، جو یہ ہے:

اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ اَوْشَكَ اَنْ تَرٰى قَوْمًا يَّغْدُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ وَيَرُوْحُوْنَ فِيْ لَعْنَتِهٖ فِيْ اَيْدِيْهِمْ مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ۔	اگر تمہاری زندگی کچھ دراز ہوئی تو قریب ہے کہ تم ایسی قوم کو دیکھو جو اللہ کے غضب میں صبح کرے گی اور اللہ کی لعنت میں اس کی شام گزرے گی، ان کے ہاتھوں میں بیل کے دم کی طرح کوڑے ہوں گے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

اس حدیث کے سوا صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کسی حدیث کو ابن جوزی نے موضوع قرار نہیں دیا اور اس حدیث کے بارے میں ان کا فیصلہ سخت غفلت کا نتیجہ ہے۔" [۳]

---

[۱] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۲۔ [۲] التوضیح جلد ۲، ص ۹۶ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۵۔
[۳] القول المسدد فی الذب عن المسند، از ابن حجر عسقلانی ص ۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"الموضوعات" میں ابن جوزی نے مسند احمد کی ۲۴ حدیثوں کو موضوع کہا ہے، لیکن ابن حجر نے اپنی کتاب "القول المسدد فی الذب عن المسند" میں ان کی تردید کردی ہے اور امام احمد کا دفاع کیا ہے، اور امام سیوطیؒ نے حافظ ابن حجر کی کتاب کا جو ضمیمہ لکھا ہے اس میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ موضوعاتِ ابن جوزی میں مسندِ احمد کی مزید ۱۴ حدیثوں کو بھی موضوع قرار دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

امام سیوطیؒ نے القول المسدد اور اس کے ضمیمے کا ایک اور ضمیمہ تحریر کیا ہے، جس کا نام القول الحسن فی الذب عن السنن رکھا ہے، اس میں بھی انہوں نے سننِ اربعہ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ) کی ۱۲۰ سے زیادہ احادیث نکالی ہیں، جن کو ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے، امام سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ابن جوزی نے ان کو موضوع کہہ کر عجلت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے، پھر امام سیوطی نے موضوعات ابن جوزی کی تلخیص تیار کی ہے اور ان محدثین کے اقوال بھی درج کیے ہیں جنہوں نے موضوعات ابن جوزی کی بعض احادیث پر تنقید کی تھی، اس تلخیص کا نام انہوں نے "اللآلی الموضوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ" رکھا ہے، موضوعات ابن جوزی کی جن حدیثوں پر تنقید کی گئی ہے ان کو الگ جمع کردیا ہے۔ اور اس کا نام "ذیل اللآلی المصنوعہ" تجویز کیا ہے[1]۔

جب محققین محدثین نے ابن جوزی کی کتاب پر محاکمہ کردیا تو اس کتاب سے استفادہ کرنا آسان ہوگیا، بالخصوص طلبائے حدیث کے لیے بڑی آسانی پیدا ہوگئی، جو ابن جوزی کے علمی مباحث کا شوق سے مطالعہ کرتے ہیں، اس سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علماء نے ابن جوزی کی کتاب پر جو تنقید کی، تو اس سے پہلے ابن جوزی کی کتاب کا ضرر رساں یہ پہلو نہیں تھا کہ اس میں مشہور ترین وضاعینِ حدیث اور موضوعات کا تذکرہ نہیں کیا گیا، اس کے برعکس ابن حجر کے بقول اس کے مطالعے سے یہ خطرہ تھا کہ قاری صحیح احادیث کو بھی موضوعات میں شمار کرنے نہ لگ جائے جس طرح امام حاکم کی مستدرک کے مطالعے سے کئی لوگ غیر صحیح احادیث کو بھی صحیح سمجھنے لگتے ہیں[2]۔

---

[1] الباعث الحثیث ص ۸۷، التدریب ص ۱۰۱ [2] التدریب ص ۱۰۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

قاری کو اس امر سے آگاہ ہونا چاہیئے، کہ بعض احادیث جن کو موضوع کہا جاتا ہے، دراصل وہ مدرج حدیث کے قریب ہوتی ہیں، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی محدث حدیث بیان کرتے وقت کسی خاص اسناد کا ذکر کرتا ہے اور درمیان میں کوئی عارضہ لاحق ہو جاتا ہے اور وہ حدیث بیان کرنے کی بجائے کسی اور بات میں مصروف ہو جاتا ہے سامع یہ سمجھتا ہے کہ جس حدیث کے لیے جو سند بیان کی گئی تھی وہ یہی گفتگو ہے، لہٰذا وہ اس زائد کلام کو بھی حدیث تصور کر لیتا ہے اور اس سے اخذ کر کے اسے روایت کر دیتا ہے۔

اس کی مثال وہ روایت ہے، جسے ابن ماجہ نے اسماعیل طلحی سے، اس نے ثابت بن موسیٰ سے، اس نے شریک سے، اس نے اعمش سے، اس نے ابوسفیان سے، اس نے جابر سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ "جو شخص رات کو زیادہ نماز پڑھے گا، دن کے وقت اس کا چہرہ خوبصورت ہوگا"۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ ثابت، شریک نامی راوی کے پاس آیا، شریک اس وقت حدیث املا کراتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا: "ہمیں یہ حدیث اعمش نے سنائی، اس نے ابوسفیان سے اور اس نے حضرت جابرؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"، اس کے بعد شریک خاموش ہو گیا، تاکہ طلبہ اسے لکھ لیں، پھر جب اس نے ثابت کی طرف دیکھا تو کہا "جو رات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے دن کو اس کا چہرہ خوبصورت دکھائی دیتا ہے"۔ یہ بات شریک نے ثابت کے زہد و تقویٰ کے لحاظ سے کہی مگر ثابت نے اسے بھی حدیث کا حصہ تصور کیا اور اس کی روایت کرنی شروع کر دی ـــــ ابن حبان کہتے ہیں کہ:

"یہ شریک کا اپنا قول ہے، اس نے اعمش کی روایت عن ابی سفیان عن جابر مرفوعاً بیان کی کہ شیطان تم میں سے ایک کے سر کی گدی پر گرہ لگاتا ہے، اس کے بعد یہ بات کہی، مگر ثابت نے اس کو حدیث میں شامل کر لیا، اور ضعیف راویوں کی ایک جماعت نے اس سے یہ قول نقل کر لیا اور شریک کی جانب سے اسے روایت کرنا شروع کر دیا"[1]۔

---

[1] الباعث الحثیث ص ۸۴ بحوالہ التدریب ص ۱۰۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

لیکن حافظ ابن حجر ایسی احادیث کو مدرج ہونے کے سبب سے ضعیف ٹھہراتے ہیں مگر موضوع نہیں کہتے، اس کے برعکس ابن الصلاح اسے موضوع ہی کی ایک قسم قرار دیتے ہیں کہ جس میں راوی کے کسی قصد وارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا، امام نووی اور امام سیوطی نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔

دراصل کسی حدیث کے بارے میں اس کے موضوع ہونے کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے، جلد بازی سے کسی حدیث کو موضوع کہنا ایسے ہی ہے جیسے عجلت پسندی سے کسی ضعیف حدیث کو صحیح کہا جائے اور یہ دونوں کام غفلت اور سہل انگاری پر مبنی ہیں لیکن جو حدیث مذکورہ بالا پانچ اصولوں کے تحت آئی ہو اسے موضوع قرار دینے میں کوئی جلد بازی نہیں ہے۔

ابن جوزی کہتے ہیں کہ:

ما احسن قول القائل إذا رأیت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول او یناقض الاصول فاعلم انّه موضوعٌ [1]	کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ جب کسی حدیث کو عقل ونقل کے خلاف پاؤ یا اصول کے خلاف سمجھو تو جان لو کہ وہ موضوع حدیث ہے۔

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ جس حدیث کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ موضوع ہے تو پھر اس کا روایت کرنا حرام ہے سوائے اس کے کہ اس کا موضوع ہونا بتایا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"جس نے میری جانب کوئی ایسی حدیث منسوب کی جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ وہ جھوٹی ہے، تو وہ جھوٹوں میں سے ہے۔"[2]

---

[1] امام سیوطی نے التدریب ص ۱۰۰ پر یہ عبارت ابن جوزی سے نقل کی ہے [2] مسلم نے یہ حدیث سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے (التوضیح جلد ۲ ص ۱۷) یہ دونوں اور یہ دونوں طرح درست ہے، اسی طرح کاذبین اور کاذبین دونوں صحیح ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

تشدد کی وجہ یہ ہے کہ کہیں لوگ موضوع حدیث کو حدیث نبوی نہ سمجھنے لگ جائیں۔ لیکن اگر اس کا تذکرہ موضوع حدیث کے طور پر بطور مثال کے کیا جائے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

کتبِ حدیث کا تعارف

۱۔ کتبِ حدیث کے مراتب

احادیثِ نبویہ کے سلسلے میں کثیر کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے بعض ہم تک پہنچی ہیں اور بعض نہیں پہنچیں۔ آج بھی دنیا کے کئی کتب خانوں میں حدیث کی کئی کتابیں مخطوطوں کی صورت میں غیر مطبوعہ موجود ہیں، اللہ تعالیٰ علمائے دین کو یہ توفیق دے کہ وہ ان مخطوطوں کو شائع کرنے کا اہتمام کریں اور عظیم اسلامی ورثے کو زندہ کریں، کتبِ حدیث کی کثرت ایک فطری امر ہے، کیونکہ تمام احادیثِ نبویہ کو یکجا کرنا بہت مشکل تھا، خواہ وہ کتاب کتنی ہی ضخیم کیوں نہ ہو، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند سات لاکھ پچاس ہزار (۷۵۰۰۰) احادیث میں سے منتخب کی تھی[1] جبکہ اس مسند میں چالیس ہزار احادیث بھی موجود نہیں ہیں[2]۔ امام سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں اپنی لیاقت کی حد تک تمام احادیث جمع کرنا چاہا تھا، ابھی ایک لاکھ حدیثیں جمع کر چکے تھے کہ تکمیلِ کتاب سے پہلے ہی خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

البتہ امام سیوطیؒ کہا کرتے تھے کہ:

---

[1] خصائص المسند از ابو موسیٰ مدینی۔ دیکھیے مسند احمد، حاشیہ از شاکر، مقدمہ جلد ۱ ص ۲۱۔

[2] علامہ شاکر لکھتے ہیں کہ "مسند میں تیس ہزار سے زیادہ اور چالیس ہزار سے کم حدیثیں موجود ہیں، ہم اس بحث کے آخر میں ان احادیث کی صحیح تعداد بیان کر دیں گے، لیکن مسند احمد کی ترتیب و تہذیب سے پہلے ہی علامہ شاکر فوت ہو گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

"روئے ارضی پر قولی وفعلی احادیث کی کل تعداد دو لاکھ سے کچھ زائد ہے۔"[1]

اس قدر زیادہ احادیث جو مختلف کتابوں سے جمع کی گئیں اور جو مختلف ادوار میں جمع وتالیف کی گئیں، ظاہر ہے کہ ان سب کے مصادر ہر اعتبار سے یکساں نہیں ہو سکتے تھے، دوسرے الفاظ میں اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ حدیث کے مختلف مصادر ایک ہی مرتبے کے نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے علماء نے یہ اصطلاح وضع کی ہے کہ صحت وحسن اور ضعف کے لحاظ سے کتب حدیث کے کئی طبقات ہیں۔[2]

طبقۂ اوّل یہ طبقہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، اور مؤطا امام مالکؒ تک محدود ہے ان میں متواتر اور حسن قسم کی کئی احادیث موجود ہیں۔

طبقۂ دوم اس میں جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد بن حنبل اور نسائی شامل ہیں، اور ان میں درج حدیثیں اگرچہ طبقۂ اوّل کا مرتبہ نہیں رکھتیں لیکن ان کے مؤلفین نے اپنی شرائط کے مطابق تساہل سے ہرگز کام نہیں لیا ہے۔ متاخرین میں اس کو قبول عام حاصل ہوا اور ضعف کے باوجود ان سے احکام و مسائل اخذ کیے گئے، عام طور پر محدثین صرف طبقۂ اوّل اور طبقہ دوم کی کتب حدیث پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور ان سے دین اور شریعت کے اصول مستنبط کرتے ہیں۔

طبقۂ سوم اس طبقے میں وہ کتابیں شامل ہیں، جن میں ضعیف حدیث کی کئی قسمیں، جیسے شاذ، منکر اور مضطرب بھی پائی جاتی ہیں ان کے بعض راوی مستور الحال ہیں، اور ان میں مذکور شاذ اور منفرد احادیث بھی عوام میں مروج نہیں ہیں، جیسے مسند ابن ابی شیبہ، مسند طیالسی، مسند عبد بن حمید، مصنف عبدالرزاق،

---

[1] امام سیوطیؒ نے اپنے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "میں نے اس کا نام جمع الجوامع رکھا ہے اور اس میں تمام احادیث کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا ہے"۔ المناوی نے اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ تعداد مصنف کے اپنے علم کی حد تک ہے، ورنہ یہ نہیں ہے کہ احادیث کی تعداد ہی اتنی ہے۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۱۰۵ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۲ھ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بیہقی، طبرانی اور طحاوی وغیرہ، ان کتابوں سے صرف محدثین ہی استفادہ کر سکتے ہیں، جو اپنی تمام زندگی علم حدیث کی خدمت میں گزار دیتے ہیں۔

طبقۂ چہارم اس طبقے میں وہ ناقابل اعتماد کتابیں آتی ہیں جو پچھلے زمانوں میں افسانہ طراز، قصہ گو، واعظ، صوفیاء، مؤرخین اور غیر عادل بدعتیوں سے احادیث سن کر مرتب کی گئیں، جیسے ابن مردویہ، ابن شاہین، اور ابو شیخ کی کتابیں، علم حدیث کے ماہرین اس طبقے کی کتابوں پر اعتماد نہیں کرتے کیونکہ ان میں بدعات اور خواہشات نفسانی کے اسباب پائے جاتے ہیں۔

اہم کتب روایت اور مسانید جس طرح کتب حدیث کے مختلف طبقات ہیں اسی طرح ان کی متعدد اقسام ہیں جن میں کتب صحاح، معاجم، مسانید، مستدرکات، مستخرجات اور اجزاء شامل ہیں۔

۱۔ کتب صحاح صحاح کی کتابوں میں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ شامل ہیں، لیکن بعض علماء نے ابن ماجہ کی بجائے مؤطا امام مالکؒ کو کتب صحاح میں شامل کر دیا ہے، محدث رزین اور ابن الاثیر کی رائے یہی ہے، البتہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے دارمی کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے[1]۔

کتب خمسہ سے صحاح کی وہ کتب مراد ہیں جن میں ابن ماجہ کو شمار نہیں کیا جاتا اور جب احادیث کے ضمن میں یہ کہا جاتا ہے کہ رَوَاہُ الخمسۃ تو اس سے مراد یہ کتب ہوتی ہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کہ وہ حدیث ان پانچ کتابوں میں موجود ہے صحیحین کا مطلب صحیح بخاری[2] صحیح مسلم ہے اور بخاری و مسلم کو شیخین کہتے ہیں، دونوں

---

[1]:۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص۱۰، ص۱۱۔

[2]:۔ امام بخاری کا نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم ہے اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ دس برس سے کم عمر میں احادیث حفظ کرنا شروع کر دی تھیں انہوں نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے احادیث سنیں۔ آپ کو ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد تھیں۔ آپ کی کتاب "الجامع الصحیح" قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ ستر ہزار سے زیادہ طالب علموں نے آپ سے صحیح بخاری سنی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں ۱۶ برس لگے۔ صاحب کشف الظنون نے صحیح بخاری۔ باقی اگلے صفحہ پر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اماموں کی روایت کردہ حدیث کو متفق علیہ کہا جاتا ہے۔

چھ کتابوں کو تغلیب کے طور پر (غلبۂ صحت کی وجہ سے) صحاح کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ویسے سُنن اربعہ — ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کا درجہ صحیحین یعنی بخاری اور صحیح مسلم سے کمتر ہے۔ اور اس میں دقتِ تحقیق اور ضبط کی کچھ کمی ہے[1]

صحاحِ ستہ میں سے ہر ایک اپنی اپنی جداگانہ خصوصیات کی حامل ہے جو آدمی فقیہ بننا

بقیہ صفحہ گذشتہ:- کی ۸۲ شروح کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن سب سے بہترین شرح ابن حجر عسقلانی کی ہے جس کا نام ہے "فتح الباری"۔ امام بخاری کی تصانیف میں تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، تاریخ صغیر، کتاب الکنیٰ، کتاب الوحدان، کتاب الادب المفرد اور کتاب الضعفاء شامل ہیں۔ امام صاحب کی وفات ۲۵۶ھ میں سمرقند کے قریب خرتنگ نامی بستی میں ہوئی۔

[1]:- آپ کا پورا نام مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری ہے۔ بنو قشیر ایک مشہور قبیلۂ عرب تھا۔ آپ نیشا پور میں رہے۔ کنیت ابوالحسین تھی۔ سب نے آپ کو امام حدیث تسلیم کیا ہے آپ نے طلبِ حدیث میں بہت سے سفر کیے۔

امام مسلم کی تصانیف میں صحیح مسلم، کتاب العلل، کتاب الاوہام المحدثین، کتاب من لیس لہ الا راوٍ واحد، طبقات التابعین، کتاب المخضرمین، کتاب المسند الکبیر بہت .... مشہور ہیں۔

امام مسلم کی وفات نیشا پور میں ۵۵ برس کی عمر میں ہوئی۔ سنِ وفات ۲۶۱ھ ہے۔

[1]:- اپنی کتاب جمع الجوامع میں امام سیوطی نے لکھا ہے کہ مزید کتبِ صحاح چھ کتابوں سے الگ کتابیں ہیں جن کو کتب صحاح کہا جاتا ہے اور پہلی کو صحاحِ ستہ کہتے ہیں۔

۱۔ صحیح ابن خزیمہ ابوبکر محمد بن اسحاق متوفی ۳۱۱ھ۔

۲۔ صحیح ابن عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم اسفرائنی متوفی ۳۱۶ھ۔

۳۔ صحیح ابن حبان محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ۔

۴۔ الصحاح المختارہ ضیاء المقدسی محمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی متوفی ۶۴۳ھ (الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۹، ص ۲۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

چاہیے اُسے صحیح بخاری کا مطالعہ کرنا چاہیے، جو تعلیقات کی قلت (بے سند حدیث کو تعلیق کہا جاتا ہے) کا خواہش مند ہو وہ صحیح مسلم پڑھے[1] جو علم حدیث میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہے وہ جامع ترمذی کا مطالعہ کرے، احکامی احادیث کے لیے ابوداؤد[2] کا مطالعہ بہت مفید ہے، فقہی ابواب و ترتیب کی عمدگی کے لیے ابن ماجہ بہتر ہیں[3] ہے جہاں تک نسائی کا تعلق ہے اس میں ایسی تمام خصوصیات بکثرت پائی جاتی ہیں۔ صحیح بخاری کو صحیح مسلم کے مقابلے میں ترجیح حاصل ہے، اس کی وجہ امام بخاری کی وہ دو شرطیں ہیں جو انہوں نے روایتِ حدیث کے لیے مقرر کی ہیں، ایک یہ کہ حدیث

---

[1]:۔ بعض علماء کے نزدیک صحیح مسلم میں کل ۱۴ تعلیقات پائی جاتی ہیں۔ اور ان کے بارے میں امام مسلم کہتے ہیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور پھر سند حذف کرتے ہیں حافظ عراقی نے مقدمہ ابن الصلاح کی شرح میں ان ۱۴ تعلیقات کا تذکرہ کیا ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح، مطبوعہ حلب ۱۳۵۰ھ صـ۲۰، صـ۲۱)

[2]:۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث ازدی سجستانی بہت بڑے امام اور حافظ حدیث تھے۔ سُنن ابی داؤد میں زیادہ تر انہوں نے احکام پر مبنی حدیث روایت کی ہیں۔ مراسیل اور رواۃِ حدیث پر بھی انہوں نے عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ ۲۷۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

[3]:۔ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی جو ابن ماجہ کے نام سے معروف ہیں بہت بڑے حافظِ حدیث تھے۔ ماجہ ان کے باپ کا لقب ہے دادا کا نہیں ہے۔ سب سے پہلے ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی نے "اطراف الکتب الستہ" میں ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کیا تھا۔ ابن ماجہ ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے، مشہور قول یہی ہے۔

[4]:۔ حافظ ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی مشہور حافظ حدیث ہیں۔ نساء خراسان کا مشہور قصبہ ہے۔ نسائی میں صحیحین کے بعد سب سے کم ضعیف حدیثیں ہیں۔ نسائی نے اپنی سُنن کبریٰ میں سے صحیح احادیث الگ کرکے ایک کتاب المجتبیٰ مرتب کی تھی۔ المجتبیٰ کو حدیث میں الامہات الکبریٰ کا مقام حاصل ہے۔ یہ علی الاطلاق کتب صحاحِ ستہ میں شامل ہے آپ کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

کہ راوی اپنے شیخ کا ہم عصر ہو، دوسرے یہ کہ اس سے اس کا سماع بھی ثابت ہو، اس کے برعکس امام مسلمؒ نے معاصرت ہی کو کافی سمجھا ہے اور سماع کی شرط کو ضروری قرار نہیں دیا۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری کی تمام احادیث، مکررات، تعلیقات اور متابعات کو اگر جمع کیا جائے تو ان کی تعداد ۹۰۸۲ بنتی ہے، صحیح بخاری میں موصول حدیثیں جو بلا تکرار ہیں، کل ۲۶۰۲ ہیں، مرفوع معلق احادیث کی احادیث کی تعداد ۱۵۹ ہے، ابن حجر یہ نہیں بتاتے کہ صحیح بخاری میں کتنے اقوال صحابہ و تابعین ہیں[2]، صحیح مسلم میں مکررات کو الگ کیا جائے تو کل چار ہزار حدیثیں ہیں[3]۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے عنوانات کو ایک خاص طریقے سے مرتب کیا ہے، جس سے آپ کی علمی وسعت اور فقہی مہارت کا پتہ چلتا ہے، وہ عام طور پر باب کا آغاز قرآنی آیات سے کرتے ہیں اور پھر ان سے فقہی احکام مستنبط کرتے ہیں، امام مسلمؒ نے بھی احادیث کو ایک خاص ترتیب سے جمع کیا ہے، لیکن ان کے عنوانات خود قائم نہیں کیے بلکہ امام نوویؒ نے جو کہ شارح صحیح مسلم ہیں، اس کتاب کے ابواب قائم کیے ہیں اور اس کے عنوانات بھی دیئے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ صحیح مسلم سے استفادہ کرنا بہت آسان ہے۔

صحیح مسلم کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ صحیح مسلم سے استفادہ کرنا بہت آسان ہے، کیونکہ امام مسلمؒ ایک حدیث کو ایک ہی جگہ درج کرتے ہیں اور پھر وہاں اس کے تمام طرق اور اسانید بیان کر دیتے ہیں

---

[1]: اختصار علوم الحدیث ص۲۲۔ لیکن امام حاکم کے شیخ ابو علی نیشاپوری اور اکثر علمائے مغرب نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے اور حدیث کی ان دونوں کتابوں کے صحیح تر ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

[2]: فتح الباری جلد ۱ ص۴۷۸، ص۴۷۸۔

[3]: اختصار علوم الحدیث ص۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مگر صحیح بخاری کا طریقہ اس سے جداگانہ ہے۔ وہ کسی حدیث کے مختلف طرق کو الگ الگ ابواب میں بیان کرتے ہیں۔

۲۔ امام مسلم "حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا" میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق حَدَّثَنَا صرف اس صورت میں کہا جائے گا جب شیخ حدیث کے الفاظ پڑھ رہا ہو اور شاگرد سُن رہا ہو۔ اس کے برعکس اَخْبَرَنَا اس وقت کہیں گے جب شاگرد نے شیخ کو پڑھ کر سُنایا ہو[1] اکثر محدثین کا نقطۂ نظر یہی ہے۔ امام شافعی، ان کے اصحاب اور مشرق کے جمہور اہلِ علم کی رائے بھی یہی ہے۔

۳۔ صحیح مسلم کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ امام راویانِ حدیث کے الفاظ ضبط کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ یوں کہتے ہیں کہ "حَدَّثَنَا فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَاللَّفْظُ لِفُلَانٍ قَالَ او قَالَا حَدَّثَنَا فلانٌ"[2]

جب راویانِ حدیث کے درمیان متنِ حدیث کے ایک حرف یا راوی کی کسی صفت نسبت یا کسی اور بات میں اختلاف واقع ہو تو اسے امام مسلم بیان کر دیتے ہیں، خواہ یہ اختلاف معمولی نوعیت ہی کا ہو اور اس سے معنیٰ بھی تبدیل نہ ہوتے ہوں[3] اس سے امام مسلمؒ کی دیانتِ علمی اور حفظ و ضبط ظاہر ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اختصار کے طور پر حَدَّثَنَا کو ثَنَا اور اَخْبَرَنَا کو اَنَا لکھتے ہیں۔

---

[1]:۔ شرح صحیح مسلم از امام نووی جلد ۱ صـ۱۵

[2]:۔ مثال کے طور پر امام مسلم کہتے ہیں "مجھے امام احمد بن حنبل اور زہیر بن حرب نے حدیث سنائی اور الفاظ زہیر کے ہیں۔ دونوں نے کہا" ہمیں یحییٰ یعنی یحییٰ "القطان" نے حدیث سنائی ملاحظہ ہو کتاب البیوع باب المساقاۃ والمعاملۃ جلد ۵ صـ۲۶۔

[3]:۔ اس کی مثال میں یہ حدیث ہے "حدثنا عبداللہ بن معاذ العنبریؒ حدثنا ابی حدثنا شعبۃ عن قتادۃ عن ابی ایوب ——— واسمہٗ یحییٰ بن مالک الازدی ویقال المراغی والمراغ حی من الازد ——— عن عبداللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ جلد ۲ صـ۱۴۴)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اور یہ محض اختصار کی خاطر ہے، صحیح مسلم میں ح (حا) کا حرف بہت استعمال ہوا ہے، اس سے تحوّلِ اسناد کی طرف اشارہ ہوتا ہے، گویا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام مسلم ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہو رہے ہیں اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کسی حدیث کی دو یا دو سے زیادہ سندیں موجود ہوں، جب قاری اس جگہ پہنچے تو کہے (ح) اور پھر وہ آگے قرأت جاری رکھے۔[1]

امام بخاری اور امام بخاری نے ایسی تمام احادیث کا التزام اپنی کتابوں میں نہیں کیا ہے جن کو صحیح سمجھا جاتا ہے، چند احادیث ایسی بھی ہیں جن کے صحیح ہونے کا اعتراف کرنے کے باوجود شیخین نے ان کو اپنی کتابوں میں جگہ نہیں دی ہے، ایسی حدیثیں سننِ اربعہ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) میں مذکور ہیں، یا پھر دوسری کتابوں میں جن کو صحیح سمجھا جاتا ہے۔[2]

مؤطا امام مالکؒ[3] جن محدثین نے مؤطا کو صحاح ستہ میں شامل سمجھا ہے ان کے نزدیک اس کا مرتبہ صحیحین کے قریب قریب ہے، اس کے برعکس جو علماء ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شامل سمجھتے ہیں وہ مؤطا کو ان میں شمار نہیں کرتے، مؤطا کو صحاح ستہ میں شمار نہ کرنے کے انہوں نے دو اسباب بیان کیے ہیں:

۱۔ مؤطا میں مرسل روایات بکثرت پائی جاتی ہیں۔

۲۔ مؤطا میں فقہی اقوال اتنی کثرت سے ہیں کہ یہ حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب نظر آتی ہے۔[4]

---

[1] حاء تحول کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو علوم الحدیث ص ۱۸۲، ۱۸۳۔

[2] اختصار علوم الحدیث ص ۲۳، ۲۴۔

[3] مؤطا کا تعارف پہلے گزر چکا ہے۔

[4] الباعث الحثیث ص ۳۱، ۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

ب۔ الجوامع جامع اس کتاب کو کہتے ہیں جو تمام ابوابِ حدیث پر مشتمل ہو، محدثین کے نزدیک ابوابِ حدیث آٹھ ہیں اور وہ یہ ہیں:

باب العقائد، باب الاحکام، باب الرقاق، باب آداب الطعام والشراب، باب التفسیر والتاریخ والسیر، باب السفر والقیام والقعود (اسے باب الشمائل بھی کہتے ہیں)، باب الفتن باب المناقب والمثالب[1]

حدیث کی جس کتاب میں یہ آٹھوں ابواب موجود ہوں اسے جامع کہا جاتا ہے، جیسے جامع بخاری، جامع ترمذی وغیرہ۔

ج۔ مسانید مسانید جمع ہے مُسند کی، مُسندوہ کتابِ حدیث ہے جس میں احادیث کو صحابہ کے ناموں کی ترتیب سے ان کی اسلامی خدمات کے اعتبار سے درج کی جائیں[2] یا صحابہ کے حسب ونسب کا لحاظ رکھا جاتا تھا[3] جیسے مسندِ ابی داؤد طیالسی (متوفی ۲۰۴ھ) ہے، یہ پہلی مسند ہے، پھر مسند بقی بن مخلد (متوفی ۲۹۶) ہے، بقی کی مسند کو مصنف بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس سے ہر صحابی کی روایات

---

[1] ملاحظہ ہو توضیح الافکار جلد ۲ ص ۱۵۔ الرسالۃ المستطرفہ ص ۳۲۔ جب آٹھوں ابواب کو کسی ایک کتاب میں جمع نہیں کیا جاتا تھا تو اس وقت ہر باب کے مسائل ایک مستقل کتاب میں جمع کیے جاتے تھے، جیسے عقائد میں کتاب التوحید از ابن خزیمہ، اسی طرح شرعی احکام کے لیے سنن اربعہ یعنی ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ ہیں باب الرقاق میں امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد ہے، آداب میں امام بخاری کی کتاب الادب المفرد ہے، تفسیر میں ابن مردویہ اور ابن جریر کی کتابیں ہیں، سفر و قیام کے بارے میں امام ترمذیؒ کی کتاب الشمائل ہے، الفتن میں نعیم بن حماد کی کتاب ہے (دیکھیے توضیح الافکار جلد ۲ ص ۱۵)

[2] خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ مسند کی تخریج میں یہ طریقہ بہت اچھا ہے اس طرح پہلے عشرہ مبشرہ کی روایات لی جائیں گی، پھر اصحاب بدر کی (الجامع جلد ۱۰ ص ۱۹۰)

[3] اس طریقے میں پہلے بنی ہاشم صحابہ کی مرویات جمع ہوں گی، پھر حضورؐ کے رشتہ دار صحابہ کی روایات آئیں گی (الجامع جلد ۱۰ ص ۱۹۰)

[4] بقی بن مخلد کے بارے میں ملاحظہ ہو نفح الطیب جلد ۱ ص ۵۸۱، نیز جلد ۲ ص ۱۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کو فقہی ابواب کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے،

مسانید میں سب سے زیادہ جامع مسند امام احمد بن حنبلؒ ہے[1]۔ مسند احمد[2] میں بہت سی ایسی صحیح احادیث موجود ہیں، جو صحاح ستہ میں بھی نہیں ہیں، امام احمد نے اپنی مسند کے بارے میں کہا ہے کہ:

"یہ کتاب میں نے سات لاکھ پچاس ہزار احادیث میں سے انتخاب کر کے جمع کی ہیں، جس حدیث کے بارے میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے لیے اس مسند کی جانب رجوع کیا جائے، اگر اس میں وہ موجود ہو تو صحیح ہوگی ورنہ وہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں ہے"[3] (مقدمہ مسند بحاشیہ احمد شاکر ص ۲۱)

امام ذہبیؒ اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ[4]:

"امام احمدؒ کا یہ قول اکثریت کے پہلو سے ہے ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی صحیح حدیثیں ہیں جو صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن اربعہ اور اجزاء میں موجود ہیں لیکن مسند میں نہیں ملتیں"۔

ہم نے موضوعات اور اسباب وضع کی بحث میں یہ لکھا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے ایک رسالہ "القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد" تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مسند میں موضوع روایات بھی پائی جاتی ہیں۔

---

[1] آپ کا پورا نام امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی بغدادی ہے، کنیت ابو عبداللہ ہے، آپ حدیث میں امیر المومنین ہیں اور حفظ و ضبط میں یکتائے روزگار تھے، آپ کی مشہور تصانیف میں مسند احمد، کتاب العلل، کتاب الزہد اور کتاب فضائل صحابہ شامل ہیں، ۲۴۱ھ میں وفات پائی،

[2] مسند احمد مصر میں بڑی بڑی چھ جلدوں میں چھپ چکی ہے، علامہ احمد شاکر نے اس کا قابل قدر حاشیہ لکھنا شروع کیا تھا، مگر پندرہ جلد لکھنے کے بعد وہ وفات پا گئے۔

[3] امام احمد اپنی مسند کو اس لیے سرمایہ افتخار سمجھتے تھے انہیں یقین تھا کہ انہوں نے مسند میں سنتِ نبوی کو جمع کر دیا ہے، امام احمد اپنے بیٹے عبداللہ کو، جنہوں نے آپ سے یہ مسند روایت کی ہے، کہا کرتے تھے کہ "مسند کو حفظ کر لو، ایک روز یہ کتاب لوگوں کے لیے راہنما ثابت ہوگی"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "التوسل والوسیلہ" میں ایک خاص فصل کے تحت مسند میں موضوع احادیث ثابت کرنے والوں پر تنقید اور جرح کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اگر موضوعات سے مراد وہ احادیث ہیں جن کی سند میں کوئی کذاب راوی ہو تو ایسی حدیث مسند میں موجود نہیں ہے اور اگر موضوع روایت سے وہ حدیث مراد ہے جو حضورؐ نے نہیں فرمائی، اس کے راوی سے غلطی سرزد ہوئی، یا اس میں حفظ کی کمی کا باعث پایا جائے تو بے شک ایسی روایات مسند اور سنن اربعہ میں بھی موجود ہیں۔"

د۔ معاجم معاجم جمع ہے مُعجم کی۔ مُعجم وہ کتابِ حدیث ہے جس میں صرف حروف تہجی کے اعتبار[1] سے شیوخ بلدان اور قبائل کے ناموں کے مطابق احادیث بیان کی جائیں، مشہور ترین معجم طبرانی کی معجم کبیر، معجم متوسط اور معجم صغیر ہیں۔

ھ۔ مستدرکات مستدرکات جمع ہے مستدرک کی، مستدرک وہ کتابِ حدیث ہے جس میں ایسی احادیث جمع کی جائیں جو کسی مؤلف کی شرائط کے مطابق ہوں مگر اس کی کتاب میں موجود نہ ہوں، امام حاکم نیشاپوری کی مستدرک علی الصحیحین اس سلسلے میں سب سے زیادہ مشہور ہے، اس کا خلاصہ امام ذہبی نے لکھا ہے[2]۔ امام حاکم نے شیخین پر اعتراض کیا ہے کہ ان کی بعض روایات کے راوی خود شیخین کے نزدیک بھی ضعیف ہیں[3]، اور اس کے باوجود انہوں نے ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، لیکن امام حاکم کی خامی یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث کو بھی صحیح سمجھتے ہیں اور ان کو یہ شوق چرایا تھا کہ شیخین کی شرائط پر احادیث کی تخریج کر دیں۔ لیکن ان کی اپنی دریافت شدہ حدیثیں صحیح نہیں ہوتی تھیں[4]۔

و۔ مستخرجات عراقی نے مستخرج کی تعریف میں کہا ہے کہ کوئی مصنف کسی کتاب کی حدیثوں کو کتاب کے مؤلف کے علاوہ اپنی سند

---

[1] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۰۱ [2] یہ دونوں کتابیں ہندوستان میں چھپ چکی ہیں۔
[3] اختصار علوم الحدیث ص ۲۶ [4] تدریب الراوی ص ۱۰۰

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سے روایت کرے اور اس کی سند کتاب مؤلف کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جاکر ملتی ہو۔[1]

قابل ذکر مستخرجات درج ذیل ہیں :

۱۔ مستخرج ابی بکر اسماعیلی علی البخاری۔

۲۔ مستخرج ابی عوانہ علی المسلم

۳۔ مستخرج ابی علی طوسی علی الترمذی

۴۔ مستخرج محمد بن عبدالمالک بن ایمن علی سنن ابی داؤد

حافظ ابن کثیر نے مختصر علوم الحدیث میں لکھا ہے کہ :

"مذکورہ کتب حدیث کے علاوہ چند اور کتب بھی ہیں، جن کے مؤلفین نے صحت کا التزام کیا ہے، جیسے ابن خزیمہ، ابن حبان البستی، اور یہ کتابیں مستدرک حاکم سے نسبتاً بہتر ہیں اور سند و متن کے لحاظ سے بھی عمدہ تر ہیں"۔[2]

ز۔ الاجزاء جس کتاب حدیث میں صرف ایک ہی صحابی یا راوی کی مرویات جمع کی جائیں اسے "جزء" کہا جاتا ہے، جیسے جزء ابی بکرہ، اسی طرح حدیث کی جس کتاب میں ایک ہی عنوان اور مسئلے کے تحت جو احادیث جمع کر دی جائیں اسے بھی "جزء" کہتے ہیں، جیسے "جزء فی قیام اللیل للمروزی" ــــ یا "جزء فی صلوٰۃ الضحیٰ للسیوطی"۔ اس کے علاوہ وحدانیات، ثنائیات، اور عشاریات اور امام مسلمؒ کی کتاب "الوحدان"[3] اسی قسم سے متعلق ہیں۔

جو آدمی عمل بالحدیث کے شرائط سے واقف ہو اور حدیث کے اخذ و روایت کی قابلیت رکھتا ہو، وہ حدیث کی کتب صحیحہ مشہورہ کی روایت کر سکتا ہے اور اس کی نشر و دعوت میں حصہ لے سکتا ہے۔

---

[1] التدریب ص ۳۳۔ [2] اختصار علوم الحدیث ص ۲۷

[3] الرسالۃ المستطرفہ ص ۶۴، ۶۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

فصل

روایت و درایت

ایک منصف مزاج محقق اس کتاب کی فہرست مضامین پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر مطمئن ہو سکتا ہے کہ تاریخ علوم اسلامیہ میں اصول حدیث کا جو مقام ہے وہ اس سے بہت بلند ہے جو فلسفہ، اصطلاحات کے فن کو تاریخ کے مختلف ادوار میں حاصل رہا۔ ان موضوعات پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد جب وہ کتاب کے عمدہ مباحث کو بنظر غور دیکھے گا تو اس کی اصطلاحات کے تاریخی و تجزیاتی اجزاء میں نہایت قیمتی اور فکر انگیز تبصرہ پائے گا جس کی بنیاد محدثین نے کسی نمائشی چیز پر نہیں رکھی بلکہ ٹھوس حقائق پر رکھی ہے۔

مختلف زمانوں اور شہروں میں روایت و درایت اور الفاظ و معانی کے بارے میں بڑے بڑے مباحث چھڑے ہیں جن کی زد میں شعر و ادب اور علم و فلسفہ بھی آئے ہیں۔ ان تمام معرکۃ الآرا بحثوں نے دنیا کی ہر حقیقت کی طرف رُخ کیا اور دین و مذہب بھی ان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان مناظروں نے ہر مذہب کے عقائد و رسوم اور ان تاریخی دستاویزات کے درمیان تفریق پیدا کر دی جن کے ذریعے یہ حقائق اور اصول و قواعد ہم تک پہنچے تھے۔ حد یہ ہے کہ ان دستاویزات کا انداز بیان اور ان کی زبان بھی بدل گئی۔

قرآن مجید جس میں آگے پیچھے کسی طرف سے بھی باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں ہے آج اسے مستشرقین اور ہمارے اہل وطن میں سے ان کے مقلدین کے افکار و نظریات کی روشنی میں یوں پڑھا جاتا ہے جیسے کسی اور کتاب کو جس کا وحی الہام سے کوئی بھی تعلق نہ ہو۔ قرآن مجید کے احکام کو جمع کر کے ایک نئے انداز سے ان کی توجیہ کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے مباحث کو مغربی اندازِ فکر کے پیکر میں ڈھالنے کی سعی کی جاتی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے۔ یہ مغربی سوچ دراصل شکوک وشبہات کا پلندہ ہے اور اس میں ہر طرف شک وشبہ اور حیرانی دکھائی دیتی ہے۔

مستشرقین اور ان کے ساتھیوں نے اس غیر فطری، غیر وجدانی بلکہ غیر انسانی طرز و طریق پر قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے، ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کے حقائق کو خود اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھیں، اپنی آنکھوں سے اس کی آیات کو نازل ہوتے مشاہدہ کریں اور قرآن مجید کی مکی ومدنی آیتوں، اس کے ناسخ ومنسوخ، اس کی جمع وترتیب اور تفسیر وتاویل میں من مانے طریقے کا رویہ اختیار کریں، لیکن قرآن کے نازل کرنے والے نے اسے بازیچۂ اطفال بننے سے روک دیا، کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ بیشک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

جب کتاب اللہ کے ساتھ ان کا رویہ یہ رہا تو فطری امر تھا کہ یہی انداز تنقید حدیث نبوی کے متعلق بھی اختیار کیا جائے، اور حدیث کے اصول، طرق روایت، اس کی جمع وتدوین اور فنی اصطلاحات کو بھی مشکوک بنا دیا جائے، چنانچہ ان کی ناپاک سعی کا یہ نتیجہ نکلا کہ حدیث نبوی کو بھی اسی طرح شک وشبہ سے دیکھا گیا جیسے کافی عرصہ تک شعر جاہلی کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا گیا، اس میں شک نہیں کہ بڑے ہتھیاروں کا مقابلہ بڑے ہتھیاروں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تعلیم یافتہ دشمن یا جاہل دوست، جو اعتراض بھی اٹھاتا ہے اس کا جواب رونے دھونے یا چیخ وپکار سے نہیں دیا جا سکتا، باطل کو حق ہی کے ذریعے شکست دی جا سکتی ہے اور شکوک وشبہات کو واضح اور بین دلائل ہی سے رفع کیا جا سکتا ہے، اور پھر ایسے دلائل کے ہوتے ہوئے صرف وہی شخص گمراہ ہو سکتا ہے جس کی قسمت میں ہلاکت لکھی ہو۔

ہم نے جس طرح "مباحث فی علوم القرآن"[1] نامی اپنی کتاب میں لوگوں کے اعتراضات

---

[1] یہ کتاب جامع دمشق میں ۱۹۷۳ء میں طبع ہوئی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

نقل کر کے ان کے جوابات دیے ہیں یا پھر ان اعتراضات کو خود ان پر لوٹا دیا ہے کیونکہ وہ نہایت کمزور اور بے وزن تھے بالکل اسی طرح ہم نے اس علوم الحدیث میں بھی بعض شکوک وشبہات کو رفع کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور اس کے لیے ہم نے ٹھوس حقائق کو محدثین عظام کی تصریحات کی روشنی میں بالکل واضح کر دیا ہے۔

اس صورت حال میں ہم اس بنیادی مسئلے پر بحث ونظر کے لیے کوئی مستقل فصل لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ جس میں مستشرقین اور ہمارے ہاں کے مقلدین مشغول ہیں، وہ مسئلہ اصول حدیث کے فن میں روایت ودرایت سے متعلق ہے اور ہماری بحث کا مقصد ان لوگوں کے افکار ونظریات پر اظہار تعجب کرنا ہے جو کہ اس زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ اصول حدیث کی بنیاد الفاظ واسانید پر ہے اور متن کو بالکل نظر انداز کیا گیا تھا، ہم نے مستشرقین پر اور ان لوگوں پر جو ان کے دام فریب میں آچکے ہیں، یہ واضح کر دیا ہے کہ اصول حدیث کی جن کتابوں سے ہم نے استفادہ کیا ہے، ان کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ان میں حدیث کے متن پر کوئی توجہ نہیں دی گئی، اور ایک منصف مزاج محقق اس کتاب کا اگر بغور مطالعہ کرے تو وہ اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

کتاب کے آخر میں محدثین کے چند اہم اقوال نقل کریں گے، پھر ان کے معیار نقد وجرح پر روشنی ڈالیں گے، اور ان کے اقوال ومعیارات کی تلاش کے لیے ہمیں کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں، یہ سب کچھ اس کتاب میں موجود ہے، اور صرف متعلقہ صفحات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔ اس کے بعد ہم ایسے واضح حقائق بیان کریں گے جن سے صرف کوئی ضدی اور جھگڑالو شخص ہی انکار کر سکتا ہے۔

محدثین اس حقیقت کو خوب جانتے تھے کہ متن حدیث کا درس ومطالعہ اور کتب روایت کا حفظ واہتمام فی نفسہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا، اگر اس کے ساتھ ساتھ درایت پر پوری توجہ نہ دی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال کے تاریخی اور تحلیلی مطالعے کا نام حدیث کی درایت ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین نے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

روایتِ حدیث کے سلسلے میں راوی اور مروی کے احوال سے بحث کی ہے، راوی سے سلسلہ سند اور مروی سے متن حدیث مراد ہوتا ہے، لہٰذا فنِ اصولِ حدیث کی تعریف ہی سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ فن صرف اسناد ہی کے مباحث تک محدود نہیں بلکہ متن سے متعلق معاملات بھی اس میں شامل ہوتے ہیں، ایک سطحی بین یہ دیکھتا ہے کہ محدث نے متن کی نسبت اسناد پہ زیادہ توجہ دی ہے لیکن یہ وہم ہے اور اس کو غور و فکر کے بعد رفع کیا جا سکتا ہے۔

محدثین نے ردّ و قبول کے اعتبار سے اسناد اور متن دونوں سے بحثیں کی ہیں، مثال کے طور پر صحیح و حسن مقبول ہیں اور حدیث ضعیف مردود ہے، ان کی تمام اصطلاحات میں سند اور متن دونوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، اس سلسلے میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ متن کا ذکر اسی طرح کیا گیا ہے جیسے سند کا۔

اس بارے میں درج ذیل تفصیل ملاحظہ ہو!

حدیث صحیح اور حسن کا معاملہ بڑی حد تک مشترک ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی صحت کا فیصلہ بعض اوقات سند اور متن دونوں کو سامنے رکھ کر کیا جاتا کبھی صرف سند کو دیکھا جاتا ہے اور کبھی حدیث کے متن کو، حدیث حسن کا حال بھی ایسا ہی ہے، کسی حدیث کو علی الاطلاق صحیح یا حسن نہیں کہہ دیا جاتا، بلکہ صراحت سے کہا جاتا ہے کہ اس کی صحت یا اس کا حسن ہونا، سند کے لحاظ سے ہے یا متن کے پہلو سے، لہٰذا جو حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہو، ضروری نہیں کہ وہ متن کے اعتبار سے بھی صحیح ہو۔

جب کوئی صحیح حدیث متواتر بھی ہو تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے راویوں کی تعداد کتنی ہے؟ بلکہ اس کے متن ہی کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اتنی زیادہ تعداد میں راویوں کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہے، کیونکہ جو چیز حواس یا عقل کے خلاف ہو اس پر اتنے افراد کا مجتمع ہونا ممکن نہیں۔ پھر حدیثِ متواتر کا سند سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے جب حسن لذاتہ کے درجے کی حدیث صحیح لغیرہ کے درجے پر پہنچ جاتی ہے تو اس میں صرف طرق اور اسانید کی کثرت کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایسی حدیث شذوذ و

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

علت سے خالی ہونے میں صحیح لذاتہ کی طرح ہو، حدیث شاذ میں جو تفرد یا مخالفت پائی جاتی ہے وہ زیادہ تر متن میں ہوتی ہے، چنانچہ محدثین کا قول یہ ہے کہ:

"حدیث شاذ وہی راوی بیان کرے گا جو خود شاذ ہو۔"

اسی طرح محدثین نے منکر راویوں کی روایات کو پسند نہیں کیا ہے، علت ایک طرح کی ذاتی تنقید ہے، جس میں متن حدیث پر ضعف کا حکم لگایا جاتا ہے اور اس کا ادراک بھی گہرے غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے، راویوں کے ناموں یا اسانید کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔

ضعیف حدیث کی اکثر قسموں میں سند اور متن دونوں کو پیش نظر رکھتے ہیں، خواہ وہ حدیث بالکل ضعیف ہو یا صحیح حسن اور ضعیف کے درمیان مشترک ہو، جیسے مراسیل صحابہ انقطاع سند کے باوصف مقبول ہوتی ہیں، کیونکہ حدیث کا جو متن صحابہ بیان کرتے ہیں اس کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ من گھڑت ہے، جب مراسیل کے راوی ایسے صحابہ ہوں جو اسرائیلیات بیان کرنے میں مشہور ہوں تو پھر ان کے بارے میں علماء تشدد سے کام لیتے ہیں، کیونکہ ان کا روایت کردہ متن حدیث نبوی ﷺ سے مطابقت نہیں رکھتا، چنانچہ محققین نے صحابہ کی تفسیری روایات میں بھی نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا ہے اور علی الاطلاق ان کو مرفوع نہیں کہا ہے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اہل کتاب کے مسلمات سے متاثر ہوا ہو، بعض محدثین نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ مرسل صحابہ نام کی بھی کوئی چیز ہے، وہ مراسیل کو تدلیس کہتے ہیں اور کھل کر کہتے ہیں کہ "تدلیس سے بہت کم لوگ بچ سکے ہیں۔"

لہ تدلیس دراصل جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے لیکن جیسا کہ علماء کے حوالے سے ہم تصریح کر چکے ہیں کہ تدلیس اور کذب ہم معنی نہیں ہیں، اسی طرح مدلس حدیث موضوع نہیں ہوتی، الغرض تدلیس میں جو دروغ پایا جاتا ہے وہ ایک قسم کا دھوکا ہے، اس کے برعکس موضوع حدیث میں جو جھوٹ ہوتا ہے وہ قصداً ہوتا ہے ان دونوں اصطلاحوں کے فرق کو مستشرق فرنکل اور ابن الوردنے بھی مانا ہے لیکن گولڈ زیہر نے یہ سب کچھ دانستہ طور پر کیا ہے کہ ان دونوں اصطلاحات کو گڈ مڈ کر دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

محدثین نے اگرچہ تسلیم کیا ہے کہ علت زیادہ تر سند میں واقع ہوتی ہے لیکن وہ یہ نہیں کہتے کہ متن میں علت نہیں ہو سکتی، محدثین کہتے ہیں کہ:

"کسی حدیث کو علی الاطلاق صحیح نہیں کہہ سکتے، یہ ممکن ہے کہ اس کے متن میں کوئی علت موجود ہو"۔ اسی طرح اضطراب بھی زیادہ تر سند کے اندر واقع ہوتا ہے لیکن محققین نے یہ بات واضح کی ہے کہ متن میں بھی اضطراب ہوتا ہے اور انہوں نے اس کے لیے کئی شواہد پیش کیے ہیں۔

مقلوب حدیث کی دو اقسام ہیں، ایک مقلوب متناً، دوسری مقلوب اسناداً۔ محدثین نے روایت باللفظ میں جو تشدد روا رکھا ہے، اس کا تعلق بھی بالعموم متنِ حدیث ہی سے ہوتا ہے، مقصود یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ بات منسوب نہ کریں، بالخصوص جب کوئی راوی کسی غلطی کا ارتکاب کرنے کے باوجود اس بات کا دعویٰ کرے کہ یہ غلطی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوئی ہے، محدثین اس طرح کے شخص کو جھوٹا اور جہنمی قرار دیتے ہیں۔

حدیث کی جو قسم صحیح، حسن اور ضعیف کے درمیان مشترک ہے اس کے مباحث میں متن کی کیفیت ملحوظ رکھی جاتی ہے، جیسے مرفوع حدیث، اس میں شک نہیں کہ مرفوع حدیث میں اظہر من الشمس تابانی پائی جاتی ہے، جسے ذوقِ سلیم پہچان لیتا ہے، اس کے برعکس موضوع حدیث میں تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے جسے انسانی بصیرت تسلیم نہیں کرتی۔[1] مذکورہ قسم مشترک کے اکثر مباحث میں متن بدرجۂ اولیٰ داخل ہے، یہ الگ بات ہے کہ

---

[1] مرفوع حدیث اور موضوعات میں فرق اتنا مشکل نہیں ہے، یہاں تک کہ نیکی اور فضیلت کی ترغیب کے لیے جو احادیث وضع کی جاتی رہی ہیں، ان کی پہچان بہت آسان ہے پروفیسر احمد خان بہادر نے مرفوع حدیث اور موضوعات کے درمیان فرق قائم کرنے کے لیے قطری استعداد کی خوب وضاحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: Essay on Muhammedan Tradition, in Hughes Dictionary of Islam, 642.

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اس کی بعض صورتیں اسانید میں بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً مدرج حدیث، اس لیے کہ مدرج الاسناد کا نتیجہ مدرج فی المتن کی صورت میں نکلتا ہے، اسی طرح تصحیف کا عیب بھی متن ہی میں پیدا ہوتا ہے، مسلسل حدیث میں جو شک و شبہ ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ بھی متن حدیث میں عبارت کی یکسانی ہوتی ہے، اگرچہ اس کی ظاہری صورت کا تعلق اس مشابہت سے ہوتا ہے جو راویانِ حدیث کی زبانوں یا سلسلۂ سند میں پایا جاتا ہے، اسی لیے محدثین اکثر کہتے ہیں کہ یہ "حدیث متن و تسلسل کے اعتبار سے باطل ہے"۔

گویا اس کے بطلان کا دار و مدار تسلسل پر نہیں بلکہ متن حدیث کی یکسانی اور ہم رنگی پر ہے۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فرد اور غریب دونوں اصطلاحات کا تعلق صرف سند سے ہوتا ہے اور ان میں ربط و تعلق کا سبب صرف تفرّد کا موجود ہونا ہوتا ہے لیکن بغور دیکھا جائے تو ان کا تعلق بھی سند سے زیادہ متن سے ہوتا ہے، جس طرح محدثین نے شاذ اور منکر حدیث کی نقل و روایت کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا اسی طرح وہ فرد حدیث اور غریب میں بھی کوئی خوشی محسوس نہیں کرتے، غریب حدیث کی خوبصورتی سے فرار کی وجہ یہ ہے کہ وہ عزیز، مشہور اور مستفیض حدیثوں کے متون سے متصادم ہوتی ہے۔

جہاں تک حدیث کی تین قسموں — عزیز، مشہور اور مستفیض کا تعلق ہے، تو اس بارے میں محققین نے ان پر صرف اس لیے بحث کی ہے تاکہ فرد اور غریب حدیثوں کو ایسے متون کے ذریعے تقویت دی جائے جو ان کی شہادت دیتے ہوں، ظاہر ہے کہ غریب حدیث کی تائید صرف اسانید و رجال سے نہیں ہوتی، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کا معیار کیفیت پر مبنی ہے نہ کہ کمیت پر۔ اس لیے اضافی شہرت پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر چند احادیث فقہاء کے ہاں مشہور ہوں اور چند عوام الناس میں اور کچھ صوفیاء میں تو اس صورت حال میں کوئی تعجب نہیں ہے۔

متن حدیث کی اہمیت واضح ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ محدثین نے کن کن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اصولوں کے تحت تشدد سے بھی کام لیا ہے، جب کہ متابعات اور شواہد میں اتنی سختی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اصول کے متن میں جس ثقاہت کی ضرورت ہے وہ فروعات میں اتنی ضروری نہیں، جہاں صرف احادیث کے الفاظ و معانی کی تائید مقصود ہے اس سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ محدثین کیوں متروک الحدیث راوی کی روایت سے استشہاد کرنا بھی پسند نہیں کرتے، اس کا سبب یہ ہے کہ متروک راوی میں حفظ و ضبط نہیں ہوتا لہٰذا اس کی روایت کوشش کے باوجود حفظ و ضبط سے خالی ہوتی ہے، اس لیے انہوں نے یہ فرق کر دیا کہ کس راوی کی روایت سے استشہاد صحیح ہے اور کس سے نہیں؟

ہم جانتے ہیں کہ محدثین کے ہاں شاہد (وہ حدیث جسے تائید و تقویت کے لیے لایا جائے) کی دو اقسام ہیں، لفظی اور معنوی، شاہد لفظی وہ ہے جو کسی حدیث کے الفاظ کو صریح طور پر شامل ہو، شاہد معنوی کا آخری نتیجہ وہی ہے جو شاہد لفظی کا ہے، کیونکہ اس سے بھی حدیث کے متن کی تائید و تقویت مقصود ہوتی ہے، گو اس کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ متنِ حدیث کو اصولِ حدیث میں کتنی اہمیت حاصل ہے۔

متنِ حدیث کی اہمیت مسلّم ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسناد کے بارے میں امور کو نظر انداز کر دیا جائے، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصولِ حدیث میں، متن اور سند دونوں کی یکساں اہمیت ہوتی ہے، ہم اسناد کی قیمت کو کم نہیں کرنا چاہتے، ہم بھی اور کوئی منصف مزاج شخص بھی اس میں کسی شک و شبہ کا امکان نہیں پاتا لیکن سند میں تشدد برتنا کوئی بڑا عیب ہے، جس کی وجہ سے اپنے معزز علماء کو موردِ الزام ٹھہرایا جائے کیونکہ تشدد بذاتِ خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کی اصل غایت اور مقصود متنِ حدیث ہے، جس کی خاطر سند کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے، سند کی تحقیق کا مقصد بھی صحیح احادیث کو موضوعات سے الگ کرنا اور احادیث کی درجہ بندی کرنا ہے تاکہ علماء ان سے قانونی اجتماعی، اقتصادی، فوجی اور سیاسی مسائل کا حل معلوم کر سکیں۔

یہ ایک اہم مقصد ہے جو علوم اسلامیہ کے ساتھ خاص رہا ہے اور کبھی ان سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

الگ نہیں ہوا۔ اسناد امتِ مسلمہ کی خاص خصوصیت ہے اور اس میں دنیا کی کوئی قوم اس کی شریک و سہیم نہیں ہے، امتِ مسلمہ کی یہ خصوصیت سند کی اہمیت کو کم نہیں کرتی بلکہ یہ وہ فضیلت ہے، جس کی وجہ سے دنیا میں ہمارا سر فخر سے بلند ہے۔

ہم اس حماقت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتے جس کے مرتکب مستشرقین اور ان کے "علم کثیر" کے دامِ فریب میں آئے ہوئے طلبۂ حدیث اس وقت کرتے ہیں، جب وہ حدیث پر بحث کرتے ہیں، مستشرقین کا طریق بحث سند اور متن کی تفریق کرنا ہے، جیسے دو شخصوں بلکہ دو سوکنوں کے درمیان کا فرق، جن میں ملاقات و ہم آہنگی کا کوئی امکان نہیں ہوتا[1]

محدثین نے سند کی جانچ پڑتال کے جو پیمانے مقرر کیے ہیں وہ متن کے پیمانوں سے الگ نہیں ہیں، صرف تبویب اور تقسیم کا فرق ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک سند صحیح متن صحیح تک پہنچ کر ختم ہوتی ہے اور جب حدیث کا متن قرینِ عقل و مشاہدہ ہو، تو اس کی سند بھی صحیح ہوتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ محققین کے جو مباحث، اسناد اور راویوں کی شرائط کے ساتھ متعلق ہیں وہ بآسانی ایسے حتمی نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں جو مقصود ہے کہ متنِ حدیث کو جانچ پرکھ کر صحیح، حسن، یا ضعیف ہونے کے اعتبار سے روایت کی درجہ بندی کر دی جائے بہتر ہوتا اگر قاری شرائط راوی سے متعلق تمام مباحث کو بغور پڑھتا اور پھر دیکھ لیتا کہ شروطِ راوی کے بارے میں محققین محدثین کا تشدد حدیثِ نبوی کی حمائت و

---

[1]:- مثال کے طور پر جیسے اس پر نگر نے "المجلۃ الاجتماعیہ الالمانیۃ الشرقیہ" میں اپنے مقالے "الحدیث عند المغرب" میں تحریر کیا ہے۔ اس مقالے میں اگرچہ اس نے کسی حد تک اعتدال سے کام لیا ہے کہ محدثین سند میں اس وقت حقیقی تشدد سے کام لیتے ہیں جب اس میں حلال و حرام سے متعلق مسائل موجود ہوں۔ ہم نے اس کی غلطی ظاہر کرتے ہوئے امام احمد کا قول نقل کر دیا ہے کہ "جب ہم حلال و حرام سے متعلق مسائل بیان کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل کا معاملہ ہو تو سہل انگاری سے کام لیتے ہیں"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

تائید ہی کے لیے ایک ذریعہ ہے، اسی تشدد کا یہ تقاضا تھا کہ ان شرائط کو مشترک انسانی معیارات پر جانچ کر دیکھا جائے، یہ انسانی معیار اس قابل ہیں کہ ہر قوم خواہ وہ قدیم ہو یا جدید ان کو اخذ کرے، کیونکہ یہ معیارات اپنی عمومی صورت میں ایک خاص مقصد کے تحت قائم ہوئے ہیں، جن میں خوشامد، نفاق اور شخصی تقدس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

پھر اس طریق کار میں القاب بھی اہم نہیں ہیں اور معیار ایک اضافی چیز ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں کہ بعض صحابہ کو بھی تدلیس کے ساتھ متہم کر دیا گیا، اسی طرح تصحیف کی نسبت امام مالک جیسے بڑے مجتہد کی جانب کر دی گئی، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ جب سند نازل ثقہ راویوں سے مروی ہو تو اسے ایسی سند عالی کے مقابلے میں ترجیح دی جائے جو غیر ثقہ راویوں سے منقول ہو۔

جو راوی ہم عصر ہوں ان سے روایت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ معاصرت بھی ایک بڑی رکاوٹ ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایسی احادیث موجود ہیں جن پر نقد و جرح کی گئی ہے[1] اسی طرح مسند احمد میں بھی ضعیف حدیثیں موجود ہیں[2] اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ احادیث احاد کے بارے میں بھی معرکۃ الآراء بحثیں موجود ہیں، اور ان کے بارے میں یہ بحث چلی آتی ہے کہ ان میں صحت کی تمام شرائط موجود ہونے کے باوصف کیا وہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں یا یقین کا؟

احادیث کو پرکھنے کے لیے محدثین نے جو معیارات قائم کیے ہیں وہ زمانی بھی ہیں، مکانی بھی، تاریخی بھی اور جغرافیائی بھی، جب راویوں نے جھوٹ بولنے کا آغاز کر دیا تو محدثین نے بھی تاریخ سے مدد لینی شروع کر دی، انہوں نے اس کے لیے یہ شرط عائد کر دی کہ راویانِ

---

[1] صحیح بخاری کی ۱۱۰ حدیثوں پر تنقید کی گئی ہے، ان میں سے صحیح مسلم میں ۳۲ روایات موجود ہیں اور امام بخاری نے ۷۸ حدیثیں منفرد طور پر روایت کی ہیں، لیکن ابن حجر کہتے ہیں کہ ان حدیثوں میں جو علت پائی جاتی ہے وہ قابل الزام نہیں ہے۔

[2] چنانچہ اکثر علماء نے مسند احمد پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حدیث، ان کے طبقات اور ان کی ولادت و وفات کے حالات معلوم کرنے ضروری ہیں، وہ جب راویانِ حدیث کا ذکر کرتے تو یہ بھی بتاتے کہ کس نے کہا ہے اور کس جگہ احادیث روایت کی ہیں، ایسے واقعات کا ذکر محدثین نے کیا ہے کہ جن پر محض اس لیے تدلیس کا حکم لگا دیا گیا کہ راوی کو مروی عنہ کی تاریخ وفات معلوم نہ تھی اور پھر یہ کہ عام تاریخی واقعات کی خلاف ورزی کو حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل سمجھا گیا۔[1]

جب راوی مروی عنہ سے پہلے وفات پا گیا ہو تو محدثین نے اسے بھی علو نسبی کی ایک صورت قرار دیا ہے۔ خواہ وہ دونوں عدد اور تقدمِ سماع میں برابر ہوں۔ محدثین کا قول ہے کہ مدنی راوی جب کوفی راویوں سے روایت کرتے ہیں تو اس میں لغزش کھاتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث کا سماع مختلف شہروں اور ملکوں کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ تدلیس کا عیب سب سے زیادہ اہلِ کوفہ میں اور ایک حد تک اہلِ بصرہ میں پایا جاتا ہے۔ محدثین یہ بھی کہتے ہیں کہ مختلف زمانوں میں بعض مسالک کے جو حامی تھے انہوں نے بھی حدیثِ نبوی پر بہت اثر ڈالا ہے۔ یہ اثر بھی بعض احادیث کو موضوع قرار دینے کا سبب بنتا رہا ہے محدثین کی رائے میں تدلیسِ بلاد اور تدلیسِ شیوخ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تدلیس

---

[1]: جیسے وہ حدیث کہ جس میں اہلِ خیبر سے جزیہ معاف کرنا مذکور ہے۔ یہ روایت کئی لحاظ سے جھوٹی ہے سب سے بڑی دلیل اس سلسلے میں یہ ہے کہ اس میں سعد بن معاذ کی گواہی کا ذکر آیا ہے۔ جب کہ سعد غزوۂ خندق میں فوت ہو گئے تھے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ دستاویز معاویہ بن ابی سفیان نے لکھی تھی حالانکہ حضرت معاویہ فتح مکہ کے زمانے میں داخلِ اسلام ہوئے تھے۔ اور جزیہ کا حکم غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا تھا۔

(اللؤلؤ المرصوع فی مالا اصل لہٗ او باصلہ موضوعٌ)

اس سلسلے میں سب سے اچھی کتاب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی نے لکھی ہے جس کا نام ہے "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی"۔ یہ کتاب انہوں نے الازہر یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے لیے تحریر کی تھی۔ محترم دوست ڈاکٹر سباعی نے اس کی طباعت سے پہلے اس کا ذکر کیا تھا۔ میں نے بھی اپنی اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں لکھا تھا کہ وہ کتاب میں نے ابھی تک نہیں دیکھی اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ محترم دوست اس کتاب کو طبع کرانا چاہتے ہیں اب وہ کتاب چھپ چکی ہے اور میں نے اس سے بھی استفادہ کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بلاد میں ایسے شہروں کو دیکھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے جو راوی نے دراصل نہیں دیکھے ہوتے۔

حدیث کو پرکھنے کے لیے بعض نفسیاتی اور اجتماعی معیارات بھی ہیں۔ جیسے ایک حدیث میں ہریسہ (ایک خاص کھانے کا نام) کا ذکر آیا ہے اور یہ حدیث موضوع ہے اور اس کا وضع کرنے والا محمد بن حجاج تمنی تھا جو ہریسہ[1] بیچا کرتا تھا۔ اسی طرح سعد بن طریف نے ایک حدیث کہ "تمام استاد سب سے زیادہ شریر لوگ ہیں،، اس وقت وضع کی جب ایک استاد نے اس کے لڑکے کو مارا پیٹا تھا۔ اسی طرح جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ کے حمام میں داخل ہوئے تھے وہ بھی بالاتفاق موضوع[2] ہے کیونکہ آپ کے زمانے میں حمام نہیں ہوتے تھے۔

حدیث کو پرکھنے کے معیارات کی دقت و نزاکت بالکل واضح ہے، جس آدمی نے کبھی ایک بار بھی جھوٹ بولا ہو اس کی روایت قابلِ قبول نہیں ہے اسی طرح ایسے راوی کی روایت بھی قبول نہیں کی جاتی جو اپنی غلطی واضح ہوتے پر بھی اس سے رجوع نہیں کرتا محدثین کی سماعت کا یہ حال تھا کہ وہ تصحیفِ سماع کو بھی محسوس کر لیتے تھے، اگرچہ تصحیفِ نظر نہ بھی ہو جیسے عُقیلی اور بُکیر کی تصحیف، جرح میں تعدیل کی نسبت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے حدیث کو پرکھنے والے معیارات کی وجہ سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دروغ گوئی سے کوئی بات منسوب نہیں کر سکتے اس لیے سب کے ساتھ سختی کی ضرورت ہے تاکہ خطا اور لغزش کا امکان ختم ہو جائے۔

جہاں تک حدیث کے متن کا تعلق ہے تو وضع کی تمام علامتوں کا مرکز صرف متن ہے، جیسے اعراب کی غلطی، معنی کی رکاکت، عقل و حواس کی مخالفت، وعدہ و وعید میں مبالغہ آمیزی، بلیغ کلام کے اندر علمائے اصول اور متکلمین کی طرح سے پیچیدگی پیدا کرنا برسرِ اقتدار طبقے کی خوشامد اور توصیف میں حدیثیں گھڑنا ــــ یہ تمام مباحث ایسے ہیں

---

[1] : تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص۱۲۵۔

[2] : اللؤلؤ المرصوع ص۳۵

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

جن کا تعلق متن کے ساتھ ہے اور وہ اس اعتبار سے کہ متن میں ایک ایسی بات کا اضافہ ہوا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہ ہو، یا پھر حدیث میں ایسی عبارت شامل کی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہو سکتی، جیسے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں غلامی کی تمنا کرنا، یہ عقیدہ بھی اسی ضمن میں ہے کہ حدیث میں عمداً تقدیم و تاخیر کرنا بھی کذب و دروغ میں شامل ہے، پھر یہ نظریہ کہ دونوں حدیثوں میں تعارض کا باقی رہنا محال ہے، دونوں میں سے کوئی ایک یا تو دوسری کو منسوخ کر دیگی یا اس کی تفصیل و تخصیص کرے گی۔

یہ حقائق وہ پختہ ثبوت ہیں جن میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ جب اس بات کا فیصلہ کرنا ضروری ہو کہ محدثین کے مباحث سند اور متن میں سے کس کے ساتھ وابستہ ہیں تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تمام مباحث متن ہی سے متعلق ہیں اور سند صرف متن تک پہنچنے ہی کا ایک ذریعہ ہے۔

جب اس کے ساتھ ساتھ مختلف زمانوں میں راویوں کے زہد و تقویٰ، طلبِ حدیث کی راہ میں مشکلات اور حدیثِ نبوی کی اہمیت کا احساس بھی شامل کر لیا جائے، تو ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ دقتِ فکر و نظر میں اصولِ حدیث کے تمام معیارات بے مثال ہیں اور تاریخ عالم ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتی[1]

تعجب ہے کہ جن مخطوطات و مدوّنات اور صحیفوں کا ذکر ہم نے کیا ہے، ان کے مطالعے کے بعد مستشرقین یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ اسناد کے سوا متن کی صحت کا کوئی طریق ممکن نہیں ہے اور یہ کہ عربوں نے محض سند ہی پر توجہ دی ہے، تعجب ہے کہ بڑے بڑے مستشرقین نے کس طرح یہ مغالطہ دینے کی جسارت کی ہے اور محض حدیث اور محدثین کو مورد الزام ٹھہرانے اور اس کے نصوص و متون کی اہمیت کم کرنے کے لیے

---

[1] مشہور مستشرق گولڈزیہر بھی اس کا اعتراف کرتا ہے لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ یہ باریک بینی سند اور متن دونوں میں ملحوظ رکھی گئی ہے اس کی کتاب ملاحظہ ہو ETUDES SUR LATRAD MUSLIMIQUE P.6

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

بڑی بڑی کتابیں لکھ ڈالیں[1]۔

جب ان حقائق کے ساتھ ساتھ ان تاریخی دستاویزات کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتابت حدیث کا آغاز دورِ نبوی ہی میں ہو چکا تھا، تو پھر مستشرقین اور ان کے مقلدین کے حسین خوابوں اور امنگوں کے محلات خود بخود دھڑام سے نیچے آ پڑتے ہیں، ان تاریخی حقائق سے یہ امر واضح ہے کہ تعلیم و تربیت میں محدثین کے طرق و مناہج کیا تھے، اور جن الفاظ کے ساتھ وہ حدیث کے اخذ و روایت کی مختلف صورتوں میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں، ان میں سے کس حد تک تشدد سے کام لیتے تھے۔

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ محدثین اور اصول حدیث کے ماہرین کی جس قدر تعریف و توصیف کی جائے کم ہے اور اس سے ان کے احسانات کا حق ادا نہیں ہو سکتا جو انہوں نے امتِ مسلمہ اور انسانی تہذیب پر کیے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ اصولِ حدیث کے درس و مطالعہ سے ہماری تہذیب کی نشر و اشاعت کے ذرائع کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے اور یہ طرق و مناہج ایسے ہیں، جن سے انسانی تاریخ پہلے نا آشنا تھی اور دنیا میں پہلی مرتبہ ہمارے سنہری دور میں دنیا اس سے آگاہ ہو سکی، ہم سے زیادہ دوسرے لوگ اس کے حقیقت شناس نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ طرق و مناہج اور معیارات ہمارے روشن دماغ اور شاندار ماضی کی پیداوار ہیں، اور انہوں نے ہماری اس تہذیب سے جنم لیا ہے جو بڑی وسیع اور جامع حیثیت کی حامل ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ مستشرقین نے جنگ و جدال میں بھی خوب مہارت پیدا کی ہے، وہ شکوک و شبہات پھیلانے کے بھی ماہر ہیں، اس کے برعکس ہم صرف

---

[1] مثلاً گولڈ زیہر نے حضرت ابوہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر بھی زبانِ طعن دراز کی ہے، پھر گولڈ زیہر ہی سے احمد امین مصری نے یہی سبق سیکھا اور فتنہ انکارِ حدیث میں مبتلا ہو گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

اسی چیز میں مہارت رکھتے ہیں جس کا ہمیں علم حاصل ہے اور ہمیں اسی چیز کا علم ہوتا ہے جس سے ہم عقیدت بھی رکھتے ہیں، ہمیں جنگ وجدال سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ اس کی ہمیں ضرورت ہے، ہماری آرزو صرف یہ ہے کہ لوگ حق کو آشکارا طور پر دیکھیں اور ان کے دلوں کی منافقت دُور ہو جائے،

ہماری ان گذارشات کے مخاطب ہمارے مہذّب عرب نوجوان ہیں، پھر وہ کیوں خاموش نہیں ہوتے؟ اور وہ کیوں یقین نہیں رکھتے؟

تمت بالخیر

کتابت:۔ محبوب احمد فاروقی خوشنویس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مآخذ و مصادر

(بلحاظ حروفِ تہجی)

۱- الابریز، سید احمد مبارک، طبع حجر ۱۲۷۸ھ

۲- الاحکام فی اصول الاحکام، ابن حزم، بتحقیق احمد محمد شاکر، قاہرہ ۱۳۴۵ھ

۳- احکام القرآن، ابن عربی، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ ۱۳۳۱ھ

۴- اختصار علوم الحدیث، ابن کثیر، مع شرح بعنوان الباعث الحثیث از احمد محمد شاکر، قاہرہ ۱۹۵۱ء

۵- الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، ابن عبد البر، قاہرہ ۱۹۳۹ء

۶- اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن الاثیر، قاہرہ ۱۲۸۶ھ

۷- الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ابن حجر قاہرہ ۱۹۳۹ء

۸- الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار، ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی قاہرہ ۱۳۴۶ھ

۹- اغاثۃ اللہفان، ابن قیمؒ قاہرہ

۱۰- الاغانی، ابوالفرج اصفہانی بولاق ۱۲۸۵ھ

۱۱- الفیۃ السیوطی فی مصطلح الحدیث مع شرح از محمد محی الدین عبدالحمید و مع شرح از محمد احمد شاکر، قاہرہ ۱۳۵۳ھ

۱۲- الالماع فی اصول السماع، قاضی عیاض مخطوطہ الظاہریہ، حدیث نمبر ۴۰۔

۱۳- الاموال، ابوعبید، القاسم بن سلام، قاہرہ ۱۳۵۳ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۱۴۔ الباعث الحثیث (شرح اختصار علوم الحدیث) احمد محمد شاکر، قاہرہ ۱۳۷۰ھ

۱۵۔ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، قاہرہ ۱۳۴۹ھ

۱۶۔ التاریخ الصغیر، امام بخاری، ہند ۱۳۲۵ھ

۱۷۔ تاریخ الطبری، (تاریخ الامم والملوک) لیڈن ۱۹۰۱ء

۱۸۔ تاریخ الکامل، ابن اثیر،

۱۹۔ التاریخ الکبیر، امام بخاری، حیدرآباد ۱۳۶۱ھ

۲۰۔ تاویل مختلف الحدیث، ابن قتیبہ، مصر ۱۳۲۶ھ

۲۱۔ التدریب، تدریب الراوی شرح "تقریب" النواوی (للسیوطی)، مصر ۱۳۰۷ھ

۲۲۔ تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین ذہبی، حیدرآباد ۱۹۵۵ء

۲۳۔ تذکرہ الموضوعات والضعفاء، محمد بن طاہر بن علی ہندی، قاہرہ

۲۴۔ التصحیف والتحریف، مع شرح، ابواحمد العسکری، قاہرہ ۱۳۲۶ھ

۲۵۔ تفسیر الطبری (جامع البیان فی تفسیر القرآن) قاہرہ

۲۶۔ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ المنار،

۲۷۔ تقریب التہذیب، ابن حجر، دہلی ۱۳۲۰ھ

۲۸۔ تقیید العلم، خطیب بغدادی، (بتحقیق الدکتور یوسف العش) دمشق ۱۹۴۹ء

۲۹۔ التہذیب (تہذیب التہذیب) ابن حجر، حیدرآباد ۱۳۲۷ھ

۳۰۔ التوضیح (توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار) محمد بن اسماعیل الامیر الحسنی الصنعانی، (بتحقیق محمد محیی الدین عبدالحمید) قاہرہ ۱۳۶۶ھ

۳۱۔ جامع بیان العلم، ابن عبدالبر، قاہرہ

۳۲۔ جامع ترمذی (دیکھیے سنن ترمذی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۳۳۔ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، خطیب بغدادی
مخطوطۃ البلدیہ بالاسکندریہ نمبر ۱۱۷۴ ح۔
۳۴۔ الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم، حیدرآباد ۱۳۶۰ھ
۳۵۔ جمع الجوامع، امام سیوطی، مخطوطۃ الظاہریہ، حدیث ۱۹۶
۳۶۔ حاشیہ نقط الدرر، مع شرح متن نخبۃ الفکر، از عبداللہ
بن حسین خاطر السمین العدوی، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۳۸ء
۳۷۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، قاہرہ، مطبوعہ
الجزیرہ، ۱۳۲۲ھ
۳۸۔ خصائص المسند، ابوموسیٰ مدینی،
۳۹۔ خطط المقریزی، بولاق بولاق ۱۲۷۰ھ
۴۰۔ ذم الکلام، ہروی، مخطوطہ الظاہریہ، حدیث ۲۳۷
۴۱۔ الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ
محمد بن جعفر الکتانی، بیروت، ۱۳۳۲ھ
۴۲۔ ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین، امام نوویؒ، قاہرہ
۴۳۔ سنن ترمذی، طبع بولاق ۱۲۹۲ھ
۴۴۔ سنن دارمی، دمشق ۱۳۴۹ھ
۴۵۔ سنن ابی داؤد، بتحقیق محمد محی الدین عبدالحمید ۱۳۶۹ھ
۴۶۔ سنن ابن ماجہ، بتحقیق محمد فؤاد عبدالباقی، ۱۳۷۳ھ
۴۷۔ سنن نسائی (مع شرح از امام سیوطی وحاشیہ السندی طبع مصر (ازہر)
۴۸۔ السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث ۱۳۵۸ھ
محمد زبیر صدیقی، حیدرآباد
۴۹۔ شذرات الذہب، ابن عماد حنبلی، القدسی، ۱۳۵۰ھ
۵۰۔ شرح الدیباج الذہب فی مصطلح الحدیث (ملا حنفی) بتصحیح علی محفوظ، قاہرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۵۱۔ شرح عراقی علی علوم الحدیث (دیکھیے علوم الحدیث لابن الصلاح)

۵۲۔ شرح النخبہ (شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر، ابن حجر، قاہرہ ۱۹۳۴ء

۵۳۔ صحیح بخاری، طبع سلطانیہ، بولاق ۱۳۱۳ھ

۵۴۔ صحیح مسلم، دار الطباعۃ العامرہ، ۱۳۳۲ھ
نیز ملاحظہ ہو شرح صحیح مسلم از امام نووی، مطبعہ حجازی قاہرہ

۵۵۔ صحیفہ ہمام بن منبہ، بتحقیق الدکتور محمد حمید اللہ، دمشق ۱۹۵۳ء

۵۶۔ ضحی الاسلام، احمد امین، قاہرہ ۱۹۳۶ء

۵۷۔ طبقات الحفاظ، (دیکھیے تذکرۃ الحفاظ از امام ذہبی)

۵۸۔ طبقات الحنابلہ، ابن ابی یعلیٰ، مطبعہ الاعتدال، دمشق ۱۳۵۰ھ
(بہ تصحیح و تعلیق از احمد عبید)

۵۹۔ طبقات الزبیدی (ملاحظہ ہو طبقات النحویین واللغویین)

۶۰۔ طبقات ابن سعد (دیکھیے الطبقات الکبریٰ)

۶۱۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ابن السبکی، قاہرہ طبع حسینیہ ۱۳۲۴ھ

۶۲۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، لیڈن ۱۹۲۵ء

۶۳۔ عرض الانوار المعروف بہ تاریخ القرآن،
انشاد عبد الصمد صارم دہلی۔ ۱۳۵۹ھ

۶۴۔ علل الحدیث، امام احمد بن حنبل، مخطوطہ الظاہریہ، مجموع ۴۰۔

۶۵۔ علوم الحدیث، ابو عمر بن الصلاح، مع شرح عراقی مطبعہ علمیہ، حلب ۱۹۳۱ء

۶۶۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، ابن حجر، بولاق ۱۳۰۱ھ

۶۷۔ فتح المغیث شرح علی الفیہ العراقی فی مصطلح الحدیث سخاوی، دہلی

۶۸۔ الفہرست، ابن ندیم؛ ۱۸۷۲ء

۶۹۔ قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، علامہ شام
سید جمال الدین قاسمی، مطبعہ ابن زیدون دمشق ۱۹۲۵ء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۷۰۔ القول المسدد فی الذب عن المسند، ابن حجر، حیدرآباد ۱۳۱۹ھ

۷۱۔ الکامل، ابن اثیر جزری قاہرہ ۱۳۰۳ھ

۷۲۔ الکفایہ فی علم الروایہ، خطیب بغدادی
دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد ۱۳۵۷ھ

۷۳۔ کلیات ابی البقاء، طبعہ امیریہ ۱۲۸۰ھ

۷۴۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، متقی ہندی حیدرآباد ۱۳۱۴ھ

۷۵۔ اللسان (لسان المیزان) ابن حجر، حیدرآباد ۱۳۳۱ھ

۷۶۔ اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل لہ او باصلہ موضوع،
ابوالمحاسن قاوقجی، وبذیلہ الموضوعات للصنعانی و
"منظومۃ البیقونی"، قاہرہ، مطبعہ بیرونیہ

۷۷۔ مباحث فی علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح (مؤلف کتاب ہذا)
مطبعہ جامع دمشق ۱۹۵۸ء

۷۸۔ مجلۃ المنار (دیکھیے المنار)

۷۹۔ مجمع الزوائد، ابن حجر ہیثمی، ۱۳۵۲ھ

۸۰۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، رامہرمزی،
مخطوطۃ الظاہریہ، حدیث ۴۰۰

۸۱۔ المختصر فی علم رجال الاثر، عبدالوہاب عبدالطیف، قاہرہ ۱۹۵۲ھ

۸۲ المستدرک، امام حاکم نیشاپوری، حیدرآباد ۱۳۳۴ھ

۸۳ المستطرفہ (دیکھیے الرسالۃ المستطرفہ)

۸۴ مسند احمد بن حنبل، قاہرہ ۱۸۹۵ء
نیز شرح علی المسند از احمد محمد شاکر (نامکمل) دارالمعارف قاہرہ ۱۳۶۸ھ

۸۵۔ مسند ابوداؤد الطیالسی حیدرآباد ۱۳۲۱ھ

۸۶۔ المشتبہ فی اسماء الرجال، امام ذہبی، لیڈن ۱۸۶۳ء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

۸۷۔ معادن الجوہر، امین عاملی — دمشق — ۱۳۴۷ھ

۸۸۔ معالم السنن، خطابی بستی، — حلب — ۱۳۵۱ھ

۸۹۔ معجم البلدان، یاقوت الحموی — ۱۸۶۶ء

۹۰۔ معرفۃ علوم الحدیث، امام حاکم نیشاپوری، — قاہرہ — ۱۹۳۷ء

۹۱۔ مفتاح السنۃ، محمد عبد العزیز الخولی، مطبعہ الاستقامۃ، قاہرہ

۹۲۔ مقدمہ ابن خلدون، مصطفیٰ محمد — قاہرہ

۹۳۔ المنار (المجلہ) المجلد العاشر، مضمون از امام محمد رشید رضا
بعنوان "کتابۃ الحدیث"

۹۴۔ المنہل الحدیث فی علوم الحدیث، محمد عظیم زرقانی، — قاہرہ — ۱۹۴۷ء

۹۵۔ الموضوعات، الفتنی (دیکھیے تذکرۃ الموضوعات)

۹۶۔ المیزان (میزان الاعتدال)، امام ذہبی — ۱۳۲۵ھ

۹۷۔ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، قاہرہ

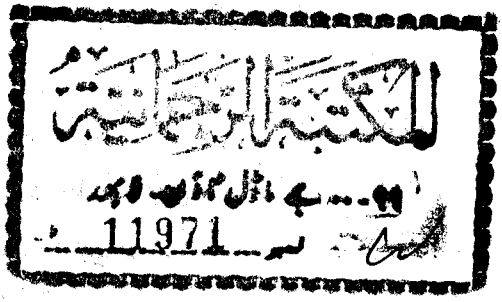

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

سید قطب شہیدؒ ـــــــ ایک تعارف

مفکرِ اسلام سید قطب شہیدؒ ۱۹۰۶ء میں مصر کے ایک گاؤں موشا میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام حاجی ابراہیم قطب تھا اور آپ کے اجداد جزیرہ نمائے عرب سے آکر یہاں مصر میں آباد ہوئے تھے۔

سید قطبؒ کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے سادہ ماحول میں ہوئی اور آپ نے اپنی والدہ محترمہ کی دلی آرزو کے مطابق بچپن میں قرآن حفظ کر لیا۔ حفظِ قرآن کے بعد آپ کے والدین قاہرہ کی ایک بستی حلوان میں آکر آباد ہو گئے اور اس طرح سید کی تعلیمی ترقی کی راہیں کھل گئیں اور سید جیسا ہونہار طالب علم دارالعلوم میں داخل ہو گئے اور ۱۹۳۳ء میں یہاں سے فارغ ہو کر قاہرہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۳ء میں قاہرہ یونیورسٹی سے بی۔ اے ایجوکیشن کیا اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر یہیں پروفیسر متعین ہو گئے کچھ عرصے بعد آپ انسپکٹر آف سکولز مقرر کر دیئے گئے اسی دوران وزارت تعلیم کی جانب سے جدید طریقہ ہائے تعلیم و تربیت کے مطالعے کے لیے امریکہ بھیج دیئے گئے وہاں سے ۱۹۵۰ء میں واپسی ہوئی

مغربی تہذیب کے گہرے مطالعے نے سیدؒ کے ذہن میں یہ حقیقت جاگزیں کر دی کہ تہذیب مغرب باطن ہو چکی ہے اور اب اسلام ہی انسانیت کے لیے واحد راہ نجات ہے۔ چنانچہ سفرِ امریکہ کے بعد انہوں نے اخوان المسلمون میں دلچسپی لینا شروع کی اور اپنی پوری زندگی خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر دی۔

مارچ ۱۹۵۴ء میں مصر کے معاشرتی بہبود کے سرکل نے سید کو معاشرتی فلاح کانفرنس میں شرکت کے لیے دمشق بھیجا جہاں انہوں نے متعدد لیکچر دیئے جن کو علمی حلقوں میں خوب سراہا گیا۔

۱۹۵۴ء میں اخوان المسلمون پر پابندی لگا دی گئی اور پابند سلاسل کر دیئے گئے آپ مسلسل دس سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور اس عرصے میں اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" کی تالیف میں مصروف رہے۔ اگست ۱۹۶۴ء میں رہا ہو کر اگست ۱۹۶۵ء میں دوبارہ گرفتار ہو گئے اور ۲۹ اگست ۱۹۶۶ء کو تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

سید قطب شہیدؒ کی متعدد بیش بہا تصانیف ہیں جن میں "تفسیر فی ظلال القرآن" علمی دنیا میں کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں۔ سید صاحبؒ نے نہایت دلنشیں اور خوبصورت ادبی انداز میں معانی قرآن مجید کی توضیح کی ہے اور ان واردات کو بیان کیا ہے، جو ایک طویل مطالعے اور تدبر فی القرآن کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں بلاشبہ اس تفسیر کا لفظ لفظ دعوت اور ادب کا شاہکار ہے، ضرورت یہ تھی کہ اردو دان طبقہ بھی اس عظیم تفسیر سے روشناس ہو۔ الحمد للہ اس بھیل تفسیر کو اردو قالب میں پیش کرنے کا شرف اولیت "اسلامی اکادمی" کو حاصل ہوا ہے انشاء اللہ تعالیٰ یہ تفسیر دس جلدوں میں پیش کی جائے گی۔

قارئین کرام! سے استدعا ہے کہ وہ اس کارِ سعادت کے مکمل ہونے کی دعا کریں۔ آمین ثم آمین

ـــــ ابو مومن منصور احمد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

مطبوعات اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور۔ فون: ۶۱۰۶۱۹۴

قرآن مجید کے پاروں کا مکمل سیٹ ۱۸۰/-	
" " " " فلاسنگ پیپر ۱۳۶/-	
قرآن مجید کے الگ الگ پارے بھی دستیاب ہیں " " ۴/۵۰	
رنگین پارہ آفسٹ پیپر ۶/-	
سورۃ یٰسین مترجم و معرّیٰ ۲/-	
نورانی قاعدہ رنگین آفسٹ پیپر ۲/۵۰	
" " گلیز پیپر ۳/-	
الحطانی ذکر الصحاح الستہ (عربی) نواب صدیق الحسن خانؒ ۶۰/-	
الباب المفرد حافظ عبدالحمید بارک رح ۱۲/-	
النحو الواضح اجزائیہ (حصہ اول) علی الجارم و مصطفیٰ امین ۱۰/-	
" " (حصہ دوم) " " " ۱۸/	
" " (حصہ سوم) " " " ۱۸/	
النحو الواضح ثانویہ (حصہ اول) " " " ۱۸/	
" " (حصہ دوم) " " " ۱۸/	
" " (حصہ سوم) " " " ۱۸/-	
القرآۃ الرشیدہ (حصہ اول) عبدالفتاح صبری کیلانی مرحوم ۸/-	
" " (حصہ دوم) " " " ۱۰/-	
" " (حصہ سوم) " " " ۱۲/-	
" " (حصہ چہارم) " " " ۱۶/-	
البلاغۃ الواضحۃ (عربی) علی الجارم و مصطفیٰ امین ۴۰/-	
اوقلیڈس ۱۸/-	
ریاض الصالحین (عربی) جلی قلم امام نووی رح ۳۶/-	
تفسیر ترجمان القرآن (مجلد سنہری ڈائی دار) مولانا ابوالکلام آزادؒ (جلد اول) ۱۲۰/-	
" " " " " " (جلد دوم) ۱۳۴/-	
" " " " " " (جلد سوم) ۱۵۲/-	
تفسیر ترجمان القرآن ڈیلکس (ایڈیشن مکمل سیٹ) ابوالکلام آزاد رح ۴۴۰/-	
تفسیر فی ظلال القرآن" للدود سید قطب شہیدؒ (مجلد سنہری ڈائی دار بہترین کپڑا بجلد) ۹۶۰/-	
" " " " " " (جلد دوم) ۹۶۰/-	
" " " " " " (جلد سوم) ۹۶۰/-	
" " " " " " (جلد چہارم) ۹۶۰/-	
" " " " " " (جلد پنجم) ۹۶۰/-	
" " " " " " (جلد ششم) ۹۶۰/-	
" " " " " " (جلد ہفتم)	
" " " " " " (جلد ہشتم)	
" " " " " " (جلد نہم)	
" " " " " " (جلد دہم) ۹۶۰/-	

قرآن اور علم جدید (مجلد سنہری ڈائی دار) ڈاکٹر رفیع الدینؒ ۶۰/-	
اللہ کے احکام حافظ نذر احمد صاحب ۶/-	
اسلامی تعلیم کے مکمل گیارہ حصے، مولانا عبدالسلام بھٹوی" ایک جلد میں ۲۲۷/-	
" " " " " " دو جلدیں ۲۵۵/-	
المامون شبلی نعمانی رح ۳۲/-	
الغزالی " " ۳۲/-	
ام الکتاب (تفسیر سورہ فاتحہ) ابوالکلام آزاد رح ۵۱/-	
اقبالؒ، دارالاسلام مودودیؒ اسعد گیلانی ۲۴/-	
اقبالؒ، قائداعظمؒ اور مودودیؒ " " ۲۷/-	
احوال الآخرت (منظوم) حافظ بارک اللہ رح ۱۸/-	
ارواح مُحَوَّشہ (یعنی حکایات الاولیا) مولانا اشرف علی تھانویؒ ۲۵/-	
احسان قرآنی مولانا اشرف علی تھانویؒ پلاسٹک کور ۱۶/۵۰	
اسوہ حسنہ محمد علی قطب ۹/-	
ارکان اسلام مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رح زیر طبع	
آئینہ نماز مولانا عاشق الٰہی صاحب رح ۱۵/-	
آئینہ صداقت (یعنی بریلوی اور دیوبندی مسلک کی حقیقت ہمارے آئینہ میں) ۱۵/-	
پیارے رسول کی پیاری دعائیں مولانا عطاء اللہ حنیف رح ۴/۵۰	
تاریخ فقہ اسلامی علامہ خضری رح ۴۰/-	
تاجدار مدینہ کی شہزادیاں اسلام اللہ صدیقی ۶/-	
توحیدی نعتیں (حب فرمائش) رحمت اللہ صابری ۲/-	
تعلیم الاسلام مکمل چار حصے مفتی کفایت اللہ رح ۲۱/-	
تنبیہ الغافلین فقیہ ابواللیث سمرقندی رح ۲۲/-	
تاریخ الحدیث الشیخ احمد دہلوی رح ۱۲/-	
تبلیغی کام ایک اللہ کا بندہ ۶/-	
تعلیم العربیہ شیخ محمد رفیق صاحب" ۲/۷۵	
جنت کی کنجی مولانا سبحان اللہ صاحب" ۲۱/-	
جنت اور اس کی بہاریں مولانا محمد ادریس انصاری رح ۶/-	

مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے ابتدائی دینی تعلیم کا سلسلہ

چمن اسلام کا اردو قاعدہ مولانا داود راز دہلویؒ ۲/-	
" " پہلی کتاب " " " ۴/۵۰	
" " دوسری کتاب " " " ۶/-	
" " تیسری کتاب " " " ۷/۵۰	
" " چوتھی کتاب " " " ۹/-	
" " پانچویں کتاب " " " ۱۸/-	
چھ باتیں مولانا عاشق الٰہی صاحب ۲/۷۵	

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

حقیقت شکر	مولانا عبدالرحیم صاحب سنگالا سورتی رح	۴/۵۰
چشتی آسمانی (ایزبان پنجابی)	مولانا محمد حسین شیخوپوری	۱/۰۰
حجۃ اللہ البالغہ اردو (دو جلد)	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح	۱۲۵/-
حکایات الاولیاء (مجلد سنہری ڈائی دار)	اشرف علی تھانوی رح	۲۵/-
حقوق والدین	" " "	۲/۲۵
حیات طیبہ	مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رح کی سوانحیات	۷۵/-
حیات الصحابہ رض (اردو) امیر التبلیغ	مولانا محمد یوسف کاندھلوی رح (جلد اول)	۷۵/-
" "	" " " (جلد دوم)	۷۵/-
" "	" " " (جلد سوم)	۷۵/-
حضرت تھانوی کی یادگار تقریریں	" "	۱۲/-
" " کی آخری دعا	" "	۱/۵۰
" " کی آخری تقریر	" "	۱/۵۰
حزام الاعمال	مولانا اشرف علی تھانوی رح	۷/۵۰
دین اسلام	سید قطب شہید رح	۹/-
داستان یوسف	محمد اسحاق دہلوی رح	زیر طبع
مجموعہ دعائیں اور وظائف (صلی اللہ علیہ وسلم)	محمد شفیع مسکین	۲۱/-
دوزخ کا کھٹکا	سبحان اللہ صاحب رح	۲۱/-
دل کی دنیا (ایک معاشرتی ناول)	عبدالغفور شیخ	۲۴/-
درسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں	مولانا اصغر حسین رح	۱/۲۰
رحمۃ بدحات	حافظ حمید اللہ روپڑی	۱۰/۵۰
رسائل کی دینیات	مظفر حسین	۲۰/-
سنن ابن ماجہ شریف	(ترجمہ علامہ وحید الزمان رح) ۲ جلدیں	۴۵۰/-
سنن ابوداؤد شریف مترجم	" " " "	۳۹۰/-
سنن نسائی شریف مترجم (عربی، اردو)	" " "	۳۹۰/-
سیرت عائشہ صدیقہ	سلام اللہ صدیقی	۶/-
سیرت النعمان سوانح امام اعظم ابوحنیفہ رح	شبلی نعمانی رح	۳۶/-
شرح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا محمد شفیع مسکین	۲۷/-
شاہ اسمٰعیل ترجمہ الاقوال الجمیل (مجلد سنہری ڈائی دار)	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح	۲۲۴/-
شہادت حسین	مولانا ابوالکلام آزاد رح	۹/-
شرکیہ دم جھاڑا	مولانا عبداللہ روپڑی رح	۴/۵۰
صراط مستقیم	حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رح	۵/-
طب روحانی	ابراہیم دہلوی رح (پاکستانی کور)	۱۵/-
جہد نبوی کے میدان جنگ	ڈاکٹر حمید اللہ خاں رح	۹/-
عورتوں کی نماز	الحاج مولانا فریس محمد صاحب	۲/۷۵ روپے
عرس اور گیارہویں	مولانا عبداللہ روپڑی رح	۶/-
علوم الحدیث	ڈاکٹر صبح صالح	۶۰/-
فضائل تہجد	مفتی سہارنپوری رح	۱۰/۵۰
فلاح دارین (پاکستانی کور)	صوفی محمد دین رح	۳/۵۰
فضائل مساجد	مولانا اطہر حسین صاحب مظاہری رح	۲/۲۵
قصص القرآن مکمل چار حصے	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رح	۲۶/-
قرآنی دعائیں اور نماز مسنونہ	" "	۹/-
کتاب الوسیلہ (اردو ترجمہ)	امام ابن تیمیہ رح	۶۰/-
کمالات عزیزی (مجلد پاکستانی کور)	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح	۲۱/-
کلید فارسی		۲/-
کوٹھوں کی کتاب	مولانا محمد الحسن بدایونی رح	۲/۵۰
گناہوں کا بدل دنیا میں	مولانا اشرف علی تھانوی رح	۷/۵۰
گلشن عبدالصمد	(پنجابی منظوم)	۲/-
محمدی نماز (لغات کے فضلی مسائل اور نماز پڑھنے کا طریقہ)	محمد شفیع مسکین	۳۶/-
مصباح اللغات (عربی اردو ڈکشنری)	مولانا عبدالحفیظ بلیاوی رح	۹۶۵/-
مفردات القرآن (اردو، عربی)	دو جلد امام راغب	۲۲۵/-
موطا امام مالک (اردو، عربی)	ترجمہ علامہ وحید الزماں	۱۵۰/-
موطا امام محمد	" " الحاج حافظ ندا احمد پرنسپل شبلی کالج	۱۵۰/-
مرکز اسلام اور جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۳۷/-
میری نماز	مولانا محمد ادریس انصاری رح	۹/-
مسلمان خاوند	" " "	۹/-
مسلمان بیوی	" " "	۹/-
مسلمان خاندان بیوی (مجلد پاکستانی کور)	" "	۱۸/-
" " کارڈ کور	" "	۱۵/-
مسنون دعائیں	مولانا عاشق الٰہی رح	زیر طبع
مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج	مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رح	۲/-
لڑکی شادی کیوں کرتی ہے۔	مولانا عبداللہ روپڑی رح	۲/۰
نجم الفرقان لتخریج آیات القرآن	ملا مصطفےٰ ابن سعید رح	۱۲/-
نخبۃ العزیز یہ	مولانا عبدالعزیز صاحب دھامیر	۱۵/-
نخبۃ الاحادیث	حضرت مولانا داؤد غزنوی رح	۵/۲۵
وسیلہ بزرگان	مولانا عبداللہ روپڑی رح	۶/-
کلید القراۃ الرشیدیہ حصہ اول دوم		۴/۵۰

ملنے کا پتہ: اسلامی اکادمی اردو بازار، لاہور کوڈ نمبر ۵۴۰۰۰ فون ۶۴۱۶۱۰

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

تفسیر فی ظلال القرآن (اردو)

اب تک سید قطب شہیدؒ کی کئی کتابوں کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے خواہش تھی کہ تفسیر فی ظلال القرآن کا اردو ترجمہ شائع ہو۔ الحمد للہ! "اسلامی اکادمی لاہور" کو سارے ملک میں یہ امتیازی مقام حاصل ہوا ہے کہ مفکرِ اسلام سید قطب شہیدؒ کی تفسیر "فی ظلال القرآن" کا اردو ترجمہ پیش کر رہی ہے۔ سید قطب شہیدؒ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ سید صاحب کی تحریر میں تحریکِ اسلامی کی تڑپ اور قرونِ اولیٰ کی جھلک نظر آتی ہے اس تفسیر میں نہ روایات کا انبار ہے نہ فقہی موشگافیاں نہ کلامی بحثیں ہیں اور نہ صرف و نحو اور لغت کے بوجھل مباحث۔ یہ ایک طویل مطالعہ کے بعد کے وہ تاثرات ہیں جو ایک مردِ مومن کے قلب پر مرتسم ہوتے ہیں یہ صحیح معنیٰ میں ایک تحریکی تفسیر ہے اور اس کا مقصد وحید القرآن فہمی کا شعور اجاگر کرنا ہے، اس قسم کی کتاب نقلی ترجمے کی متحمل نہیں ہو سکتی، اسی لیے اس میں ترجمانی کا اسلوب اجاگر کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ سید قطب شہیدؒ کے افکار دھندلائے اور کجلائے اپنی اصل روح اور دلکش تعبیر کے ساتھ قاری تک پہنچائے جائیں۔

سید صاحبؒ کی تفسیر فی ظلال القرآن اردو دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد میں تین پارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سات جلدیں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں باقی تین جلدیں کتابت طباعت ترجمے کے مرحلے میں ہیں۔ ہماری اولین کوشش ہے کہ آپ کی خدمت میں تفسیر فی ظلال القرآن اردو کی بقایا تین جلدیں بہت جلد پیش کریں۔

امید ہے کہ آپ خود بھی تفسیر "فی ظلال القرآن" اردو خریدیں گے اور اپنے حلقۂ احباب میں اس کا تعارف کرائیں گے۔ آپ کا یہ ہی تعارف میرے لیے کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تفسیر "فی ظلال القرآن" کا اردو ترجمہ مکمل شائع کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

تفسیر 29 × 22 8 سائز میں آفسٹ کاغذ آفسٹ طباعت سنہری ڈائی دار جلدوں میں دستیاب ہے ہدیہ جلد اوّل ۱۲۰/- روپے جلد دوم ۱۴۰/- روپے جلد سوم ۱۶۰/- روپے جلد چہارم ۱۶۰/- روپے جلد پنجم ۱۴۰/- روپے جلد ششم ۱۴۰/- روپے جلد دہم ۱۶۰/- روپے۔ پہلی فرصت میں اپنے شہر کے قریبی بک سٹال سے خریدیں یا ہم سے طلب فرمائیں وگرنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ——— ابو مومن منصور احمد حنفی عفی عنہٗ

ناشر: اسلامی اکادمی ناشران اسلامی کتب ۱۷۔ اردو بازار لاہور پاکستان۔ ۵۴ فون نمبر ۶۴۱۶۱

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ